

حاشیہ بریلہ اکابرِ منتظر

محقق عصر

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی
مدظلہ کئی دو کتابیں

”شہداء کربلا پر افشرا“
یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

مرتب

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اہل سنت کی نظر میں اور تاریخ کی شہادتوں کے آئینہ میں

حادثہ کربلا کا پس منظر

اور

محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ،

کی دو کتابیں

شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

استاد جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی

حال صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی



idara™
+com

ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب :	حادثہ کربلا کا پس منظر اور مولانا عبدالرشید نعمانی کی دو کتابیں شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں
مرتبہ :	ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی
باہتمام :	محمد انس
کتابت :	نظام قیصر رانچوی
سن اشاعت :	۱۴۲۷ھ
مطبع :	نائس پرنٹنگ پریس۔ دہلی

ISBN 81-7101-386-4

Published by:

IDARA ISHA 'AT-E-DINTYAT (P) LTD.
168/2, Jha House, Hazrat Nizamuddin, New Delhi-13
Tel.: 6926832, 6926833 Fax: 011-6322787, 4352786
Email: sales@idara.com Website: www.idara.com

در معنی حریت اسلامیہ و سیرِ حادثہ کربلا

علامہ اقبال

ہر کہ پیال باہو موجود است	گردش از بندہ ہر سبب و رست
مومن از عشق است عشق از مومن است	عشق را ناممکن ناممکن است
عقل سفاک است و اد سفاک تر	پاک تر چالاک تر بیسباک تر
عقل در پیچاک اسبابِ علل	عشق چو گاہ باز میسدانِ عمل
عشق صید از زور بازو دانست کند	عقل متکا را است دانے می زند
عقل را سرمایہ از بیم شک است	عشق را غرم و قیاس لایفک است
آن کند تعمیر تا ویراں کند	ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل چون باد است از زانِ جہاں	عشق کمیاب و بہاے او گراں
عقل محکم از اساسِ حق و پند	عشق عرایاں از لباسِ حق و پند
عقل میگوید کہ خود را پیش کن	عشق گوید بخوانِ خویش کن
عقل با غیر آشنا از کتاب	عشق از فضل است با خود در حساب
عقل گوید شاد شو آباد شو	عشق گوید بند شو آزاد شو
عشق را آرام جاں حریت است	ناقہ اش را سارباں حریت است
آن شنیدنی کہ ہنگام نبرد	عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
آن امام عاشقان پر توکل	سر و آزادے زبستانِ رسول
اللہ اللہ بایں بسم اللہ پد	معنی ذبح عظیم آمد سپر
بہر آن شہزادہ خیر الملل	دشمن ختم المرسلین نعم الجمل
سُخ روح عشق غنیوار خون او	شوخِ این صبح از مضمون او
در میان امت آن کیواں جناب	ہمچو حرفِ قل هو اللہ در کتاب
موسی و فرعون و شبث و زید	ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوت شبیری است
 چون خلافت رشتہ از قرآن گسخت
 خاست آن جسورہ خیر الامم
 بر زمین کر بلا بارید و رفت
 تاقیامت قطع استبداد کرد
 بہر حق در خاک و خون غلطید است
 مدعایش سلطنت بودے اگر
 دشمنان چون یک صحیحہ لاتعد
 بر سر ابراسیم واسمعیل بود
 عزیم او چوں کوہ ساراں استوار
 تیغ بہر عزت دین است و بس
 ما سوالہ را سلاں بندہ نیست
 خون او فیراں اسرار کرد
 تیغ کا چوں از میاں پیر دل کشید
 نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
 رمز قرآن از حسین آختیم
 شوکت شام فر بخدا و رفت
 تار ما از زخمہ اش لہزاں ہنوز
 باطل آفروداغ حسرت میری است
 حسرت را ز ہر اندر کام رنجت
 چوں سحاب قبلہ باران در قدم
 لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
 موج خون او چمن احب باد کرد
 پس بناے لالہ گردید است
 خود نکر دے با چنیں سامان سفر
 دوستان او بہ نرداں ہم عدد
 یعنی آن اجمال را تفصیل بود
 پاندار و سند سیر و کامکار
 مقصد او حفظ آئین است و بس
 پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
 ملت خوابید رہاں کرد
 از رُ ارباب باطل خون کشید
 سطر عنوان نجات نوشت
 زاتش اشعد اندویم
 سطوت غرناطہ ہم زیاد رفت
 تازہ از تجسیر او ایناں ہنوز

اے صبا اے پیکر افکار
 اشک ما بر خاک پاک ویراں



فہرست کتاب

حرف اول (اہل سنت کا مسلک) نمبر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی
حرف دوم (مقدمہ کتاب) ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

● واقعہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر ●

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

- حضرت معاویہؓ (۱۸) یزید کی ولی عہدی کے نقصانات (۲۰) دینی طبقہ کی رائے عامہ (۲۲)
- خلافت راشدہ کے بعد کی خرابیاں (۲۳) اختلاف کی بنیاد (۲۶) حضرت معاویہؓ کا موقف (۲۷)
- صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے شفقت (۲۸) حکمت الہی کیا تھی (۳۱) اہل عزیمت کے لئے
- نمونہ اور نظیر (۳۲) ایک بنیادی مسئلہ اور علامہ ابن تیمیہ (۳۵) ظالم حکمرانوں کے خلاف اقدام کے
- بارے میں ابن حزم کا موقف (۳۷) فاسق و فاجر حکمران کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی
- کا موقف (۴۰) علامہ ابو بکر جصاص کا موقف (۴۲) امام الحرمین کا موقف (۴۳) حضرت عمر کی
- حدیث (۴۴) اعتدال کی راہ (۴۵) علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ و یزید کے بارے میں
- (۴۷) انعقاد امامت کا مسئلہ اور اسلام کا اصول حکمرانی (۴۸) زشت روئی سے تری آئینہ ہے
- رسواترا (۵۳) معاویہ بن یزید کی شہادت (۵۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شہادت (۵۷)
- علامہ ابن تیمیہ کی شہادت (۵۷) وضع الید فی الید کی روایت (۵۸) و تو اصوب الحق پر عمل کا
- نمونہ (۵۹) وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے (۶۰) آخر میں ایک بات اور (۶۰) ایک
- مرض اور اس کے اسباب (۶۱)

● شہداء کربلا پر افتزار ●

از محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

- نواصب کون ہیں (۷۵) نواصب کا خاتمہ (۷۴) برصغیر میں ناصبیت کی تحریک (۷۸)
- مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام (۷۸) خود ساختہ داستان کربلا (۷۱) جھوٹ کی تنقیح (۷۸) داستان گو کی حساب دانی (۸۶) دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۸۷) تیسرے جھوٹ کی تنقیح (۹۶) ظلم کا انجام (۱۰۴) امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا (۱۰۷)
- حضرت ابن زبیر پر افتراء (۱۰۸) یزید کی برأت کے سلسلہ میں داستان سرائی (۱۱۶) وظائف مقرر کرنے کا افسانہ (۱۱۷) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہ (۱۱۸) بنی ہاشم پر افتراء (۱۲۵)
- حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲۶) حضرت حسین کو مطعون کرنا (۱۲۹) کتاب کا غلط حوالہ (۱۳۵) صحابی رسول حضرت سلیمان بن مروہ پر طعن (۱۳۶) داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۳۹)
- حضرت علی و حسین کی تحقیر و توہین (۱۴۱) ایک نئی دریافت (۱۴۲) حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی (۱۴۳) حضرت حسین کی تحقیق (۱۴۶) ضروری تنقیح (۱۴۸) شیعہ شخصیں کون ہیں (۱۵۳)
- اہل سنت کا عقیدہ (۱۶۱) نواصب تقیہ سے باز آئیں (۱۶۳) یزید کے کثوت حدیث کی روشنی میں
- یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں ●

از محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

- تمہید (۱۶۷) استفتاء کے سوالات (۱۶۹) استفتاء (۱۶۹) استفتاء کا اجمالی جواب (۱۷۵)
- اہل سنت کا شیوہ (۱۷۵) حضور علیہ السلام کے اصحابؓ ازواج اور ذریت کے بارے میں اچھی رائے رکھنے والا اتفاق سے بری ہے (۱۷۵) حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرات حسین جو انان جنت کے (۱۷۶) یزید سے نفرت کرنا ایمان کا مقتضی (۱۷۷) یزید کے برے کثوتوں کی تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے (۱۷۷) شاہ ولی اللہ صاحب (۱۷۹) ناصبیوں کے شبہات کے تفصیلی جوابات - پہلے شبہ کا تفصیلی جواب (۱۸۰) غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت (۱۸۰) مستفتی اگر دوسری حدیث پر غور کرتے (۱۸۰) کسی عمل خیر پر بشارت کا مطلب (۱۹۲) کسی شخص کا نام لے کر جنتی کہنا

اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے (۱۹۳) یزید کا نام لے کر اس کو جنت کی بشارت نہیں دی گئی (۱۹۳) حافظ ابن کثیر کی تصریح (۱۹۴) شیعان امویہ کا مذہب (۱۹۴) یزید کا مجاہدین روم کا مذاق اڑانا (۱۹۵) حضرت معاویہ کا یا بجر اس کو جہاد پر روانہ کرنا (۱۹۶) زمام خلافت سنبھالتے ہی (۱۹۶) "سیدنا یزید" کے مؤلف کی شرمناک حاشیہ آرائی (۱۹۶) بالفرض یزید جہاد قسطنطنیہ میں دل سے شریک ہوا تو (۱۹۸) شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح (۱۹۹) ایسے کام کئے جو لعنت کے موجب تھے حدیث میں جن چھ افراد کو لعنتی بتایا گیا ہے (۱۹۹) مظالم کی تفصیل امام ابن حزم کی زبانی (۲۰۰) خلاصہ بحث (۲۰۰) یزید جیسے فاسق کی سرگردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے (۲۰۱) "مدینہ قیصر سے حدیث میں قسطنطنیہ نہیں بلکہ "حمص" مراد ہے (۲۰۱) "صحیح بخاری" میں یزید کی مذمت میں حدیثیں (۲۰۱) پہلی حدیث (۲۰۱) حضرت ابو ہریرہ کا دور یزید سے پناہ مانگنا (۲۰۳) یزید کی مذمت میں "صحیح بخاری" کی دوسری حدیث (۲۰۵) امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں (۲۰۶) لونڈوں کی حکومت کی کیفیت (۲۰۶) شمر کا اطاعت یزید کے سلسلہ میں عذریہ (۲۰۷) امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں پر یزید سرفہرست ہے (۲۰۹) آنحضرت کی ہدایت (۲۱۰) صحابہ و تابعین کا اس ہدایت پر عمل (۲۱۰) مروان کا لعنت کرنا (۲۱۲) یزید کے دور میں صحابہ و تابعین پر مظالم (۲۱۳) تیسری روایت (۲۱۴) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا مروان کو برسرِ مہر ٹوکنا (۲۱۵) حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا (۲۱۶) مروان کی حضرت عائشہ سے سخت کلامی (۲۱۶) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا حضرت معاویہ کو قہر واپس کر دینا (۲۱۸) یزید کا گورنر مدینہ کو اس لئے معزول کر دینا کہ اس نے حضرت حسنینؓ و حضرت ابن زبیرؓ پر سختی کیوں نہیں کی (۲۱۹) مروان کا گورنر مدینہ کو مشورہ دینا کہ حضرت حسنینؓ و ابن زبیرؓ و ابن عمرؓ اگر بیعت نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے (۲۲۰) حضرت ابو شریح کا گورنر مدینہ کو حرم الہی پر فوج کشی سے منع کرنا (۲۲۰) چوتھی حدیث (۲۲۰) یزیدی گورنر کا حضرت ابو شریح کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا (۲۲۲) اس گورنر کے بارے میں امام ابن حزم کا فیصلہ (۲۲۲) حضرت ابن زبیرؓ کے خلاف گورنر مدینہ عمر و اشوق کی ہرزہ سرائی (۲۲۳) حضرت ابن زبیرؓ کے فضائل (۲۲۴) یزیدی گورنر عمر و اشوق کی مذمت حدیث میں (۲۳۱) کربلا کے دن (۲۳۲) پانچویں حدیث (۲۳۲) قرابت رسول اللہ کا پاس و لحاظ (۲۳۲) ابن زیاد بد نہاد کی حضرت حسنینؓ کے سہرا قدس کے ساتھ گستاخی (۲۳۸) یزید کی شقاوت (۲۳۸) ابن زیاد بد نہاد کا صحابہؓ کے ساتھ گستاخانہ طرزِ عمل (۲۳۹) حضرت

معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا (۲۳۹) ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ گستاخی (۲۴۲) ابن زیاد کی حضرت عائد بن عمر کے ساتھ بد تمیزی (۲۴۳) ابن زیاد کا حضرت ابوہریرہ کا مذاق اڑانا (۲۴۴) ابن زیاد بد نہاد تھا (۲۴۴) یزید کی مدینہ نبوی میں فوج کشی (۲۴۹) واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی چھٹی حدیث (۲۴۹) حرہ کے مظالم کی تفصیل (۲۵۱) حرم مکہ کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری (۲۵۵) یزید کا انجام بد (۲۵۵) خود فیصلہ کیجئے (۲۵۴) امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا (۲۵۸) ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب و عذاب سے بری ہیں (۲۵۹) دوسرا شبہ اور اس کا جواب۔ صحابہ یزید کے درباری نہ تھے (۲۶۲) یہ رافضیوں کی طرح کا شبہ ہے (۲۶۵) کیا یزید کے ظلم و ستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے (۲۶۴) تیسرا شبہ۔ یزید کی برائت کے بارے میں محمد بن حنیفہ کی روایت (۲۶۲) متقی کا غلط حوالہ (۲۶۲) جاہل کردوں کا عقیدہ (۲۶۳) خلافت نبوت جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے تیس برس (۲۶۲) ائمہ مسلمین میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یزید عادل تھا (۲۶۳) حافظ ابن کثیر کی تصریحات (۲۶۳) محمد بن حنیفہ کی طرف منسوب (۲۶۵) فن رجال کا متفقہ فیصلہ (۲۶۹) چوتھا شبہہ۔ کیا حضرت ابن عباس نے یزید کو اپنے خاندان کا نیک فرد بتلایا تھا؟ (۲۶۸) غانی کی روایت (۲۶۸) الامامہ والسیاسہ (۲۶۹) "بلاذری" کی سند (۲۸۰) حضرت ابن عباس کی آخری رائے (۲۸۰) یزید اور حضرت ابن عباس کی خط و کتابت (۲۸۱) یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام (۲۸۱) حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ (۲۸۳) پانچواں شبہہ اور اس کا جواب۔ قاضی ابن العربی کی رائے (۲۸۸) قاضی ابن العربی کا فتویٰ کہ حسین کا قتل جائز تھا (۲۸۹) قاضی ابوبکر ابن العربی نا صبی ہیں (۲۹۰) کتاب الزہد میں جس یزید کا ذکر ہے (۲۹۱) امام ابن جریر کو رافضی بتانا محض جھوٹ ہے (۲۹۲) مطبوعہ کتاب الزہد اصل نہیں (۲۹۳) یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۲۹۳) حافظ ابن حجر کی "لسان المیزان" سے یزید کا مکمل ترجمہ (۲۹۶) امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے (۳۰۲) قاضی ابوبکر ابن العربی کی ہجو (۳۰۵) چھٹا شبہہ اور اس کا جواب۔ یزید کے جرائم کی فہرست (۳۰۸) غزالی کے فتویٰ کی تفسیح (۳۰۸) حضرت حسینؑ کا میدان کربلا میں آخری خطبہ (۳۱۱) امام کیا ہر اسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے (۳۱۳) غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے (۳۱۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق (۳۱۵)

شاہ عبد العزیز صاحب کی تحقیق (۳۱۹) اظہارِ ندامت (۳۲۱) یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبد العزیز صاحب کا فیصلہ (۳۲۲) بعض علماء یزید پر لعنت اس لئے نہیں کرنے کہ کہیں اس کے گناہوں کا بوجھ کم نہ ہو جائے (۳۲۳) یزید پر لعن کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۳۲۴) یزید پر لعنت کے بارے میں امام اعظم اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات (۳۲۵) امام ابو بکر حبصا ص کا فتویٰ (۳۲۶) ائمہ بخارا کا فتویٰ (۳۲۷) امام کروری کا فتویٰ (۳۲۸) "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "برازیہ" (۳۲۹) لعن کے بارے میں کتاب العالم والمتعلم کی عبارت (۳۳۰) مسلمان پر لعنت کرنے کا مطلب (۳۳۱) ساتویں اور آٹھویں شبہہ ان شبہوں کا انشایا ہے (۳۳۲) نواں شبہہ حضرت زین العابدین کی یزید سے بیعت (۳۳۳) اس شبہہ کا جواب - "طبقات ابن سعد" اور بلا وری کا غلط حوالہ (۳۳۴) حضرت زین العابدین کے ساتھ بدتمیزی (۳۳۵) اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا (۳۳۶) اہل بیت کی حق تلفی (۳۳۷) دسواں شبہہ سادات کی رشتہ داریاں امویوں سے (۳۳۸) اس شبہہ کا جواب واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا (۳۳۹) یزید کے زوال سے عبرت پکڑنا (۳۴۰) گیارہواں شبہہ - اس شبہہ کا جواب - سائل کی لغویائی و دروغ گوئی (۳۴۱) حضرت فاروق اعظم کی شہادت میں کسی کوئی کا ہاتھ نہ تھا (۳۴۲) بقیہ غلط باتوں کی تفصیل (۳۴۳) حضرت حسین کا اقدام (۳۴۴) جن حضرات نے یزید و حجاج کے خلاف اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا (۳۴۵) یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسین کو چین سے بیٹھنے نہ دیا (۳۴۶) برہنہ شہادت (۳۴۷) کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے (۳۴۸) کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر (۳۴۹) عمر بن سعد کا حشر (۳۵۰) ابن زیاد کے سر کا عبرتناک انجام (۳۵۱) یزید کا دنیا سے ناکام و نامراد جانا (۳۵۲) یزید کی نسل کا منقطع ہو جانا (۳۵۳) یہ صحیح نہیں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے (۳۵۴) اس روایت پر روایت کے اعتبار سے یہ فیصلی بحث (۳۵۵) حضرت حسین کا شمار کیا صحابہ میں ہے (۳۵۶) حضرت علی اور حضرت حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے (۳۵۷) حضرت حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟ (۳۵۸) عقبہ بن سمعان کی روایت بھی موجود ہے (۳۵۹) خضریٰ کی تحقیق اس باب میں - بارہواں شبہہ - حضرت حسین کی اجتہادی غلطی (۳۶۰) اس شبہہ کا جواب - شبہہ

کرنے کا کیا جواز تھا (۳۵۸) سبائی کون تھے (۳۵۸) صحابی کی بھاری اکثریت حضرت حسینؑ کے موقف کی حامی تھی (۳۶۱) صحابی رسول کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا (۳۶۳) احادیث کی رو سے حضرت حسینؑ کے موقف کی صحت (۳۶۳) اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم (۳۶۵) یزید کے بارے میں خود اس کے بیٹے کی شہادت (۳۶۶) ابن زیاد کی شہادت (۳۶۷) یزید کا فسق (۳۶۸) شہادت حسینؑ پر حضور علیہ السلام کا قتل (۳۶۹) ابن تیمیہ کا بیان (۳۷۳) حضرت حسینؑ سے حضور علیہ السلام کا محبت فرمانا اور خلفائے ثلاثہ کا ان کا اکرام کرنا (۳۷۳) مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب (۳۷۵) مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات (۳۷۶) حضرت مجدد الف ثانی کی تصریحات (۳۷۶) بحر العلوم کی تصریح (۳۷۸) سید احمد شہید کی تصریح (۳۷۸) مولانا تھانوی کا فتویٰ (۳۷۹) غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح (۳۷۹) نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ (۳۸۰) علامہ مقبلی کی رائے (۳۸۳) یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث (۳۸۶) یزید کا جزیرہ رؤس اور جزیرہ ارداس سے مجاہدین کو واپس بلوانا (۳۸۷) "مدینہ قیصر" (۳۸۸) حدیث مدینہ قیصر کا مصداق سلطان محمد فاتح (۳۸۸) قسطنطنیہ کی پہلی مہم (۳۸۹) یزید کا عقیدہ اور عمل (۳۹۳) حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ (۳۹۵) اہل سنت کے لئے لمحہ فکر یہ (۳۹۸)

قافلہ مجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گر یہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دہلاؤ و زون

عقل و دل نگاہ کامر شدادیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بت کہہ تصورات

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؑ بھی ہے عشق
مہم کہ وجود میں بدردو حنینؑ بھی ہے عشق
(اقبال)

اہل سنت کا مسلک

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ شائع شدہ تحریر
اس موضوع پر صرف اول بھی ہے اور صرف آخر بھی

ائمہ اہل سنت اور اس گروہ کے تمام محقق و معتبر علماء اور نمائندوں کا اس پر اتفاق
ہے کہ خلافت راشدہ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی۔ حضرت معاویہ اور
ان کے جانشینوں کی حکومت احادیث صحیحہ کے مطابق (جن میں خلافت راشدہ کے بارے میں
تیس سال کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے) خلافت راشدہ نہیں تھی، یہی حکیم الاسلام حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور آخر میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی کا
مسلک اور تحقیق ہے۔^۱

اسی طرح گروہ اہلسنت یزید بن حضرت معاویہ کو اس دور خیر و برکت میں جماعت صحابہ اور
صالحین امت پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں سمجھتا اور ان کو (معتبر تاریخ و سیر کی روشنی میں)
اس دینداری اور صلاح و تقویٰ کے معیار پر پورا اترتا ہوا نہیں پاتا۔ جو ایک مسلمان حاکم اور
فرماں روا کے لئے (کم سے کم) اس عہد میں ضروری تھا۔ بلکہ ان کو بہت سے ایسے مشاغل و
عادات کا مرکب و عادی جانتا ہے جو شرعی حیثیت سے قابل تنقید و مذمت ہیں، پھر
انہیں کے عہد میں واقعہ حرہ جیسا سنگین اور قابل شرم واقعہ پیش آیا جس کی کوئی تاویل ممکن
نہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی ہے۔ دونوں نے سخت الفاظ
میں یزید کی مذمت کی ہے، لیکن وہ لعن و طعن، سب و شتم اور تبرائے محرز اور مجتنب اور

۱۔ ملاحظہ ہو اذا لقا الخفاء عن خلافة الخلفاء ص ۱۴۶

۲۔ ”خلفائے راشدین“ از مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی، ص ۲۱ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۱۴۱۱ھ

۳۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۳ طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض ۳۵ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۴

رفض و تشیع سے بیزار اور اس کے منکر و مخالف تھے۔

اس کے نتیجے میں اور اس کے پس منظر میں محققین اہل سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو درست سمجھتے ہیں، جو انھوں نے یزید کے معاملہ اور مقابلہ میں اختیار کیا اور ان کو برہر صواب، شہیدِ راہِ حق اور امت کے لئے ایک نمونہ پیش کرنے والا بنا دیا کرتے ہیں۔

اگر ایک جمعی جہانی حکومت کے خلاف جس کا حاکم و فرمان روا مسلمان ہو، لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق و عادات قابل تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرے پر برے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام، خروج و بغاوت اور انتشار انگیزی کے مرادف قرار دیا جائے تو پھر خاندانِ سادات ہی کے ان تین صاحبِ عزیمت افراد زید شہید، محمد ذی النفس الزکیہ، اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان اور دو آخر الذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں علمِ جہاد بلند کیا جو بہر حال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے۔ اور دو عظیم الشان فقہار اور مذاہب فقہیہ اہل سنت کے جلیل القدر بانی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے ان کی کھل کر تائید و حمایت فرمائی، حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبد الملک کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی یہ

۱۔ ملاحظہ ہو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی معرکہ الآراء کتاب "منہاج السنۃ"

۲۔ ملاحظہ ہو مناقب ابی حنیفہؒ ج ۱ ص ۵۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی"

۳۔ مولانا سید مناظر حسن گیلانی۔

مقدمہ کتاب اسلامی تاریخ پر شب خون

یزید بن معاویہ ایسا باطل نہ تھا جس کے خلاف مقاومت ضروری تھی یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش جو پاکستان میں محمود عباسی صاحب کی کتاب سے شروع ہوئی تھی، اب ہندوستان میں ایک مخصوص حلقے میں کی جا رہی ہے۔ چنانچہ لکھنؤ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کے اقدام کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اور یزید کی طرف سے بیان صفائی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک خطرناک اقدام ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق اور محبت کا رشتہ یقینی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ مزید برآں فاسق اور برسر باطل اقتدار کے خلاف مزاحمت اور مقاومت کی تمام کوششوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ صدرِ اول میں حضرت امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کوششیں بعد کی ضدیوں کے لئے نمونے اور معیار کا کام کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی کام کرتی رہیں گی۔

واقعہ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی واقعی اہمیت کو گھٹا کر دکھانے اور یزید کے کردار کو بلند و بالا ثابت کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افرادِ خاندان کی کامیاب تربیت نہیں کی ورنہ وہ اپنے ذاتی اقتدار کے حریص بن کر اقتدارِ وقت سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتے۔ پیغمبرِ برحق جن کو اللہ نے مامور فرمایا تھا کہ بنی نوع انسان کے لئے ہدایت کا سامان ہم پہنچائیں اور دعوت کا سلسلہ خود اپنے قریب کے اعضاء و اقربا سے شروع کریں۔ وانذر عشیرتک الا قریب (اور ڈرائیے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو) انھوں نے خود اپنے گھرانے کو فراموش کر دیا۔ اور ان کی دعوت اور ان کی تربیت کا اور رات دن کی صحبت کا

ان کے گھروالوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ سب حبِ جاہ کے شکار ہو گئے۔ ایک سچے اور اچھے مسلمان خاندان کی یہ خصوصیت ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہے کہ اس کے تمام افراد عقیدہ و عمل کے لحاظ سے ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ آدمی جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے اور جو باتیں بچپن میں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں جو نمونے اپنے خاندان میں دیکھتا ہے اسی کے مطابق وہ قدرتی طور پر ڈھل جاتا ہے۔ عصبیت میں بھی اور محبت میں بھی اس کے دل و دماغ پر اسی نمونے کی چھاپ ہوتی ہے۔ بہت ہی شاذ و نادر لاکھوں کرڈروں میں دو چار ایسے ہوتے ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلق اپنے نواسوں یعنی حضراتِ حسنینؑ سے تھا اور جس طرح کی شفقت کے واقعات صحیح احادیث میں موجود ہیں اور حضراتِ حسنینؑ کے والدین حضرت فاطمہ زہراؑ اور سیدنا علیؑ کرم اللہ وجہہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گہرا تعلق تھا اس کے مطابق اور قرین عقل و قیاس اور موافق کتب تاریخ و احادیث و رجال یہ بات ہوگی کہ اہل بیت لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اب ان احادیث کا انکار جن سے ان اہل بیت سے آپ کی گہری محبت کا اظہار ہوتا ہو درحقیقت نادانی اور صحاح و سنن کے تمام مجموعے کو شکوک اور ناقابلِ اعتبار ٹھہرانا ہے۔ ان عظیم حضرات کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو میدان میں لانا اور اسے ہیر و بنانا جس کے سیاہ کا زناموں پر امت کے تمام اکابر متفق ہوں بڑی جسارت کی بات ہے۔

یزید کی کردار سازی اور اسے حاکم برحق قرار دینا درحقیقت ملتِ اسلامیہ کے دلوں سے اسلام کی اور اہل بیت کی محبت و عظمت کو زکا لے کر کوشش کرنا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ یزید کی ولیعہدی کے وقت سے اسلام کی تاریخ میں غیر شرعی موروثی نظام حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور اتنا دراز ہوا کہ ترکی کی خلافت کے خاتمے کے وقت ہی وہ ختم ہو سکا۔ یہ کون نہیں جانتا کہ واقعہٴ حرہ میں مدینہ میں انصار و مہاجرین پر جو قیامت ٹوٹی اس کا ذمہ دار بھی یزید تھا۔ جس نے تین روز تک شام کے شکرلوں کو یہ آزادی دے دی کہ جس کو چاہیں قتل کریں اور جس گھر کو چاہیں لوٹ لیں اور جس کی ناموس و عزت چاہیں تاراج کریں۔ کون

نہیں جانتا کہ یزید ہی کے حکم سے مسجد نبوی کی حرمت پامال کی گئی۔ وہ یقیناً پاک جہاں جبریل امین اترتے تھے۔ اور جس کے ایک حصے کو جنت کی کیاریاں یعنی "ریاض الجنۃ" کہا گیا ہے۔ وہاں گھوڑے باندھے گئے۔ اب جو شخص بھی ان اعمال سے راضی ہو، اس کی تاویل کرے اور ان اعمال کے ذمہ دار یزید کا وکیل بن کر کھڑا ہو، اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی کیا عزت و وقعت باقی رہ سکتی ہے۔

جو لوگ یزید کے اعمال کی تاویل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کرام کے قتل سے بھی راضی ہیں جو کعبۃ اللہ میں پناہ لئے ہوئے تھے اور یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جلیل القدر صحابی ہیں اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے پہلے صحابی ہیں اور جن کو سب سے پہلی غذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دست مبارک سے ملی۔ حضورؐ نے اپنے دندان مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھا تھا گویا اس عالم وجود میں آنے کے بعد حضورؐ کا لعاب دہن تھا جو آپ کی غذا بنا۔ حضرت حسینؑ کے بعد وہ یزید کی مخالفت میں صف آرار ہوئے اب کوئی شخص ان کے عمل کو غلط کہے اور ان کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرے اور جابر حکومت کے فوجیوں کو برسرِ حق سمجھے اور یزید کی کردار سازی کرے تو یہ تاریخ اسلام پر شب خون مارنا ہے۔ کوئلے کو کافور اور کافور کو کوئلہ ثابت کرنے کی کوشش مسلمانوں کے شجرہ نسب و محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دے گی اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضورؐ کی نہ تو نگاہ میں کوئی تاثیر تھی نہ آپ کے اسوہ میں نہ عمل میں نہ تربیت میں۔ وہ اپنے افرادِ خاندان اور قریب ترین صحابہ کی تربیت نہ کر سکے۔ بدینے کے لوگ جو یزید کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے تھے یہ وہ انصارِ مدینہ تھے جنہوں نے بدر کے موقع پر کہا تھا ہم آپ کے دائیں سے لڑیں گے اور آپ کے بائیں سے لڑیں گے آپ کے لئے سمندر میں کود جائیں گے۔ کیا وہ اس لائق تھے کہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کو قتل کر دیا جائے کیا اس واقعہ کے بعد بھی یزید کی کردار سازی کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

بدنام زمانہ سلمان رشدی نے کھلے بندوں وار کیا تھا۔ اور کھل کر دشمن کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آیا تھا اور تمام مسلمانوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور دشمنانِ دین نے

اس کی پشت پناہی کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ لیکن محمود عباسی اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اس سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ اپنے زہر کو نام نہاد تحقیق کے کیپسول میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو صحیح عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔

”نئے مطالعہ کی روشنی میں“ واقعہ کر بلا کو دیکھنے کا مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ تو کوئی نیا وثیقہ برآمد ہوا ہے اور نہ کوئی نئی تاریخی دستاویز اور نہ لندن کے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس سے مصنف کتاب کو نیا مخطوط مل سکا ہے۔ تاریخ کے مصادر و مراجع وہی ہیں جن کی روشنی میں سینکڑوں برس سے امت کے اعیان علماء و صحابہ ایک نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش ایک طرح کا فکری شذوذ ہے جس سے مسلمانوں کو بچنے اور بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پیش نظر کتاب ایسی ہی ایک کوشش ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ ایک علمی اور دینی پیش کش۔ ایک ابتدائی مقالہ کے سوا جسے ہندوستان کے علمی افق پر چھڑی گئی بحث کے پس منظر میں لکھا گیا ہے پوری کتاب محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کے قلم سے ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ، مصنف لغات القرآن ایک عالم جلیل اور محدث کبیر ہیں۔ آپ نے سن ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے جو ہندوستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی اہل علم کے نزدیک اہمیت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیث بنویہ پر آپ کے قلم سے نکلی ہوئی تحقیقات کا علمی وزن ہے۔ امام حسن بن زیاد کی کتاب الآثار کی تحقیق آپ کا زبردست علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے اس کے علاوہ امام حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی الصحیحین کے مشہور رسالے المدخل فی اصول الحدیث پر آپ کا گراں بہا علمی و تحقیقی تبصرہ الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ آپ نے ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حمید حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا ہے اور فقہ حنفی میں آپ کو اس درجہ رسوخ حاصل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کو اپنے نام نامی کا جزو و نعمانی بنالیا ہے۔ اکابر دیوبند سے آپ کو گہرا تعلق ہے۔ دیوبند کے صد سالہ تقریب کے موقع پر الفرقان میں آپ کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کو دین حنیف ابراہیمی اور مسلک حنفی کا قلعہ بتایا تھا۔ کئی مرتبہ

مہمان استاد کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس حدیث دیا ہے پاکستان میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ میں عرصہ دراز تک احادیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔

جب پاکستان میں محمود عباسی کا فتنہ اٹھا تو اس کو دبانے میں علمائے ہند و پاکستان نے بیش از بیش خدمات پیش کیں۔ ان بزرگوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء اور مشہور دینی محقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے ہندوستان سے حصہ لیا۔ پاکستان میں حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی کی کتابیں مکتبہ اہل سنت کراچی نے شائع کیں اور ان کتابوں کی وجہ سے عباسی فتنہ چند نیم خواندہ افراد تک سمٹ کر رہ گیا۔ اب وہاں کوئی عالم دین اس فتنہ میں شریک نہیں ہے۔ ہندوستان میں چونکہ یہ فتنہ نیا نیا شروع ہوا ہے اور بھیس بدل کر نئے انداز میں ابھارا جا رہا ہے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ مجلس علمی کی طرف سے اس موضوع پر حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی کی تحریریں شائع کی جائیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کو غلط افکار و نظریات کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور جن لوگوں نے غلط نظریات کو قبول کر لیا ہے ان کو ان نظریات سے رجوع کرنے کی توفیق بخشے۔

محسن عثمانی ندوی

حادثہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر

گزشتہ چالیس برس کے عرصہ میں اس بڑے صغیر میں متعدد ایسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصد کبھی صاف طور پر اور کبھی اشارتاً یہ ثابت کرنا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام دینی نقطہ نظر سے بھی غلط تھا اور عقل و احتیاط کے بھی خلاف تھا اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی دہرائی جاتی رہی ہے کہ یزید کے اندر کوئی برائی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی ضروری تھی۔ سب سے پہلے تو یہ بات جان لینے کی ہے کہ واقعہ کربلا حضرت حسینؑ اور یزید کی آوینہ نش کے سلسلے میں گزشتہ ایک ہزار برس کے عرصے میں اہل دین و صلحاء ایک موقف رکھتے ہیں یہاں تک کہ مسائل فقہ میں جن چار اماموں کی امت اسلامیہ پیروی کرتی ہے ان کا موقف بھی ایک ہے اور ان کے سیاسی بیانات سے ان کے رجحان و میلانات کا پتہ چلانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں کوئی دوسرا موقف اختیار کرنے کا مطلب یہ الفاظ دیگر اپنے آپ کو ائمہ فقہ سے بڑھ کر فقیہ اور دین میں فہم و بصیرت کا حامل ہونے کا دعویٰ کرنا ہے۔ علماء دین اور ائمہ عظام تسلسل اور تواتر کے ساتھ اس مسئلہ کو جس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ یہ ہے:

حضرت معاویہؓ

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود حضرت معاویہؓ کی تخت نشینی امت کے اعیان سے مشورت اور استمراج کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ انھوں نے

اقتدار حاصل کر لیا تھا اور لوگوں نے بس ان کی اطاعت کر لی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہ کی بیعت کے بعد مشہور صحابی اور فاتح عراق حضرت سعد بن وقاص ان سے ملے تو انھوں نے السلام علیک یا ایھا الملک کہہ کر خطاب کیا یعنی اے بادشاہ آپ کو سلام۔ حضرت معاویہ کو امیر المومنین کے بجائے ملک کہہ کر خطاب کرنا ناگوار ہوا۔ لیکن ان کو خود بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ وہ مسلمانوں میں پہلے بادشاہ ہیں۔ بلاشبہ حضرت معاویہ کا زمانہ فتوحات کے اعتبار سے اور اسلام کی وسعت و اشاعت کے اعتبار سے اور امن و امان کے اعتبار سے بہت خیر و برکت کا زمانہ ہے وہ صحابی رسولؐ اور کاتب وحی تھے اور زبردست انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر فوراً خلافت راشدہ کے بعد ان کا عہد نہ شروع ہوا ہوتا تو لوگ ان کی عظمتوں کے قصیدے پڑھتے اور سیاست و حکومت کے لئے ان کو نمونہ اور معیار سمجھتے لیکن سیاست و حکومت کا یہ چاند گہن میں اس لئے پڑ گیا کہ خلافت راشدہ کے دور زریں کے بعد فوراً وہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ پیش نہ آتا جس کے عہد میں حضرت حسینؑ شہید کئے گئے اور ایک دو باتیں اور ہوتیں تو ان کی حکومت کا زمانہ قابلِ مثال زمانہ قرار پاتا۔ وہ بڑے خدا ترس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت رکھنے والے انسان تھے انھوں نے اپنی وصیت میں اہل خاندان سے کہا تھا کہ خدا کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو خدا مصائب سے بچاتا ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال انھوں نے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کرتا مرحمت فرمایا تھا اس کو میں نے اسی دن کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ کے مرنے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اس کرتے میں مجھے کفتانا اور ناخن اور مونے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا شاید خدا اس کے طفیل میں اور اس کی برکت سے مغفرت فرمادے۔

یزید کی ولی عہدی کے نقصانات

حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیا اس وقت صحابہ کرام کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یہ صحابہ کرام کی اولاد و احفاد کا عہد تھا جن لوگوں نے حضورؐ کی حدیث سن رکھی تھی کہ میری سنت اور میرے راشد خلفاء کی سنت کو دانتوں سے پکڑ کر رکھو، انھیں سیاست و حکومت کی سطح پر خلفائے راشدین کے زمانے سے یہ انحراف گوارا نہیں ہوا۔ جو روایت قائم ہوئی تھی اور جس روایت کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں موجود تھا اس اعتبار سے اہل تقویٰ اور اہل علم حکومت کو کسی شخص اور خاندان کی جائیداد نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کا وارث ہو جائے۔ حکومت تو شہر اور ملک کا انتظام کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ یہ ایک اجتماعی کام ہے اور لائق ترین شخص کو یہ خدمت سپرد کی جانی چاہئے۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں ملوکیت کے در آنے کے واقعہ کو ممکن نہ تھا کہ اہل دین کا ضمیر برداشت کرتا۔ اسلام کے نظام میں جو رخنہ پڑ گیا تھا اسے پر کرنے اور جو بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح کے لئے سب سے پہلی کوشش حضرت امام حسینؑ کی تھی۔ یہ کوشش ظاہری اور مادی اعتبار سے کامیاب ہوئی ہو یا نہ ہو یہ واقعہ ہے کہ ہر دور اور ہر عہد میں اہل دین اور اہل ہزیمت کو بگاڑ کے خلاف مقابلے اور مقاومت پر آمادہ کرتی رہی ہے وہ ایک غلطی جو یزید کی ولی عہدی کی شکل میں کی گئی تھی اس کا نتیجہ سینکڑوں سال تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کا یہ نظام ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ کمال کے الغائے خلافت تک بمشکل کوئی تزلزل ہو سکا۔ یہ تزلزل ہوا تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں۔ ان کو یہ احساس تھا کہ یہ نظام جس کے ذریعہ بنو امیہ کے دور سے لوگ مسند اقتدار پر بیٹھے ہیں قیصر و کسریٰ کی سنت ہے اس میں مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کے انتخاب کو دخل نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ اسلامی مزاج کے مطابق نہیں چنانچہ انھوں نے اس انحراف کی جس کی ابتدا یزید کی ولی عہدی سے ہوئی تھی اصلاح

ضروری سمجھی انھوں نے اپنی خلافت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انتخاب کے معاملہ کو عوام کے سامنے دوبارہ پیش کرتے ہوئے کہا:

”لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے نے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں اور تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو“

سلیمان بن عبد الملک کی وفات کے بعد عہد نامہ کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کی بات طے ہو گئی تو وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا

ایہا الناس انی قد اُبتلیت لہذا
لا مر غیر رأی کان منی ولا طلبۃ
لہ ولا مشورۃ من المسلمین
وانی قد خلعت ما فی اعناقکم
من بیعتی فاخذوا لانفسکم
فصاح الناس صیحة واحدة
وقد اخترنا لک یا امیر المؤمنین
ورضینا بک

لوگو! مجھے (خلافت کی) آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اس میں نہ میری رائے شامل تھی اور نہ عام مسلمانوں سے مشورہ کر کے ایسا کیا گیا۔ میں اپنی بیعت کا قلاوہ تمھاری گردنوں سے اتارتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔ لوگوں نے بیک آواز ہو کر کہا: ”امیر المؤمنین ہم نے آپ کو ہی منتخب کیا اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔“

مجمع نے آپ کی خلافت سے دست برداری قبول نہیں کی اور آپ کو اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب کر لیا۔ اگر حضرت عمر بن عبد العزیز کے نزدیک موروثی نظام بادشاہت مزاج دین کے خلاف نہ ہوتا تو بیعت کا قلاوہ از خود کیوں اتارتے۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد پھر سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل طریقہ چل پڑا۔ لوگ اجتماعی مشورے کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آتے تھے بلکہ ہتھیاروں کی طاقت سے برسر اقتدار آتے تھے اور لوگوں پر حکومت کرتے تھے۔ بیعت سے اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا۔ بلکہ اقتدار سے بیعت حاصل ہوتی تھی اور جو بیعت نہیں کرتا اس کی گردن اڑادی

جاتی تھی۔ اسلام کی تاریخ کے اس طویل دور میں بلاشبہ بہت سی برکتیں تھیں۔ مقدمات کے فیصلے بھی اسلام کے نظامِ قضا کے ماتحت ہوتے تھے۔ لیکن خلافت علی منہاج النبۃ باقی نہیں رہی تھی۔

دینی طبقہ کی رائے عامہ

اسلام کی تاریخ میں جب اس سیاسی بدعت کا آغاز ہو رہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی خاموش رہ جاتے جنہوں نے نبوت کا زمانہ اور خلافت راشدہ کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ گروہ اگرچہ مختصر تھا لیکن یہ بات مزاجِ دین کے عین مطابق تھی کہ کچھ لوگ اس انحراف کو برداشت نہ کرتے اور اسے چیلنج کرنے کی ہمت کرتے۔ یزید کی حکمرانی سے علماء و صلحاء کا طبقہ اور اہل دین و تقویٰ کا گروہ حکومت سے دور ہوتا گیا دینی حلقوں میں نفرت و ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

حضرت حسین کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا دینی طبقے کی رائے عامہ کا مظہر اور بہت بڑی علامت تھا کسی نے اس اقدام کو غلط قرار نہیں دیا۔ حضرت حسین کی شہادت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ تمام ائمہ اہل سنت ان کے طرفدار اور حامی رہے ہیں۔

”امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند نہیں کر سکتا۔“

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :

”جس شخص نے حضرت حسینؑ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا۔“

مجدد الف ثانی کہتے ہیں :

۱۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱۱

۲۔ فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۱۲ صفحہ ۴۸۷

”یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرہ فساق میں داخل ہے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کہتے ہیں:

”مگر اہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار تھا۔“

عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں

نظامِ خلافت اور نظامِ ملوکیت دونوں میں بڑا فرق ہے اگر خلافتِ راشدہ کی تاریخ اور اس کے بعد ملوکیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل بین فرق محسوس کئے جائیں گے۔

(۱) خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ ایک عام فرد کی طرح بود و باش رکھتا تھا لیکن دمشق اور بغداد کے حکمرانوں نے ایران و روم کے بادشاہوں کی شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی جن پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی تھی۔

(۲) ملوکیت کے دور میں بیت المال رعایا کی امانت نہیں تھا۔ بلکہ وہ بادشاہ کی جاگیر اور ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ جب کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ اس بیت المال کا متولی ہوتا تھا اور خود اپنی ذات پر بھی اگر خرچ کرتا تھا تو کمال احتیاط اور تقویٰ کے ساتھ۔

(۳) خلافتِ راشدہ کے عہد میں لوگوں کو خلیفہ سے بھی محاسبہ کرنے کی آزادی تھی بلکہ اس محاسبہ کی بھی ہمت افزائی کی جاتی تھی ملوکیت کے دور میں بادشاہ ہر طرح کے احتساب اور محاسبہ سے بلند تھا اور حق گوئی کی جرأت کرنے والے کی سزا قتل یا قید ہو سکتی ہے۔

(۴) خلافتِ راشدہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی قاضی خلیفہ تک کو عدالت میں طلب کر سکتا تھا اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا تھا۔ ملوکیت کے دور میں عدالتیں بادشاہوں کے دباؤں سے بالکل آزاد نہ تھیں۔

(۵) خلافتِ راشدہ میں تمام اجتماعی کام صلاح و مشورے یا شورائی نظام کے ذریعہ انجام دیے جاتے تھے۔ ملوکیت کے دور میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے اور جو امر ہم شوریٰ بینہم کے حکم شریعت کو پامال کیا جاتا تھا۔

(۶) خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفاء کی زندگی طہارت و تقویٰ کا بلند ترین نمونہ پیش کرتی تھی ملوکیت کے دور میں فسق و فجور ہوا و ہوس، نوش و نشید کا سیلاب شاہی درباروں

تک پہنچ گیا تھا۔ خود یزید کی زندگی بے داغ تھی۔ آبرو فاختہ اور اباحیت زدہ مصاحبین کا گروہ خلفاء کے دربار میں پایا جاتا تھا جبکہ اس طبقہ کا وجود خلافت راشدہ کے زمانہ میں نہ تھا (۷) حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب و سنت کے بجائے ذاتی مفادات یا ملکی مصالح بن گیا تھا۔ ملکی اور مالی مفادات کے لیے دین کو قربان کیا جاتا تھا اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جاتی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ بنو امیہ کے عہد میں نو مسلموں تک سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا تاکہ حکومت کا خزانہ بھرا رہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی اصلاحات میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس خلاف شرع آرڈیننس کو ختم کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

(۸) اقربا نوازی اور کنبہ پروری اور دوسری اخلاقی خرابیاں جو خلافت راشدہ کے زمانے میں سخت معیوب تھیں عام ہو گئیں۔

(۹) خلافت راشدہ کے زمانہ میں حکمران کا تعلق خاص قبیلہ اور نسل سے نہ تھا دور ملوکیت میں جب کسی قبیلہ کا شخص حکمران ہو جاتا تھا اور کئی نسلوں تک اقتدار اس کے قبضہ میں رہتا تھا تو نسلی عصبیتوں کو بڑھاوا دیتا اسلام سے پہلے ہر قبیلہ کا بت الگ ہوتا تھا۔ اسلام نے قبائلی عصبیتوں کو مٹا کر وحدت امت کا نصب العین عطا کیا تھا لیکن خلافت راشدہ کے بعد قبائلی عصبیتیں زندہ ہوئیں۔ جب مسلمانوں کے فتوحات کے قدم بعد میں اسپین تک پہنچے تو قبائلی عصبیتوں نے وہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا اور قبائل کی الگ الگ چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں جو باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہوتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف یہودیوں اور عیسائیوں تک سے مدد لی جاتی تھی۔ پھر قبائلی تعصبات کی آگ ہی نہیں بھڑکی بلکہ عرب و عجم کی کشمکش بھی شروع ہو گئی۔ خلافت راشدہ کے بعد ایک مدت تک عرب سامراجی نظام پایا گیا جس کا رد عمل غیر عرب مسلمانوں پر ہوا۔

(۱۰) خلافت راشدہ کے دور میں کلمہ حق کہنے اور خلیفہ تک کو برسرِ عام ٹوکنے کی لوگ ہمت رکھتے تھے اور خلیفہ کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد ملوکیت کے دور میں حق بات کہنے کا مطلب کبھی اپنی جان سے اور کبھی عاقبت کی زندگی سے ہاتھ دھونا تھا۔ ضمیر کو

پہلے کے لیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے عہدہ و منصب کی بخشش شاہانہ پیش کی جاتی اور علماء دین ان مناصب کو رشوت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے نتیجے میں وہ حکمرانوں کی زبردستی اور ایذا رسانی کا شکار رہتے تھے جب امام مالک نے خلفاء کی جبری بیعت کے کالعدم ہونے کا فتویٰ دیا تو ان کی پیٹھ پر تازیانے برسائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ خلافت راشدہ کے نظام حکمرانی کو ختم کر کے عجمی ملوکیت کے موروثی نظام کو اختیار کرنے کے جو مفاسد ہو سکتے تھے وہ سب کے سب پیدا ہونا شروع ہو گئے اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

” رخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی تھی۔“

جن صحابہ کرام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی ان کا بیعت سے انکار کرنا دراصل اسلامی نظام میں ان ہی آنے والے انحرافات کو روکنے اور ان پر پابندی لگانے کے لئے تھا۔ ان کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر اصلاح نہ ہوئی تو یہ بگاڑ بڑھتی ہی جائے گا یزید کی ولی عہدی کے وقت یہ بگاڑ اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے خلافت کو ہر قل کی ملوکیت میں تبدیل کر دینے پر تنقید کی تھی اور اپنی ناراضی ظاہر کی تھی انھیں پورے طور پر یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلامی ریاست کی گاڑی نے اپنی پٹری بدل دی ہے اور اب یہ راستہ ”مکہ“ کے بجائے ”ترکستان“ کی طرف جا رہا ہے۔ منزل اور سمت سفر کی اس تبدیلی کے نتائج سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے جن کو اللہ نے نور بصیرت عطا فرمایا تھا حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ کیا اور سمت سفر کی اس تبدیلی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی قربان کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو خلافت کے لئے ذاتی استحقاق کے لیے میدان میں نہیں آئے تھے۔ یہ امت کے بہترین لوگ تھے۔ حضرت حسینؑ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؑ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ تھیں اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

اختلاف کی بنیاد

تاریخ کی کتابوں میں ان اجل صحابہ کے نام موجود ہیں جنہوں نے یزید کے لیے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ حضرت حسینؑ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباس کے نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔

اختلاف کی بنیاد یہ تھی کہ نظام حکومت اپنے اسلامی مزاج سے منحرف ہو رہا تھا۔ اور خلفائے راشدین کے بجائے اسلام میں قیصر و کسریٰ کی سنت زندہ کی جا رہی تھی۔ اس تبدیلی کو اہل دین اور صحابہ عظام کا دینی ضمیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یزید کی ولیعہدی کے مسئلے پر ابن اثیر نے اختلاف کی جو روداد سنائی ہے۔ اس میں مروان کے سامنے عبدالرحمان بن ابوبکرؓ کا بیان موجود ہے۔ اس بیان سے اختلاف کی اصل بنیاد کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

”تم لوگوں کی نیت یہ ہے کہ خلافت کو ہر قل کی ملوکیت سے بدل دو کہ ایک ہر قل مرا تو دوسرا ہر قل آگیا۔“

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت معاویہؓ کو یزید کی ولیعہدی کے موقع پر یہ مشورہ دیا تھا کہ خلافت کے اہم مسئلے میں خلافت راشدہ کو نمونہ بنائیے نہ کہ دنیا کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو یزید کی ولیعہدی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو کہا:

”اپنے بعد معاویہؓ کو اس طرح چھوڑ جائیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے کہ انہوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا، یا پھر حضرت ابوبکرؓ کی سنت اختیار کیجئے کہ خلیفہ نامزد تو کیا مگر اپنی اولاد کو نہیں، نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو۔ یا خلیفہ ثالث حضرت عمرؓ کی طرح کیجئے کہ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنادی تھی مگر اس میں اپنے خاندان یا اولاد کے کسی فرد کو نہیں رکھا۔“

خود حضرت حسینؑ کا قول تاریخ میں موجود ہے۔ امام وہی ہے جو کتاب الشریعہ عامل انصاف کا خوگر، حق کا تابع اور تعلق مع اللہ کے صفت سے متصف ہو۔

اب جن لوگوں نے برسرِ ممبر اور علی رؤس الاشہاد یزید کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا تھا، ان کے نزدیک یزید نہ کتاب اللہ پر عامل تھا نہ انصاف کا خوگر نہ حق کا تابع اور نہ تعلق مع اللہ کی صفت سے متصف۔ یزید کا کردار کیا تھا۔ البدایہ والنہایہ جیسی قابلِ اعتماد کتاب میں اور دوسری بہت سی تاریخ کی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات
والترك لبعض الصلوات في بعض
الاقوات وامانتها في غالب
الاقوات

اس کے ساتھ اس میں شہوات کی طرف
میلان موجود تھا۔ کبھی وہ تارک الصلوٰۃ بن
جاتا تھا۔ نمازوں کے معاملے میں وہ نہایت
لا پرواہی کا شکار تھا۔

اسلامی حکومت کا مقصود ہی اقامتِ نماز ہے۔ اگر کوئی حکمران دین کے معاملہ میں اتنا
لا پرواہ ہو جائے کہ اسے نمازوں کی بھی فکر نہ رہے اور اقامتِ صلوٰۃ کے بجائے امانتِ صلوٰۃ
کا مجرم بن جائے تو پھر اس کے لئے کوئی ڈھال باقی نہیں رہتی اور اس کے خلاف اقدامِ درست
ہو جاتا ہے

حضرت معاویہ کا موقف

اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی ہے کہ حضرت معاویہ جیسی اہم شخصیت کو یزید کی ولیعہد
پر اصرار کیوں تھا اور یہ اجتہادی غلطی ان سے کیوں سرزد ہوئی تاریخ کہتی ہے کہ حضرت
معاویہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لئے یہی صورت مناسب
تھی۔ اس کے علاوہ یزید میں وہ انتظام و انصرام اور قوت و بہادری کے جوہر بھی دیکھتے
تھے۔ اور یہ جوہر عام طور پر دنیا میں بادشاہوں کے لڑکوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ
یہ بھی کہتی ہے کہ ان سب کے ساتھ اس محبت کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا، جو ہر باپ کے سینے
میں ہوتا ہے ابن کثیر نے اسبابِ ولیعہد میں اس سبب کو سب سے پہلے بیان کیا ہے

”وذا لك من شدة محبة الوالد لولده“

۲۸ صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے مصلحت و شفقت

جن بزرگوں نے حضرت حسینؑ کو اقدام سے روکنے کی کوشش کی ان کا نقطہ نظریہ نہیں تھا کہ حکومت اور سیاست میں بگاڑ پرنکیر کرنا اور مخالفت میں قدم اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ نقطہ نظریہ تھا کہ حالات کا اور اپنے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے۔

حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ نے ان سے کہا
 ”تمام علاقوں میں گھومنے پھرنے تاکہ اندازہ لگ سکے کہ حالات کیا ہیں اور لوگوں کا نقطہ نظر کیا ہے۔ لوگوں سے ملنے کے بعد جو رائے قائم ہوگی وہی صحیح رائے ہوگی“
 حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مشورہ دیا کہ ابھی مقابلے کے لئے اٹھنا قرین مصلحت نہیں انھوں نے کہا:

”عراق کا ارادہ نہ کرو اور اپنی جان کھونے کے لئے وہاں نہ جاؤ۔ کم از کم اتنی بات مان لو کہ موسم حج گزر جانے دو۔ حج میں آنے والے لوگوں سے مل کر وہاں کے حالات کا اندازہ کرو اور پھر جو طے کرنا ہے طے کر دو۔“

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ان حضرات کا نقطہ نظریہ تھا کہ وقت ابھی سازگار نہیں ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؑ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ اس وقت قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا اور کوفے کے عمائدین کے بے شمار خطوط کو انھوں نے اپنے موقف کے لیے دلیل بنایا تھا۔ انھوں نے اخلاص کے جس موقف کو صحیح سمجھا اسے اختیار کیا۔

حضرت حسینؑ کی مخالفت بڑے فنکارانہ طریقہ سے ہو رہی ہے اور بڑی چابک دستی کے ساتھ یزید کی صفائی پیش کی جا رہی ہے تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ ایک دو بزرگوں کو چھوڑ کر کوئی یزید کا مخالف نہ تھا باستثنائے چند سب نے بطیب خاطر یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور یزید میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی کہ اس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت لازم آتی اس بارے میں جو بات کہ بار بار دہرائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت

عبداللہ بن عباسؓ نے نہ صرف یہ کہ بیعت کر لی بلکہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں کو نصیحت بھی کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ دونوں بزرگ شروع سے یزید کی ولی عہدی اور یزید کی خلافت کے مخالف تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اجتماعی ڈھانچہ بدل رہا تھا اور جو سیاسی نظام شروع ہوا تھا وہ منہاج سنت پر مبنی نہیں تھا اور یہ بات صحابہ کرام اور اہل دین و تقویٰ کے لئے بڑی صبر آزمائی تھی۔ لیکن یہ حضرات دیکھ رہے تھے کہ اس صورت حال کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ شام کے قسطنطنیہ کی نظروں میں نہ اہل دین کا تقدس ہے نہ دین کا احترام اور نہ خود اس کی دینی تربیت ہو سکی ہے۔ مذہب اور سیاست کے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ اب ہتھیار ڈالنے اور بد رجہ مجبوری بیعت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقہ میں گورنر کو بھیجتے تھے تو نرمی اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی گورنری پر مامور کیا تو نصیحت کی ”یسر ولا تعسر“ نرمی اور آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا یہی طریقہ خلافت راشدہ کے عہد میں بھی تھا۔ لیکن بنو امیہ کے زمانے کے گورنر تمام دینی تقاضوں کو فراموش کر کے ظلم پر ہر وقت مکر بستہ رہتے تھے حجاج کے مظالم کو دیکھ کر حسن بصریؒ نے فرمایا:

”اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا“

ظلم و ستم کی خونچکاں داستان جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت جس کے روز و شب تسبیح و تلاوت اور مسلسل عبادت میں گزرتے ہوں مجبوراً بیعت کر لیتے ہوں اور اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر میں آمادۂ بیعت ہو جاتے ہوں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان حضرات کے طرز عمل کو حضرت حسینؓ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لیے دلیل بنا کر پیش کیا جائے اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا جائے۔ خلافت راشدہ کے بعد اہل دین کی اکثریت نے اس وقت کے حالات میں جو ممکن ہو سکا وہ کیا۔ انھوں نے حکومت وقت سے قطع تعلق کر لیا اور گوشہ گیر ہو گئے اور اپنے اپنے دائرہ میں تجدید و احیاء کی پر خلوص جدوجہد شروع کر دی تاکہ دینی اور اخلاقی نظام پر سیاسی نظام کی غلط کاریوں

کاسایہ کم سے کم پڑے انھوں نے بادی مخالف کے جھونکوں کے درمیان شمع روشن کی۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دست جنوں

کیوں ہے بے کار گریباں تو مرادور نہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجود بیعت کر لینے کے یزید کو کس نظر سے دیکھتے تھے اس پر وہ مراسلت بہترین شہادت ہے جو ان کے اور یزید کے درمیان ہوئی تھی شہادت حسینؓ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تو اس دعوت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبول نہیں کیا۔ ان حضرات نے اگرچہ بادل ناخواستہ بیعت کر لی تھی لیکن بیعت کر لینے کے بعد وہ اس کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکار بیعت سے یزید بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے خط میں انعام و اکرام اور حسن سلوک کا وعدہ کیا۔ یزید کا خط ابن اشیر کی تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یزید کو اس کے خط کے جواب میں لکھا:

”تمہارا خط ملا، میں نے جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ

میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری تعریف کا خواہاں نہیں بلکہ جس

نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تمہارا یہ

کہنا کہ تم میرے اس حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو مجھے تمہارے

حسن سلوک کی ضرورت نہیں اور تمہاری یہ درخواست کہ میں دلوں میں

تمہاری محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے نفرت اور ابن زبیر کو میں

اکیلا چھوڑ دوں تو ایسا نہیں ہو سکتا مجھے نہ تمہاری خوشی منظور ہے اور نہ

تمہارا اعزاز اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ تم ہی حسینؓ اور جو انان عبدالمطلب

کے قاتل ہو۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو خون

آلود میدان میں ڈال دیا تھا اور ان کے بدن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا۔

پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ تم نے خدا

رسول اور اہل بیت کی عداوت میں کیا۔ حسینؓ نے تمہارے سامنے

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے
یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا صفایا
کیا جاسکتا ہے موقع غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف اس طرح ٹوٹ پڑے
گو یا تم مشرکوں اور کافروں کو قتل کر رہے ہو..... آج تو نے ہم پر فتح
پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے

والسلام

حضرت عبداللہ بن عباس کے یہ الفاظ روز روشن کی طرح یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس
وقت کے عالم اسلام کا دینی حلقہ یزید کو ناپسند کرتا تھا۔ اس دینی حلقہ نے حضرت امام
حسین کے سرفروشانہ اقدام کا غلطی ساتھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اس حلقہ کا دل ان کے ساتھ تھا۔ جن
لوگوں نے روکنے کی کوشش کی وہ بر بنائے شفقت کی تھی کہ اہل اسلام کے اس کعبہ محبت کو
کوئی آپخ نہ آئے یا اس لئے تھی کہ ان کے خیال میں اقدام کے لئے حالات سازگار نہیں
ہیں۔ آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسین نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ لیکن اس
وقت قطعیت کے ساتھ ان کے لئے ناسازگاری کا فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ کوفے کے عمائدین
کے خطوط ان کے پاس آرہے تھے۔ وفود کی شکل میں لوگ آرہے تھے اور انھیں بلا رہے تھے۔
انھوں نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ انھیں نکلنا چاہئے تو کیوں اسے غلط کہا جائے کیا یزید کی حکومت
کے خلاف بے چینی موجود نہیں تھی کیا خلافت کو موروثی نظام سے بدلنے پر اضطراب نہیں پایا
جاتا تھا؟۔

حکمت الہی کیا تھی؟

علامہ ابن تیمیہ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ حکمت الہی یہ تھی کہ امام حسین کو شہادت کے
بلند و ارفع مقام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ شہداء کا عیش اور سعادت کی منزل پاسکیں۔

لیکن اس حکمت الہی سے بڑھ کر ایک اور حکمت الہی اس واقعہ شہادت میں موجود ہے جس کا رشتہ پوری ملت اسلامیہ کے مستقبل کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ غلط اور فاسد اقتدار کے خلاف اعلان حق کی ایک زندہ نظیر باقی رہ جائے جو ہر دور میں اہل عزیمت کے لئے نمونہ کا کام کرے اور فساد کو مٹانے کے لئے انھیں بے چین و مضطرب کر دے۔ یہاں امام ابن تیمیہ ہی کے قول کو پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

”دین کے اعزاز و غلبے کے لئے جانوں کو خطرے میں ڈالنا دین میں مشروع ہے“

حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اہل عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر۔

بظاہر یزید کے زمانہ کی دونوں کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ یہ دونوں کوششیں اہل عزمیت کے لئے نمونہ اور نظیر کا کام دیتی رہیں۔ اور اہل دین و صلاح کی نظروں میں اسلامی سیاست و خلافت کی آئینہ دل شکل ہمیشہ باقی رہی اور اس کے لئے جدوجہد بھی جاری رہی۔ جدوجہد اس چیز کے لیے تھی کہ خلافت کو صحیح مرکز پر قائم کیا جائے اور اسلامی نظام حکومت کی چول چل جو کھسک گئی تھی اسے اپنی جگہ پر بٹھایا جائے۔ اور یہ اجارہ داری جو امویوں نے اور عباسیوں نے قائم کر لی تھی اسے ختم کیا جائے لیکن اموی اور عباسی حکومتیں طاقتور حکومتیں تھیں۔ ان کی پشت پر مضبوط فوجی نظام تھا۔ ان حکومتوں کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں کچھ حمایت اگر مل سکتی تھی تو ان لوگوں کو جو ایک طرف اپنے زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے اور دوسری طرف علو نسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے سوسائٹی میں غیر معمولی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہوں یہی وجہ ہے کہ موروثی نظام حکومت کے خلاف علم جہاد اٹھانے والے اس دور میں وہ لوگ تھے جن کا تعلق اہل بیت سے تھا کہ ان کی کامیابی کا امکان دوسروں کے مقابلہ میں

زیادہ تھا اور معاشرہ میں ان کی حیثیت مرکز امید کی تھی۔

امام حسینؑ کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف مجاذرائی کی اور ۱۲۲ھ میں اقامتِ دین کی اس جدوجہد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ اگر یہ اقامتِ دین کے لئے جدوجہد نہ ہوتی اور یہ کشمکش جہاد نہ ہوتی تو امام اعظم ابوحنیفہؒ ان کے مؤید اور حامی نہ ہوتے۔ امام صاحب کی تائید اور حمایت اسی لئے تھی کہ وہ اس موروثی نظامِ حکومت کو غیر شرعی اور غیر اسلامی تصور کرتے تھے۔ انھوں نے زید بن علی کی خدمت میں درس ہزار درسم بھیجے اور اس استفسار پر کہ یہ جہاد ہے کہ نہیں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے جس طرح واقعہ بدر جہاد تھا

”خروجہ یضاہی خروج
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یوم بدر و آمد جنودہ
بالمال و لکنہ کان ضعیف الثقتہ
فی انصارہ و لذا قال فی الاعتذار
عن حمل السیف معہ“

زید بن علیؑ کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے خروج کے مماثل ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے زید بن علی کی فوج کی مالی معاونت کی لیکن چونکہ حضرت زید کے حمایتیوں پر انھیں بھروسہ کم تھا اس لئے انھوں نے تلوار اٹھانے سے معذرت کی ہے

حضرت زید بن علیؑ کے بعد حضرت محمد ذوالنفس زکیہ بن عبد اللہ المحض بن حسن ثنی بن سیدنا حسنؑ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض نے کوفہ میں عباسی خلیفہ منصور کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور امام ابوحنیفہؒ امام مالک نے ان کی بھی تائید و حمایت کی امام ابوحنیفہؒ نے مالی مدد کی۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کو محمد ذوالنفس الزکیہ کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا اگرچہ کہ لوگ منصور کی بیعت کر چکے ہوں

یہ بحث غیر ضروری ہے کہ یہ کوششیں کتنی کامیاب ہوئیں اور کتنی نہیں۔ انسان صرف

۱۴ (مناقب امام ابوحنیفہؒ لبرازی بحوالہ لابی زہرہ

ص ۱۶۴)

۱۵ تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴

اپنی کوششوں کا مکلف ہے ان کے نتائج کا نہیں۔ یہ دنیا صرف دارالعمل ہے۔ کوششوں کی جزا کی اصل جگہ آخرت سے۔ اس دنیا میں اہل حق صلحا و بلکہ انبیاء کو بھی کامیابی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں۔ دنیوی نتائج کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وسیع تر مصلحتوں سے ہے اور تنہا وہی ان مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن ان کوششوں کی یہ کامیابی بھی کم نہیں کہ ان کی وجہ سے باطل کے خلاف مزاحمت اور سلطان جائز کے خلاف کلمہ حق کہنے کی ایک پوری تاریخ وجود میں آئی ہے۔ اسلامی تاریخ کی آبروان سے قائم ہے جنہوں نے مضبوط ترین طاقتوں کے مقابلہ میں بھی سپر نہیں ڈالی اور بلند ترین مقصد کے لئے انہوں نے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے سے دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام کی تربیت اور تعلیم سے تیار ہونے والے علماء اور فقہاء دین بھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے غافل نہیں رہے۔ انہوں نے حق کی پرواہ کی اور جان کی پرواہ نہیں کی جب عبدالملک نے اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین بنانا چاہا تو مشہور تابعی سعید بن مسیب نے مخالفت کی اور قید و بند کی تکلیفیں اٹھائیں اور کوڑے کھائے۔ حجاج نے جب بصرہ اور کوذ کے نو مسلموں پر جزیہ لگایا تو علماء نے شدید مخالفت کی اور جب عبدالرحمان بن اشعث نے حجاج کے مظالم کے خلاف بغاوت کی اور امر بالمعروف کا علم بلند کیا تو علماء کی بڑی تعداد نے جن میں سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور جیسے بزرگ شامل تھے، عبدالرحمان کا ساتھ دیا اس حق پسندی کی وجہ سے سعید بن جبیر کو جام شہادت نوش کرنا پڑا اس بغاوت کے سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ امام شعبی جیسے علماء نے جو حکومت کے ساتھ تعاون کرتے تھے، باغیوں کا ساتھ دیا۔ ملوکیت کے اس عہد کے بارے میں امام حسن بصری کہا کرتے تھے ”امرا کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں“

امام غزالی نے علماء حق کی بے خوفی اور حق گوئی کے واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے
 هذه كانت سيرة العلماء و عادتهم في الامور بالمعروف
 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علماء کا بھی دستور اور طریقہ تھا وہ بادشاہوں کی سطوت

وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَقِلَّةُ
مُبَالَاتِهِمْ بِسُطُوَةِ السَّلَاطِينِ
لِحُكْمِهِمْ أَتَكُلُّوا عَلَى فَضْلِ اللَّهِ
تَعَالَى أَنْ يَجْرِسَهُمْ وَرَضُوا
بِحُكْمِ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يَرْزُقَهُمْ
الشَّهَادَةُ .

اور طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انھیں
اللہ کی رحمت پر بھروسہ تھا کہ وہی ان کا نگراں
اور محافظ ہے۔ وہ خدا کے اس فیصلہ پر بھی
راضی تھے کہ انھیں شہادت نصیب ہو

ایک بنیادی مسئلہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ

جمہور علماء اہل سنت حضرت حسین کے اقدام کو درست اور ان کے موقف کو حق سمجھتے
ہیں۔ شیعیت کے خلاف محاذ آرائی میں حضرت امام حسین کے اقدام کو ہی غلط ثابت کرنے
کی کوشش بڑی غلطی ہوگی۔ یہ مسلک اہل سنت والجماعت کا نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ
نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں یہ لکھا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین کا اقدام درست نہ تھا
یہاں منہاج السنۃ کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جو حضرت حسین کے برسرِ حق
ہونے سے انکار کرنے والوں کا بہت بڑا سہارا بن گئے ہیں۔

(۱) یہ بات جان لینے کی ہے کہ صحابہ کرام کا طبقہ ہو یا تابعین عظام کا یا بعد کے زمانوں
کے اہل بیت یا غیر اہل بیت کا ان میں سے بڑے بڑے اہل علم و دین سے بعض وقت ایسی
نوعیت کا اجتہاد سرزد ہو جاتا ہے جن میں کچھ ظن و دہم اور کبھی کوئی باریک قسم کی ہوائے نفس
شامل ہو جاتی ہے۔ ایسا اجتہاد اس شخصیت کی عند اللہ عظمت کے باوجود قابلِ اتباع
نہیں ہوتا۔

(۲) ”مسلمانوں کے اکابر اہل علم نے ہمیشہ ان خرابیوں کی مخالفت کی ہے مثلاً یزید کے
خلاف اہل مدینہ خریج پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیب اور علی بن الحسین
(زین العابدین) نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ یا ابن الاشعث کی بغاوت کا فتنہ اٹھا تو
حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے سمجھایا لہذا اہل سنت کے یہاں یہ مسئلہ بالکل طے شدہ

ہو چکا ہے کہ فتنے کے وقت میں تلوار اٹھانا مناسب نہیں۔ علماء اہل سنت نے اس مسئلہ کی اس درجہ اہمیت سمجھی ہے کہ اسے عقائد کی فہرست میں داخل کر کے لازم کیا ہے کہ ائمہ و خلفاء کے جو رسوم کا مقابلہ تلوار کے بجائے صبر اور برداشت سے کیا جائے یہی وجہ تھی کہ حبشہ نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو اکابر اہل علم و دین مثلاً ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام نے اس ارادہ کے خلاف مشورہ دیا۔

علامہ ابن تیمیہ کے ان اقتباسات کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت الزامی جواب کی ہے کیونکہ منہاج السنۃ ایک شیعہ عالم حسین بن مطہر کی کتاب منہاج الکرامہ فی معرفۃ النذامۃ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کی حیثیت اہل سنت کی طرف سے وکیل کی ہے۔ لیکن یہ اگر ان کے واقعی خیالات ہیں تو وہ اپنے خیالات میں منفرد اور تنہا ہیں اور ان کے بہت سے شاذ افکار کی طرح یہ بھی ان کا شذوذ ہی ہے اور جس طرح سے ان کے بہت سے خیالات اور نظریات سے اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے اس نظریہ سے بھی اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے روضہ اطہر کی طرف اشارہ کر کے ایک بار فرمایا تھا کہ اس صاحب قبر کی بات کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے

کُلُّ یُوْخِذْمُنْہُ وِیْرَدُ عَلَیْہِ الْاَصْحَابُ ہَذَا الْقَبْرِ

بلاشبہ علامہ ابن تیمیہ کے محاسن و کمالات بہت ہیں۔ ان کا بے مثال حافظہ ان کا غیر معمولی تبصرہ علمی، ان کی خداداد جرأت و شجاعت دین کے معاملہ میں ان کی غیرت و حمیت، ان کا تقویٰ اور خشیت یہ سب کچھ مسلم ہے۔ ان کی زبان ابرو گو ہر بار تھی ان کا قلم تیغ اسیل تھا ان کی حاضر جوابی بے نظیر تھی۔ ان تمام صفات و کمالات کے باوجود جہاں تک میانہ روی اور مسلک کے توازن اور زبان و قلم کی احتیاط کا تعلق ہے اس بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور بہت سے مستند علماء نے بہت کچھ کہا بھی ہے۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں بہت سے مسائل میں ان کے یہاں شذوذ بھی پایا جاتا ہے روضہ اقدس کی زیارت اور تطلیقات ثلاثہ وغیرہ

کے بارے میں ان کے تفردات کا علم سب کو ہے۔ یہاں بھی ردِ شیعہ کے جوش میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ علم عقاید اور کلام کی کتابوں میں تو حضرت حسینؑ کو برسرِ حق اور یزید کو برسرِ باطل لکھا گیا ہے۔ شرح عقائد نسفی اور متعدد علم کلام کی کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ شرح عقائد نسفی میں امام شافعی کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ امام بوجہ فسق معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر امیر اور ہر قاضی کا یہی حکم ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق قابلِ ولایت نہیں کیونکہ وہ اپنی جان کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو رعیت کو کس طرح بچائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام فاسق بھی قابلِ ولایت ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے۔ اور یہ اختلاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور کے بہت بعد رونما ہوا۔ جن بزرگوں نے امام کے خلاف اقدام سے روکا ان کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کو خوئی ریزی سے بچایا جائے اور خلافت خاصہ نہ سہی خلافت عامہ باقی رہے۔ دشمنانِ اسلام کو اسلامی حکومت کی طرف معاندانہ نظر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ جن بزرگوں نے اقدام کی اجازت دی ہے ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسلمان ظالموں کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں اور عادلانہ نظامِ خلافت جو شریعت کے اصولوں پر مبنی ہو قائم ہو سکے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے طرزِ عمل کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں بعض دوسرے علماء اور محققین کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

ظالم حکمران کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابنِ حزم کا موقف
 علامہ حافظ ابنِ حزم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شاہانِ حکومت اگر خیانت اور غلط کاری کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف بغاوت واجب ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے ہیں۔ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ اپنے

عیش و آرام کے لئے اور بیت المال کو دولت سے بھر دینے کے لئے مسلمانوں تک پر جزیہ عاید کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنے کے اس ظلم پر یہودیوں کو مقرر کرتے ہیں۔
 اس سلسلے میں علامہ ابن حزم نے مزید یہ لکھا ہے کہ جب حکمران کو شریعت کے دائرے میں واپس لانا اور ظلم و جور سے باز رکھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس طریقہ کار کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا جسے "العنف الدموی" (خون ریزی) کہتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو برہانے کتاب و سنت ہے۔ اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق چلیں تو ان کی اطاعت واجب ہے مگر وہ کتاب و سنت دو میں سے کسی ایک سے بھی انحراف کریں تو ان پر حد نافذ کی جائے۔ خدا اور حق قائم کیا جائے اور انھیں سزا دی جائے لیکن اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہو کہ معصوم انسانی جانوں کا اٹلاف اور کتاب و سنت کے مطابق عمل اور امن و امان ان کو معزول کئے بغیر ممکن نہ ہو تو انھیں منصب خلافت سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور کسی دوسرے عادل اور خدا سے ڈرنے والے شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے تو تلوار بھی اٹھائی جائے گی اور کتاب و سنت پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ظالم حکمران کو قتل کر دینا واجب ہو جائے گا۔

بعض علماء نے یہ ضرور لکھا ہے کہ ظلم و جور کے خلاف تلوار اٹھانے کے بجائے صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور ہاتھ کے بجائے محض زبان سے حالات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دل سے برا سمجھا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ علماء بعض اتحاد کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم اس نقطہ نظر کی پُر زور تردید کرتے ہیں اور یہ جواب دینے ہیں کہ بعض مواقع پر اذیت رسانی اور حکمران کی طرف سے زد و کوب کرنے کے مواقع پر صبر کی تلقین دلانے والی جو حدیثیں ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اس صورت حال

کے بارے میں ہے جب خلیفہ نے اپنا نظام حکومت کتاب و سنت کے مطابق ترتیب دیا ہو۔ کبھی کبھی اگر اس سے زیادتیاں بھی ہو جائیں تو ان پر صبر کرنا چاہئے۔ لیکن اگر خلیفہ حق کے بجائے باطل پر ہو اور اس کی ستم رانیاں حد سے تجاوز کر جائیں اور اصل دین اور بے گناہ انسان کا خون بہایا جاتا ہو تو اللہ کی اس بات سے پناہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ حق کا خون ہوتے ہوئے دیکھ کر کبھی خاموشی اور صبر کا رویہ اختیار کیا جائے۔

علامہ ابن حزم اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک حدیث میں ہے جس میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناحق مال چھیننے والے کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے یہ جواب دیا ”تم اسے اپنا مال ہرگز مت دو“ پوچھا گیا: ”اگر وہ میری جان کے درپے ہو جائے تو میں کیا کروں؟“ آپ نے فرمایا ”تم بھی اس سے قتال کرو“ پوچھا گیا ”اگر میں اس کو قتل کر ڈالوں تو کیا ہوگا؟“ آپ نے جواب عنایت فرمایا ”وہ مقتول جہنمی ہوگا“ پوچھنے والے نے پھر پوچھا ”اگر میں قتل کیا جاؤں تو“ آپ نے فرمایا ”تم جنت پا جاؤ گے“ یہ حدیث عام ہے۔ سلطان اور غیر سلطان دونوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔

علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی گوشے سے یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے سے مسلمانوں کی خوں ریزی ہوگی، اہل اسلام کا جان و مال ضائع ہوگا اور ممکن ہے حکومت کی فوج سے برسرِ پیکار ہونا پڑے اور شکست ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے کے لیے کچھ تو تیاری کرنی ہوگی لیکن جان و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ اور اس شکست کا امکان ضرور موجود ہے لیکن شکست کا امکان تو اس جنگ میں بھی ہوتا ہے جو کافروں کے خلاف کی جاتی ہے اور ب اوقات کافروں کی فوج کی تعداد کئی گنی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ان خطرات کا اعتبار کر لیا جائے تو کافروں کے خلاف جہاد بھی ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل

نہیں۔ اہل کفر کے خلاف جہاد کرنے سے اس کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ مسلمان غور میں مرد اور بچے غلام اور قیدی بنائے جائیں اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس پر کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل کفر سے جہاد واجب ہے۔ لہذا ان دونوں معاملات میں یعنی کفار کے خلاف جہاد اور بے راہ و مسلم خلفاء کے خلاف جہاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا درجہ جہاد کا ہے اور دونوں کا مقصد کتاب و سنت کی عملداری ہے۔

علامہ ابن حزم کا خیال ہے کہ اگر مسلمان حکمران کا معاملہ یہ ہو گیا ہو اس کو کفر اور اہل کفر کے ساتھ موالات عزیز ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس کا شیوہ ہو ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا روح اسلام کی مخالفت ہے۔ ایسے حکمران کو ان کے نزدیک ہٹانا اور اس سے قتال کرنا فرض ہے۔ البتہ تصادم اور مقابلے کی کوئی شکل نہ رہ جائے اور اہل حق بہت ہی کمزور ہوں اور جنگ ناممکن ہو تو پھر صورتحال کے لحاظ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہو کیا جائے۔

فاسق و فاجر حکمران کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی کا موقف
جہاں تک پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور زبانی تنقید و احتساب کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ بالکل درست کام ہے اور کسی کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر فہمائش و نصیحت کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں یا حاکم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں عملیہ طور پر لاپرواہ ہو اور سمجھانے بھگانے کی کوئی کوشش اس پر کارگر نہ ہو سکتی ہو تو اس صورت میں ایسے حکمران کے خلاف تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے یا نہیں اس بارے میں امام غزالی یہ لکھتے ہیں۔

”رعایا کی طرف سے حاکم کے خلاف تادیبی کارروائی کا معاملہ مشکل معاملہ ہے۔ بیٹے کی طرف سے والدین کی اصلاح کی کوشش نسبتاً

آسان ہے۔ حاکم کی اصلاح، نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات سے چل سکتا ہو تو ٹھیک ہے بحث اس میں ہو سکتا ہے کہ شاہی بیت المال میں غصب کا ناجائز مال موجود ہو تو چڑھائی کر کے زبردستی مال لینا اور مالکوں کے حوالے کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر وہ لباسِ حریر زیب تن کرتا ہو تو اس کا دامن و گریبان پکڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر شراب کی صراخیاں اس کی مجلس میں ہوں تو انھیں زبردستی توڑا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکم کے رعب و داب اور ہیبت و حشمت کو کم کرتا ہے۔ جس کی ممانعت شرع میں ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ امر منکر ہے اور منکر پر سکوت حرام ہے۔ اب یہاں پر دو ممنوع امر ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ حاکم کا منکر کس درجے کا ہے اور اگر حاکم کے خلاف اقدام کرنے سے اس کی ہیبت ختم ہو جائے گی اور منکر بڑے درجے کا نہیں ہے تو یہاں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ حاکم کے رعب اور ہیبت کو نہیں ختم کرنا چاہئے لیکن اگر معاملہ دوسرا ہو اور منکر بڑا ہو تو یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس بارے میں تفصیل کو ضبطِ بیان میں لانا مشکل ہے یعنی اس کا تعلق حالات کی نوعیت سے ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کو اس میں اجتہاد سے کام لینا ہو گا۔

امام غزالی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ اگر اقتدار کی باگ ڈور بالکل ہی غیر شرعی طریقے سے کسی شخص کے ہاتھ میں آگئی ہو اور وہ خود بھی فاسق اور بد کردار ہو اور اس کا ظلم و جور سے حد سے بڑھ گیا ہو اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حکمران کے رعب اور ہیبت اور احتشام کے باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے

ان کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کے ذریعہ ہی اس منکر کو مٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابو بکر جصاص کا موقف

”گذشتہ تمام معتقدین و متاخرین اہل دین و فقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ کچھ بے خبر اور دین سے بے بہرہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جن کو اس سے اختلاف ہے وہ ہتھیار اٹھانے اور باغی گروہ سے لڑنے کو فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فقاتلو الّٰتی تبغی حتی تفضی الی امر اللہ** (تم باغی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے) آیت کے الفاظ صاف تقاضہ کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن اس حکم صریح کے باوجود دین سے بے بہرہ حشویہ کا گروہ کہتا ہے کہ حاکم وقت اگر ظلم و جور اور قتل نفس جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے تو اس پر نکیر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نکیر کا حق ہے مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گمراہ طبقہ دین کے دشمنوں سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ اس گروہ نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم و جور پر نکیر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہایت فاسق اور فاجر بلکہ دشمن اسلام تک اقتدار پر غالب آگئے ہیں سرحدیں خراب ہو رہی ہیں ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطان جائز پر نکیر نہ کرنے کا رُخ

ابو المعالی امام الحرمین کا نقطہ نظر

مسلم کی مشہور حدیث ہے

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ
فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِيعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ
يَسْتَطِيعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ
الْإِيمَانِ

تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اس کے
لئے لازمی ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (قوت و طاقت کے
استعمال سے) مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان
سے منکر کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن
نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور صرف اپنے دل سے
برا سمجھنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

امام نوویؒ اپنی شرح مسلم میں امام الحرمین کا قول نقل کرتے ہیں

وَإِذَا جَارَ إِلَى الْوَقْتِ وَظَهَرَ

ظُلْمُهُ وَغَشَمَهُ وَلَمْ يَنْجَرْ حِينَ

زَجَرَ عَنْ سُوءِ صَنِيعِهِ بِالْقَوْلِ

فَلَا هَلْ الْحَلَّ وَالْعَقْدَ التَّوَّاطُؤُ

عَلَى خَلْعِهِ وَلَوْ بِشَهْرٍ أَوْ سَلْحَةٍ

وَنَصَبِ الْحُرُوبِ هَذَا كَلَامُ إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ

وقت کا حکم اس اگر ظلم پر کمزور رہے ہو اور ظلم و جور کا پہلو
بہت نمایاں ہو اور زبان سے روکے جانے پر بھی
وہ اپنے کړتوت سے باز نہ آئے تو یہ ارباب حل و عقد
کی ذمہ داری ہے کہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے
پر متحد ہوں خواہ اس کے لئے اپنی ہتھیار ہی کیوں نہ
اٹھانا پڑے اور جنگی اقدامات ہی کیوں نہ کرنے
پڑیں۔ یہ امام الحرمین کے الفاظ ہیں۔

واقعہ کر بلا کی دینی و شرعی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علماء دین کے یہ بیانات

کافی ہیں۔ یقیناً عزیمت کی راہ یہی ہے اور حضرت حسینؑ کا اقدام عزیمت علماء اور محققین
کے درمیان متفق علیہ مسدود رہا ہے اور اس میں سے کسی کے شاذ نظریات سے کوئی فرق واقع
نہیں ہوتا۔ ہم یہاں حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے بزرگوں کے اقدامات

کی شرعی صحت کو ثابت کرنے کے لئے مرویات حضرت عمرؓ میں سے ایک روایت کو پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے بعد کسی کے قول کو پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

حضرت عمرؓ کی حدیث

ایک حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا ہے

یقیناً آخر زمانے میں میری امت کو ان کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دیں کو پہچانا اور اس کے لئے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے قلب سے جہاد کیا۔ پس یہی شخص ہے جس کے لئے خدا کی رحمت اور دنیوی و اخروی سعادت اُگے بڑھے گی۔ اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے خدا کے دین کو پہچانا (زبان و دل سے) دین کی تصدیق کی پھر اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے دین کے قدروں کو پہچانا اور خاموشی سے اختیار کی اور جو شخص کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی کو باطل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس شخص سے نفرت کرتا ہے تو ایسا شخص بھی نجات پانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے حق کی محبت اور باطل سے نفرت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا ہے

انہ تصیب فی امتی فی آخر الزمان
من سلطانہم شد اند لا ینجومنہ
الی رجل عرف دین اللہ
فجاہد علیہ بلسانہ و یدہ
و قلبہ فذلک الذی سبقت
لہ السوابق و رجل عرف دین
اللہ فصداق بہ و رجل عرف
دین اللہ فسکت علیہ فان
رأی من یعمل الخیر احبہ علیہ وان
رأی من یعمل بباطل ابغضہ علیہ
فذلک الذی ینجو علی ابطانہ ھلہ

اس مقام پر اس مشہور حدیث کا نقل کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا مِرَابَاةَ النَّاسِ
 أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْحَقِّ إِذَا عَلِمَهُ الْإِثْمُ
 أَفْضَلُ الْجِهَادِ حِلْمُهُ حَقٌّ عِنْدَ
 سُلْطَانٍ جَائِدٍ

کسی شخص کو لوگوں کا خوف اور دبدبہ حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے جبکہ وہ اس کو جانتا ہو ہاں سن لو کہ سب سے ثواب والا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے یہ

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت کو سب سے بڑا جہاد کیوں قرار دیا گیا ہے اس سلسلے میں علامہ خطابی کہتے ہیں۔

”یہ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس لئے ہے کہ جو شخص دشمن اسلام سے جہاد کرتا ہے وہ امید اور خوف کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ فاتح ہو گا یا مفتوح (یعنی اس کے شہادت پانے کا بھی امکان ہے اور کامیاب ہونے کا بھی امکان ہے) البتہ جو شخص ظالم بادشاہ پر تنقید کرتا ہے تو اس کے ہاتھ میں مجبور ہے جب وہ اس کے سامنے حق کا اظہار کرے گا اور معروف حکم دے گا تو اس طرح سے وہ اپنی ہلاکت اور بربادی کے درپے ہو گا۔ خوف کے پہلو کے غالب ہونے کی وجہ سے یہ جہاد کی سب سے برتر قسم قرار پائی ہے۔“

اعتدال کی راہ

بلاشبہ صحیح احادیث میں امرار و حکام کی اطاعت کا حکم موجود ہے۔ اور عام حالات میں ان احادیث کی روشنی میں ان سے بغاوت یا ان کے خلاف خروج درست نہیں۔ لیکن جب صورت حال یہ ہو کہ اسلام کے صحیح نظام کا حلیہ بگڑ رہا ہو یا دین کی بنیادیں متاثر ہو رہی ہوں

اور وقت کا فرماں روا جس کی حکومت کی اصل ذمہ داری اقامت صلوٰۃ ہوتا نماز کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہوا اور ہوس و ہوا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہو تو پھر یہ اہل عزیمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ خاموش نہ رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ امیر و حاکم کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن اس کا وجود اگر فتنہ بن جائے تو اصلاح و درستی کی کوشش بھی ضروری ہے امام نووی نے جو صحیح مسلم کے شارح ہیں کتاب الامارہ باب وجوب اطاعت الامراء میں دونوں اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہر حالت میں اطاعت و انقیاد کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے

وقدرۃ علیہ بعضهم هذا بقیام
الحسین وابن زبیر (ای خروجہما
علی یزید) و اهل المدینۃ علی
بنی امیہ و بقیام جماعۃ عظیمۃ
من التابعین والصدرا الاول علی
الحجاج مع الاشعث۔

بعض حضرات نے اس قول کا رد کیا ہے اور
اور یزید کے خلاف حسین بن علی اور ابن زبیر
کے اقدام سے اور اہل مدینہ کے بنی امیہ کے
خلاف بغاوت سے اور تابعین کی اور صدر
اول کی ایک بہت بڑی جماعت کی حجاج
کے خلاف بغاوت سے اور اشعث کی طرفداری
سے حجت اور دلیل پیش کی ہے۔

یعنی حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تابعین عظام اور اہل مدینہ کے صلحہ کار کا
بنی امیہ کے خلاف اقدام ایک نظیر ہے کہ جب ایوان حکومت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور سربراہ
مملکت کی رند مشربی اور عیش کوشی کے اثرات معاشرے پر پڑ رہے ہوں اور شورائی نظام کی جگہ
استبدادی نظام جگہ لے رہا ہو تو وہ سرفروشانہ اقدام بھی کیا جاسکتا ہے۔ جس کی نظیر امام حسینؑ نے
پیش کی۔

صدر اول کی تاریخ میں ایک نظیر حضرت حسنؑ کی ہے اور دوسری حضرت حسینؑ کی۔
بالفاظ دیگر تاریخ یہ سبق دیتی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ جیسی شخصیت میدان میں ہو تو حضرت حسنؑ

کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہئے لیکن اگر مقابلہ یزید سے ہو تو عزیمت کی بات وہی ہے جو حضرت حسینؑ کا موقف ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے اقتباسات سے ان کا جو موقف بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ نہ تو اعتدال کی راہ ہے اور نہ یہ جمہور امت کا مسلک ہے ناصبیوں کے گروہ نے اہل بیت کی دشمنی میں یہ موقف ضرور اختیار کیا ہے اس سلسلہ میں ایک مثال قاضی ابن عربی کی ہے جن کے بارے میں تحفہ اشاعشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تصریح کی ہے کہ وہ ناصبی ہیں ورنہ علماء اور محدثین اور فقہاء حضرت حسینؑ کے اقدام کو درست ہونے پر اور یزید کی خلافت سے اختلاف پر گویا متفق ہیں۔ یہاں شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؑ و یزید کے بارے میں

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں ابن تیمیہ کے موقف کے بالکل برخلاف حضرت حسینؑ کے اقدام خروج کو دینی بصیرت کے اعتبار سے درست اور اعلام کلمۃ اللہ سے اسے وابستہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سنت بنوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت و حمیت میں نکلے۔ یہ سب اہل حق ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام اہل علم و دین جو حجاج سے برسر پیکار ہوئے جن کا شمار اہل حق میں ہیں اور حق ان ہی کے ساتھ تھا۔“

خروج کے بارے میں اور تلوار اٹھانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے اس کی توضیح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں۔

”جو کسی لیے حکمران کی اطاعت سے نکلے جو ظالم ہو اور اس شخص کی جان یا مال

یا اہل و عیال پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا شخص معذور ہے اور اس شخص سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے چنانچہ طبری نے بسند صحیح عبد اللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل و قتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

”اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ اور پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ جنہوں نے عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا۔“

انتقاد امامت کا مسئلہ اور یزید اور اسلام کا اصول حکمرانی

بعض علماء کے نزدیک یزید کی خلافت بھی مکمل طور پر منعقد نہیں ہوئی کیونکہ تمام ارباب حل و عقد کی بہ رضا و رغبت بیعت پائی نہیں گئی۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ارباب حل و عقد کا اجماع شرط ہے۔

الامام الذی یجتمع قول اهل الحل
والعقد علیہ کلہم
امام وہ ہے جس پر تمام حل و عقد کے قول کا
اتفاق ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انعقادِ خلافت کے لئے اہل ایمان کا اور خاص طور پر اہل صلاح و تقویٰ کا اتفاق ضروری ہے یہ بات خود انھوں نے خلیفہ عباسی منصور کے سامنے کہی تھی :

ما اجتمع علیہ اشان من اهل
التقویٰ والجملا فہ تکون باجتماع
المؤمنین ومشورتہم ۛ

تمہاری خلافت میں دو اہل تقویٰ کا بھی اتفاق
نہیں ہوا۔ خلافت مومنین کے اجتماع اور مشورے
سے منعقد ہوتی ہے۔

امامت کے شرطوں میں بعض علماء نے عدالت اور دین میں افضلیت کی شرط بھی لگائی ہے زیادہ تر
علماء کے نزدیک یہ شرط ساقط بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ عامۃ المسلمین امام سے راضی اور اس کی
خلافت پر دل سے مطمئن ہوں۔

وهوان تکون النفوس قد سکنت
الیہ وکلمتہم علیہ اجمع ۛ

نفوس اس کی طرف سے راضی اور مطمئن ہوں
اور اس کے بارے میں اجماع کلمہ ہو چکا ہو۔

اگر خلیفہ اپنی زندگی میں مسلمانوں میں سے کسی ممتاز شخص کو اپنا جانشین بنائے تو جانشین
کے اندر بھی شرائط امامت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور ان شرائط میں استمرار اور دوام ہونا چاہئے۔

ويعتبر فی المعہود الیہ شروط
الامامة وقت العهد الیہ و
استدامتھا الی ما بعد المولی ۛ

جس شخص کو جاں نشین اور ولی عہد بنایا
جائے اس کے لئے بوقت ولیعہدی شرائط
امامت پر پورا اترنا چاہئے اور جاں نشین بنانے
والے کی وفات کے بعد بھی ان شرائط کو پایا
جانا چاہئے۔

ان شرائط کو اگر مد نظر رکھا جائے تو یزید لائق امامت ہی نہ تھا چنانچہ شاہ
عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں :

” باجماع مؤرخین ثابت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے یزید کو باطل پر جانا اور لائق امامت کے نہ دیکھا..... تو یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجہ شہادت کو پہنچے۔“

تنہا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نہیں بلکہ ان کے بعد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کہ حضرت مولانا قاسم نانائویؒ تک تمام بزرگوں کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا فیصل پنجم میں شہادت امام حسینؑ اور واقعہ حسہ سے متعلق کتاب الفتن کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جس میں انھوں نے یہ کہا ہے :

اعوذ باللہ من رأس الستین
وامة الصبیان۔
میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں سنہ ۶۰ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

یشیر الی خلافة یزید بن معاویہ
لانہا كانت سنة ستین من الهجرة
اس کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف ہے کیونکہ اس کی حکومت سنہ ۶۰ھ میں قائم ہوئی تھی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں جو معجزات پر مشتمل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے باب میں اس طرح کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں اشارہ یزید کے فتنہ کی طرف ہے۔ کتاب الفتن کی ان احادیث کی وجہ سے علماء اور محققین دین کو اس نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہوئی کہ حق امام حسینؑ کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہنا کہ یزید کوئی ایسا باطل نہ تھا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جاسکتی نہایت نادرست قول ہے۔ اس

۱۔ تحفہ اشاعہ عشریہ در خواص مذاہب شیعہ :

موضوع پر مولانا قاسم نانائوؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

”جس وقت حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس کا فسق ظاہر نہ تھا اگر کچھ کیا ہو گا تو درپردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی“

”امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کر دیا۔ نماز چھوڑ دی بس بعض مقدمات گزشتہ کی بناء پر معزول کرینے کے لائق ہو گیا“

”شاید اس وقت اربابِ حق و عقد کی رائیں اور تدبیریں الگ ہو گئیں کسی پر فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آگیا۔ اور بدرجہ مجبوری بادلِ ناخواسۃ بیعت قبول کر لی..... اور جس کو ایک جماعت کثیر کے وعدوں پر معزول کر دینے میں کامیابی کی امید دکھائی دی اس نے خدا کے بھروسے پر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اختلاف محض امیدوں اور اندیشوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور عاشورہ کے دن میدانِ کربلا کے اندر قیامت سے پہلے قیامت قائم ہو گئی“

”موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں کیا شبہ ہے یزید تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا جائز تھا۔ اور اگر خلیفہ تھا بھی تو کبھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا یہ

خلافتِ راشدہ کا عہد اسلامی خلافت کے لئے اسوہ اور معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے یہ ایک ذریعہ عہد ہے۔ کامیابی مقدر ہو یا نہ ہو اس کی باز آفرینی اور بازیابی کی آرزو سے کسی مسلمان کا دل کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ بہت سے اہل عزیمت نے اس اعلیٰ اور مثالی نمونے کے قریب ہونے کی کوشش اپنے اپنے زمانہ میں کی ہے۔ انسان صرف اس سعی و کوشش کا مکلف ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلافتِ راشدہ سے مشابہت رکھنے والا اجتماعی نظام قائم ہو جائے

اسلام کی تاریخ میں ان کوششوں کے نتیجے میں وہ وقفے ملتے ہیں جن سے خلافت راشدہ بابرکت زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ہدایت اور تذکیر کی کوششیں حکمرانوں کی غلط کاریوں پر انھیں ٹو کنا اور تمام اندیشوں کے باوجود کلمہ حق زبان پر لانا اسی نیش آرزو کی موجودگی کی علامت ہے جو ایک مومن کو بے چین رکھتی ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر مسلم ہے کہ یزید کی ولیعہدی کے ذریعہ خلافت راشدہ کے اجتماعی نظام سے انحراف پایا گیا تھا۔ اس ولیعہدی کی تحریک جس نے بھی پیش کی ہو اسے اجتہاد کی غلطی کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ نہ صرف اس لئے کہ زبان نبوی نے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہی اصول حکمرانی قرآنی آیتوں کے ذریعہ بھی صحیح قرار پاتے ہیں جو عہد خلافت راشدہ میں پائے جاتے تھے۔

ان الله يأمركم ان تؤدوا الامانات
الى اهلها واذا حكمتم بين الناس
ان تحكموا بالعدل ان الله نعما
يعظكم به ان الله كان سميعاً
بصيراً يا ايها الذين امنوا
اطيعوا الله واطيعوا الرسول
واولي الامر منكم فان تنازعتم
في شئ فردوه الى الله والرسول
ان كنتم تؤمنون بالله واليوم
الآخر ذلك خير واحسن تأويلاً

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم (ہر قسم کی) امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل اور حقدار ہیں اور (اے حاکمو!) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا خوب نصیحت فرماتا ہے اللہ سننا اور دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولو الامر کی اطاعت کرو پس اگر تمہارے درمیان (تمہارے اور اولو الامر کے درمیان) کسی بات پر نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف حتمی فیصلہ کے لئے لوٹا دو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے یہ

تحت اقتدار منصب اور حکومت ذاتی جائداد اور ملکیت کسی کی نہیں یہ ایک امانت اور ٹرسٹ ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ان امانتوں کو صرف ان کے سپرد کرنا چاہیے جو امانتوں کے اہل اور حق دار ہیں۔ غیر مستحق اور نااہل افراد کو یہ امانت سپرد نہیں کرنی چاہئے۔ لفظ امانت اپنے اندر ایک جہان معنی رکھتا ہے اور اس آیت سے اسلام کے سیاسی نظام کے بہت سے اصول مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔

- ۱۔ اسلام میں حکومت شخصی اور موروثی نہیں ہے بلکہ ایک امانت ہے۔
- ۲۔ حکومت کے مالک حکام نہیں بلکہ غیر حکام ہیں جو کسی شخص کو سپرد کر کے اسے حاکم بناتے ہیں۔ اس لئے اقتدار و حکومت کا تحقق غیر حکام کی سپردگی کے ذریعہ ہوگا بالفاظ دیگر اس حکومت کو نمائندہ اور منتخب ہونا چاہئے۔
- ۳۔ منصب حکومت پر صرف حق دار اور اہل (الی اھلہ) شخص کو بٹھانا چاہئے۔
- ۴۔ حکام کے لئے عدل و انصاف کا حکم ہے یعنی ظلم و جور کی وجہ سے یا اہلیت کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے یہ معاہدہ قابلِ تنسیخ ہو سکتا ہے۔
- ۵۔ حاکم اور محکوم یکساں طور پر خدا اور رسول کے قانون کے تابع ہیں۔
- ۶۔ محکوم کو حاکم سے نزاع و اختلاف کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد قرآن و سنت ہو۔

۷۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ ہوگا۔ قرآن و سنت کو حتمی اور قطعی حیثیت حاصل ہے۔

- ۸۔ قرآن و سنت پر مبنی فیصلہ کرنے والی عدالت کو حاکم کے اثر سے آزاد ہونا چاہیے۔
- ۹۔ صلاح و فلاح صرف اس نظام میں ہے جس کے اصول اوپر بتائے گئے۔

علماء اور محققین نے خلیفہ اسلام کے لئے متعدد بشرطیں بیان کی ہیں مسلمان ہونا آزاد ہونا عاقل و بالغ ہونا عادل اور عالم ہونا قریشی ہونا جنگی اور انتظامی امور میں باصلاحیت ہونا اور فاسق و فاجر نہ ہونا یہ سب شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں میں اختلاف ہے اور بعض میں اختلاف نہیں ہے اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائے گی۔

اختلاف اس میں ہے کہ فسق بعد میں پیدا ہوا یا فسق کی خبر نہ تھی تو بیعت ختم کی جاسکتی ہے یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف کفر کے ظاہر ہونے اور اقامت۔ صلوٰۃ کے نہ کرنے پر یا شریعت کے کسی حکم کے نہ ماننے پر بیعت ختم کی جاسکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کفر نہ بھی ہو لیکن فسق ظاہر اور معلوم ہو تو بیعت ختم کی جاسکتی ہے۔

اب اس زمانہ میں جو نبوت سے قریب تھا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جنہوں نے نبوت کا اور خلافت راشدہ کا زمانہ پایا تھا قرآن کے عطا کردہ اصولوں سے خلفاء راشدین کے بابرکت طریقوں سے اگر کوئی انحراف پایا جائے اور ان نفوس قدسیہ کی آنکھوں کے سامنے ایسے شخص کو مسندِ رانی پر بٹھا دیا جائے جس کا دامن داغ داغ ہے اور پھر کوئی اضطراب نہ ہو اور مقاومت کے لئے کوئی کھڑا نہ ہو اور کوئی اس نظام کو چیلنج نہ کرے یہ بات عقلِ عام کے بھی خلاف ہے اور دینی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

زشت رونی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

وہ فاسقانہ ثقافت جو یزید کے دور اور اس کے دربار میں پروان چڑھ رہی تھی تاریخ کی بے شمار کتابیں اس کی گواہ ہیں۔ یزید کے فسق و فجور کی بے شمار روایتوں کا انکار بعض اہل قلم نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ جن معتبر شخصیتوں نے یزید کے ہاتھ میں بیعت سے انکار کیا تھا ان کی زبان سے یزید کے فسق و فجور کی کوئی بات رکارڈ میں نہیں ہے اور ان کی زبان سے ہمیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے اس کی بدکرداری کی شہرتِ عام کی تصدیق ہوتی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ تو خیر القرون سے بہت قریب تھا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اہل دل علماء اور اصفیاء کی مجلسیں لوگوں کی بدکرداری کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں اور فسق و فجور کا تذکرہ ان کی ثقافت کے منافی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ ان کی زبان پر بدرجہ مجبوری اور بوقتِ ضرورت آتا ہے اور صراحتاً کم اشارتاً زیادہ۔ امام حسینؑ نے شہادت سے پہلے جو خطبہ دیا ہے جس میں انھوں نے اپنے اقدام کی شرعی اہمیت بیان کی اس میں بھی یزید اور اس کے حلقہ بگوشوں کے کردار کی طرف اشارہ موجود ہے۔

”لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الہی کو حلال کرنے والے خدا کے عہد کو توڑنے والے خدا اور رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الہی کو معطل کر دیا ہے، مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت میں آنے کا زیادہ حق ہے۔“

حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہل مکہ کے سامنے تقریر کی اس تقریر میں انھوں نے حضرت حسینؑ کے مقام عظمت کو موثر انداز میں بیان کیا ہے اور یزید کے دامن کو معصیت سے آلودہ قرار دیا ہے۔

اما والله لقد قتلتوه طويلاً بالليل
قيامه كثيراً في النهار حيا مة احق
بما هم فيه منهم واو لى به في الدين
والفضل اما والله ما كان يبدل
بالقبر ان العناء ولا بالبكاء من
خشية الله الحداء ولا بالصيام
شرب الحرام ولا بالمجالس في
حلق الذكر الركض في تطلاب الصيد
(يعرض يزید) فسوف يلقون غيا۔^{۲۱}

خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین و فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے بخدا وہ تلاوت قرآن کے بجائے گانے بجانے اور خوف الہی سے رونے کے بجائے نغمہ و سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے نہ روزوں کے بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے۔ نہ ذکر الہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا

کرتے تھے (یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں)
سو یہ لوگ عنقریب آخرت کی بربادی سے
دوچار ہوں گے۔

بلاذری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا جو بیان ہے اس میں یزید کے کردار
کے بارے میں صراحت پائی جاتی ہے۔

فيسطابن الزبير لسانه في يزيدين
معاويه تنقصه وقال بلغني
انه يصبح سكران ويُمسي كذلك
عبداللہ بن زبیر نے یزیدین معاویہ کی مذمت
کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ
نشہ کی حالت میں صبح اور نشہ کی حالت میں شام
کرتا ہے۔

یزید کی تنقیص و مذمت پر ائمہ دین و علماء اسلام صدیوں سے متفق رہے ہیں اور
جس کی شخصیت اہل دین کی نظروں میں سب سے زیادہ قابل نفرت رہی ہے، اور واقعہ کربلا
اور واقعہ حرہ کے بعد جس کی تعریف و تحسین کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اس دور میں بعض
اہل قلم اپنے سوادِ قلم سے اس کے سیاہ چہرہ کو پُر کشش بنانے اور سواد کو بیاض سے بدلنے
کی سعی لا حاصل میں لگے ہوئے ہیں اور بالواسطہ طور پر ان صحابہ کرام کو بھی مجروح کر رہے ہیں جو
میدان کربلا میں اور مدینہ منورہ میں یزید کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔

خود یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کی شہادت

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس
کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ کے
نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی
اور نسل ختم ہو گئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے
گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہو گیا۔ یہ کہہ کر
قُلْدَابِیْ اَلْاَمْرُوْكَانْ غِیْرَ اَھْلَہ
وَنَازِعِ ابْنِ بَنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ
صَلٰی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فَقَصَفَ
عَمْرَہٗ وَاَنْبَرَعَ عَقْبَہٗ وَصَارَ فِی
قَبْرِہٖ رَھِیْنًا بَدْنُوْبَہٗ یَکِیْ وَقَالَ

ان من اعظم الامور عينا
علمنا لسوء مصرعه وسوء منقلبہ
وقد قتل عترة رسول الله و ابا ج
الخمرو خرب الكعبہ ۱۵

رونے لگے جو بات ہم پر سب سے گراں ہے وہ
یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت
ہمیں معلوم ہے۔ اس نے رسول اللہ کے قرابت
داروں کو قتل کیا شراب کو حلال کیا اور
بیت اللہ کو ویران۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی شہادت

حدثنا نوفل بن ابی اقرب کنت
عند عمر بن عبد العزیز ف ذکر
رجل یزید بن معاویہ فقال
امیر المومنین یزید فقال له
عمر تقول امیر المومنین فأمیرہ فضربه
عشرین سوطاً ۱۶

ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ
میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں
حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ
کا ذکر کرتے ہوئے (احتراماً) امیر المومنین یزید
کے الفاظ نکل گئے اس پر عمر بن عبد العزیز نے
فرمایا تو اس کو امیر المومنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے
حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں
چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت

کونه عادلاً فی کل اموره
مطیعاً لله فی جمیع افعاله
یسر اعتقاداً جدم من ائمة
المسلمین ۱۷

یزید اپنے معاملات میں عادل تھا یا اپنے
عمل و کردار میں خدا کا فرماں بردار تھا یہ
ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں۔

”وضع الید فی الید“ کی روایت

حضرت حسینؑ کی پیش کردہ شرطوں میں سے ایک شرط وضع الید فی الید کو کچھ لوگ اپنے موقف کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آخر میں حضرت حسینؑ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عربی زبان و ادب کے ذخیرے سے ایک جملہ بھی ایسا نمل سکے گا جس سے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مفہوم بغیر کسی قرینے کے بیعت سمجھا جائے۔ دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہ جب باہم ملتے ہیں تو وضع الید فی الید کا واقعہ ہی پیش آتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ فریق مخالف کے لوگ بھی گفتگو کے لئے باہم ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں اور پنجہ آزمائی سے لے کر مباہلہ تک کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ امام حسینؑ جیسی شخصیت جو شروع سے بیعت کے خلاف ہو کرب و بلا کے اندیشے سے فوراً بیعت کے لئے یا سر جھکھلنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے مراد نہ تو بیعت و انقیاد ہے اور نہ مقابلہ و پنجہ آزمائی بلکہ مراد اصل حریف سے نفس معاملہ پر گفتگو ہے۔ اصل عربی عبارت یہ ہے:

ان اضح ید ی فی ید یزید بن معاویہ
فیری فیما بینی و بینہ دایہ
میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں پھر وہ
دیکھے میرے اور اس کے درمیان اس کی کب
رائے ہوتی ہے۔

اس عبارت سے بیعت مراد نہیں بلکہ نفس قضیہ پر گفتگو مراد ہے۔
امام حسینؑ کی وضع الید فی الید کی تجویز بعینہ وہی تجویز ہے جو حُربِ یزیدؑ نے پیش کی تھی۔ مقام ذی حشم میں وہ جب ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آپ سے ملا تو اس نے یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستے سے جدا ہو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے ممکن ہے مفاہمت کی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ امام حسینؑ اس تجویز پر راضی ہو گئے یہی وہ تجویز تھی جسے

وضع الید فی الید کے الفاظ میں امام حسینؑ نے پیش کی تھی۔ اس سے مفاہمت کی گفتگو مراد ہے نہ کہ بیعت۔

اگر وضع الید فی الید سے مراد بیعت انقیاد ہوتی تو اس تجویز کو قبول کرنے کے بعد فوراً وہ خطبہ نہ دیتے جو اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس میں اپنے اقدام کی شرعی اہمیت انھوں نے پوری قوت کے ساتھ پیش کی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں نکلے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس پیشکش سے مراد استسلام (Surrender) ہو سکتا ہے۔ ایک کمزور فوج اپنے سے کئی گت زیادہ فوج کے مقابلہ میں استسلام کی پیشکش کر سکتی ہے اور بات چیت کے ذریعہ اصولی اختلافات کے حل کا راستہ نکالنے کی دعوت دے سکتی ہے۔

”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ پر عمل کا نمونہ

واقعہ یہ ہے کہ اقدام امام حسینؑ حق اور صبر پر تلقین کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن میں گھٹائے اور خسران سے بچنے والوں کے اوصاف میں ”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ آیا ہے۔ حق اور صبر کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کہنے اور محلے سے لے کر نظامِ حکومت کی تبدیلی کا مفہوم اس میں شامل ہے۔ نظامِ وقت اور نظامِ حکومت کی تبدیلی کی کوشش فرض عین نہیں ہے کہ ہر شخص اس کا مکلف ہو۔ یہ وہ فرض کفایہ ہے جس کا بہر حال کچھ لوگوں کو بیڑا اٹھانا چاہئے اور اس فرض کفایہ کے ادا کرنے والے پوری امت کی طرف سے احترام اور شکر کے مستحق ہوں گے۔ بصورتِ دیگر پوری امت کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی لیکن یہ فرض کفایہ ان نفوسِ قدسیہ کے لئے جو اپنے اندر اس کام کی اہلیت و لیاقت پائیں، فرض عین بھی بن جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے کہ

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے

یہ ہے واقعہ کر بلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر۔ اس کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے
کہ اس کی اسپرٹ آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہے اور اس نے پوری اسلامی تاریخ میں
حکمران طبقے کو لگام دینے اور غلط روی پر بریک لگانے کی خدمت انجام دی ہے۔ اگر
اس طبقے کو جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے مکمل اطمینان ہو جائے کہ نہ کوئی اس سے
باز پرس کرنے والا ہے نہ بے خوفی کے ساتھ کلمہ حق کہنے والا تو وہ طبقہ اپنی من مانیوں اور
مفسدہ پر دازیوں پر اور بھی شیر اور دلیر ہو جائے گا۔

آج کے اس دور میں بھی سنوسی تحریک اور اخوان المسلمون کی دعوت سے لے کر جہاد
افغانستان تک وہی شوق شہادت اور سرفروشی کی روح پائی جاتی ہے جس کا نمونہ سیکڑوں
سال پہلے ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ ان ہی کے فیض سے اہل ایمان کا ضمیر ہمیشہ زندہ
اور تازہ کار رہا ہے۔ اگر ان کے نمونے نہ ہوتے تو اسلام کی تاریخ تملق چا پلوسی اور مہانت
کی تاریخ ہوتی خاک کے آغوش میں بس تسبیح و مناجات باقی رہ جاتی جو جمادات و نباتات
زاحفات و حشرات کا دین ہے۔ وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا نمونہ کہیں نظر نہ آتا جو
مردانِ احرار و حق آگاہ کا مذہب ہے۔

آخر میں ایک بات اور

واقعہ کر بلا یا کسی بھی اسلامی تاریخ کے واقعہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح تبصرہ کرنے

کے لئے سب سے پہلے صحیح زاویہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں دین اسلام کی ایک حیثیت تو وہ ہے جو نمونہ اور معیار کی ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں اس کے داخلی تقاضے اور خارجی تقاضے دونوں بدرجہ اتم پورے ہوتے ہیں، انفرادی سطح پر معاشرہ میں تقویٰ اور خوفِ خداوندی موجود ہوتا ہے ذکر و عبادت سے فضا معمور ہوتی ہے اور اجتماعی سطح پر اسلامی قوانین پر عمل ہو رہا ہوتا ہے معاشرت اور سیاست کا نظام اسلامی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے اور اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی اشاعت و جہاد کا کام انجام پاتا ہے۔ دین اسلام کی دوسری حیثیت وہ ہے جو نمونہ اور معیار تو نہیں ہے لیکن وہ کام چلاؤ اور عام طور پر معمول بہ دین ہے۔ اس معمول بہ دین میں ذکر و شغل اور تسبیح و تلاوت اور اپنے اپنے محدود حلقوں میں تذکیر اور تزکیہ نفس کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اقتدار و وقت پر دین کی بالادستی باقی نہیں رہتی جس کے اثرات معاشرہ پر پڑنے لگتے ہیں۔ علامہ اقبال نے دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل

یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہب مردانِ خود اس کا ہر خدا مست

یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

اگر حالات سازگار نہ ہوں اور فتنہ قوی ہو چکا ہو اور عزیمت بھی مفقود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ معمول بہ دین پر عمل کر لیا جائے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لا یكلف نفساً الا وسعہا لیکن یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ایک انسان معمول بہ دین کے فلسفہ کا مبلغ بن جائے اور جو نمونہ اور معیار ہے اس کی آرزو تک باقی نہ رہے

ایک مرض اور اس کے اسباب

پہلے یہ چند حدیثیں پڑھ لیجئے

۱۔ احب اہل بیتي الحسن والحسينؑ مجھے اپنے اہل بیت حسن اور حسین سے محبت ہے

۲۔ عن زید بن ارقم ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال :
لعلی وفاطمہ والحسن
والحسین انا حرب من حاربہم و
سلم لمن سالمہم

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات
علی وفاطمہ حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے بارے
میں فرمایا جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی
ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح
ہے۔

۳۔ ہمارے چانتاؤں میں دنیا

حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا
کے دو پھول ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی :

۴۔ ارقبوا محمداً صلی اللہ فی
اہل بیتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے
ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو۔

بخاری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے :

”قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب
ہے۔“

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں قرابت رسول کی تشریح کرتے ہوئے
لکھا ہے ۔

۱۔ رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۰

۲۔ صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین

۳۔ بخاری باب مناقب قرابتہ رسول اللہ

من ينسب لعبد المطلب
مؤمناً صالحاً وبنياً

جس مسلمان کا رشتہ نسب عبد المطلب سے
ملتا ہو جیسے علیؑ اور ان کے دونوں لڑکے

اوپر کی روایات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
اہل بیت بالخصوص حضرات حسین پر بے اندازہ شفقت فرماتے تھے۔ گذشتہ بحثوں سے
یہ بھی ثابت ہے کہ ہر دور میں ائمہ فقہاء اور محدثین اور علماء جگر گوشہ رسول سے محبت اور یزید
سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ علم کلام اور عقائد کی کتابوں میں یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ حق حضرت
حسین کے ساتھ تھا۔ اس بات کو عقیدہ کا جزو اس لئے غالب بنادیا گیا کہ یہ اندیشہ موجود تھا
کہ مسلمانوں کو اس بارے میں گمراہ کیا جاسکتا ہے چنانچہ شرح عقائد تسفی میں ہے:

والحق ان رضا یزید بقتل الحسين
واستبشاره بذلت واہانتہ
اہل بیت النبى علیہ السلام
مما تواتر معناه وان جات
تفاصيلها احاداً ۱

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ
کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش
ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا ان تمام
امور کی تفصیلات کو بطریق احاد مروی ہوں
لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں

ان احادیث اور ائمہ و علماء کی تصریحات کی موجودگی میں حضرت حسین کے اقدام کو غلط
ثابت کرنے کی کوشش کرنا یا واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانا اور یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنا
ایک طرح کا نفسیاتی مرض ہے۔ اس مرض میں گرفتار لوگوں کے ذہن و فکر کا جائزہ لیا جائے
اور تحلیل نفسی کی جائے تو درج ذیل اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور نکل آئے گا۔

۱۔ تصور دین کی غلطی، یعنی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لینا کہ دین کا معاملہ
ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک فرد کے لئے ذاتی زندگی کی اصلاح تقویٰ اور تعلق مع اللہ
کافی ہے۔ خلیفہ کیسا ہو عقد خلافت صحیح طریقہ سے ہو یا جبر و استبداد کے ذریعہ یہ اور دیگر
سیاسی معاملات کا براہ راست دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یزید کی مخالفت کر کے حضرت

حسین نے بے جا اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنی جان گنوائی۔

۲۔ شیعیت کے معاملہ میں حد سے بڑھی حساسیت۔ یعنی ردِ شیعیت میں اتنی غلو کہ اہل بیت سے اور خاص طور پر سبطِ رسول سے والہانہ محبت کا اگر کسی نے اظہار کیا اور پزیدہ پر لعنت و ملامت کی تو اس میں شیعیت کی بو اور خوشبوس ہونے لگے اور ایسے جذبات کا رشتہ فوراً شیعیت سے جوڑ دیا جائے۔ یا زبان سے یہ بات نہ کہی جائے لیکن خود انسان کا سینہ نقدِ شیعیت میں انتہا پسندی کی وجہ سے اس طرح کے لطیف جذبات سے بالکل خالی ہو جائے اور حضراتِ حسین سے واقعی محبت دل میں نہ پائی جائے۔

۳۔ تیسرا سبب حد سے بڑھی ہوئی عقلیت اور عشقِ رسول میں کمی یا اس سے محرومی کا روگ ہے جو مغربی تہذیب کے استیلا کے دور میں ترقی پذیر ہے۔ کچھ لوگوں میں تو دل میں چھپا ہوا روگ زبان پر بھی آجاتا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمیں تو محمد رسول اللہ سے غرض ہے نہ کہ محمد بن عبد اللہ سے۔ یعنی ذاتِ گرامی کی تشریحی حیثیت سے بحث ہے نہ کہ آپ کی ذاتی زندگی سے۔ اس لئے آپ کی سنتوں کا اتباع اور آپ کی محبوب چیزوں کو محبوب رکھنا اور آپ کے اسوۂ حیات سے عشق ایک غیر ضروری چیز ہے۔ جب یہ معاملہ رسول کے ساتھ ہے تو سبطِ رسول سے محبت کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے اور جب عشق و محبت نہیں تو اس بارے میں غیرت و حمیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ غیرت کا گہرا تعلق عشق سے ہے۔ لیکن ابھی تک مخالفینِ حسین اور مؤیدینِ یزید میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زبان سے یہ بات تو نہیں کہتے لیکن اگر وہ خود اپنے دلوں کا جائزہ لیں گے تو محسوس ہو گا کہ محبتِ اہل بیت یا تو سرے سے نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

سچ یہ ہے کہ عشقِ بنوی کا معاملہ محض جذباتی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی تشریحی حیثیت ہے اور اس محبت کے لئے نصِ صریح موجود ہے اور اس محبت میں کمی نہ پیدا ہونے کے لیے خصوصی احکامات نازل فرمائے گئے ہیں۔ دین کے اصل مزاج کے بقار اور تسلسل اور اس امت کی حفاظت کے لئے اس عشق و محبت کی حیثیت مستحکم قلعہ ہے اور اس کے بغیر نہ دین کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ دین سے وابستہ امت کی۔

تاریخی مطالعہ یا معروضی مطالعہ کے حوالہ سے واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانے اور حضرت
 حسینؑ کے سرفروشانہ اقدام کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں مذکورہ تین
 اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور مل جائے گا اور دینی روحانی اور سماجی علوم کے لئے بھی
 کوئی خور دینی کا آلہ موجود ہوتا تو ان جرثوموں میں سے کوئی ایک جرثومہ ضرور دیکھ لیا جا
 سکتا۔

دین کے بارے میں صحیح اور متوازن تصور کو ذہن میں جاگزیں کرنا اور جمہور اہل سنت
 کے موقف کی صحت پر یقین اور عشق کے آبِ حیات سے تخمِ دل کی آبیاری نہ صرف واقعہ کربلا
 کے غلط مطالعہ کے سلسلہ میں نفسیاتی مرض کا علاج ہے بلکہ یہ بہت سے فکری اور نفسیاتی
 امراض کا علاج بھی ہے۔ یہ وہ نسخہ شفا ہے جس سے قلب و نظر کی بیماریوں کے بہت سے
 مریض شفا یاب ہو سکتے ہیں۔

شہادت کے بدلے پر افتراء



از مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

نواصب کون ہیں | ”نواصب“ ”ناصبیہ“ اور ”اہلِ نصب“

تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض و عداوت کا علم بلند کر رکھا تھا، چنانچہ علامہ زمخشری ”اساس البلاغہ“ میں لکھتے ہیں۔

وَنَاصِبَاتُ الْفُلَانِ، عَادِيَتُهُ نَصْبًا
وَمِنْهُ النَّاصِبِيَّةُ وَالنَّوَاصِبُ
بِأَهْلِ النَّصَبِ الَّذِينَ يَنْصِبُونَ لِعَلِيٍّ
كَرَاهًا لِلَّهِ وَجِهَهُ

نَاصِبَاتُ الْفُلَانِ کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر ”ناصبیہ“ ”نواصب“

اور ”اہلِ نصب“ کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تبری و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ

مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہو گیا، تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو ”شیعہ مروانیہ“ و ”شیعہ امویہ“ اور ”شیعہ عثمانیہ“ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہو گیا۔ اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہو گئی، چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقرئ بنی اپنی مشہور و معروف کتاب ”المخطوط والاثار فی مصر و القاہرۃ والنیل و ما یتعلق بہا من الابرار“ میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل مروان و انقضت ایام بنی امیہ ببنی العباس فی سنة ثلاث و ثلاثین و مائتہ خمدت جمرۃ اصحاب المذہب المروانی و هو الذین عافوا یسبون علی بن ابی طالب و یتبرؤن منه، و صاروا سند ظہر بنوا العباس میخافون القتل و یخشون ان یطلع علیہم احد الا طائفۃ کانت بناحیۃ الواحات و غیرہا، فانہم اقاموا علی مذہب المروانیۃ دھراً حتی فنوا و لم یبق لہم الا ان یدار مصر و جود البتۃ۔

(ج ۲ ص ۳۳۸ طبع بولاق مصر ۱۲۸۵ھ)

جب مروان الحمار بنی امیہ کا آخری تاجدار قتل ہو گیا اور بنی امیہ کے ایام حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۱۳۳ ہجری میں ختم ہو گئے تو اصحاب مذہب مروانی کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرا اور سب و شتم کیا کرتے تھے اور جب سے بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع نہ ہو جائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت جو ”واعات“ (مصر کے بالائی مغربی علاقہ وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک مدت تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔

بالآخر وہ بھی فنا ہو گئی اور اب دیارِ مصر
میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی
نہیں۔

اور برصغیر ہندو پاک تو ان کے وجود
نامعلوم سے شروع ہی سے پاک چلا

برصغیر میں ناصبیت کی تحریک

آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امرہ ہوی نے "خلافتِ معاویہ و یزید" لکھ کر
اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرین
حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے قبیحین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصریت"
کے مشق کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے انہیں قائم ہو گئی ہیں جن
کا کام ہی اہل سنت کو راہِ اعتدال سے ہٹانا ہے، اسی سلسلہ کی ایک انجمن "مجلس
حضرت عثمان غنی" کراچی ہے، جس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر مکمل تنقید "ناصریت سازش"
کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا
مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی "تعلیق پر تین صفحات" کا ہے جس کا نام ہے "داستانِ کربلا
حقائق کے آئینہ میں" اس کے مرتب بھی وہی "احمد حسین کمال" (سی ۱۵۳، کورنگی سٹ
کراچی ۲۱) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعات "مجلس حضرت عثمان غنی" کی دوسری کڑی ہے۔

مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام | لیکن جائزہ لینے سے پہلے مجلس کا
تعارف اور پروگرام پڑھیے جو ان

الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

”مجلس حضرت عثمان غنی“ دراصل تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی اسس
تحریک کا نام ہے جس کے پیش نظر ان حضرات صحابہ کرام کے متعلق اغیار
واشعار کے نامبارک باتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب و اباطیل کی اصلاح
اور چھان بچھان ہے جنہوں نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ
کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن
کی بازی لگا کر اطرافِ عالم میں اسے پھیلایا۔۔۔۔۔ لیکن چونکہ اولین اہل قلم۔۔۔۔۔
عموماً انہی عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں، جن کی شوکت و حکومت۔۔۔۔۔ ان ہی
مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں۔۔۔۔۔ پیوند خاک ہوئیں، بنابریں، ہمنوں نچنے
کفر و زندہ اور جذبہ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی
تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محبین امت کے حسین
کردار و حقیقی خد و خال پر مفریات و کمذبات کی گرمی نہیں چمک گئیں۔۔۔۔۔ تاریخ
کا یہی وہ اہم گریبی پیچیدہ موضوع ہے جسے انہیں تاریخی اساطیر سے
ڈھونڈ، ڈھونڈ کر حتیٰ و انصاف، روایت و درایت کے جملہ حقوق کی حمایت
رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمان قوم کو اس پر غور و فکر اور پھر قبول کی
دعوت دینا۔۔۔۔۔ مجلس حضرت عثمان غنی کے پیش نظر ہے۔۔۔۔۔

جو اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں
اور اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کی اس کوشش
کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا و آخرت میں اپنا مقام
بلند کریں۔ (داستانِ کربلا ص ۲۰ و ۲۱)

”مجلس حضرت عثمان غنی“ نے تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی جو ہم چلائی ہے

اس کا ایک نمونہ تو ”اکابر صحابہ پر بہتان“ میں گزرا، اب تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالیے !

اس کتابچہ کا نام ”داستانِ کر بلا“ حقیقت میں اسمِ باسٹی ہے عربوں کے گاہنوں کی طرح ایک پسج میں سو جھوٹ ملا کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے ”داستانِ امیر حمزہ“ کی طویل و عریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر سے گزری ہیں اور اس نے نوشیروان نامہ، ہر مژ نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایمنج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، صندلی نامہ، تورج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیالِ سکندری، طلسم کوخیز جمشیدی، طلسم زعفرانی زار سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس طول طویل داستان میں اتنا تو پسج ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہ، عمر و بنی امیہ ضمری، سعد کرب، مالک اشتر، لندہ، ابن سعدان، نوشیروان، بزرچہر، افراسیاب، زمرہ شاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نامبردگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ پچھلے پانچ عجم سے، لیکن ”داستانِ امیر حمزہ“ پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدمہ الحق ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو پسج باور کرتا ہو، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قمر نے بھی جن کے قلم سے ”داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قرآن“ کی طویل و ضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ”داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قرآن“ کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے،

مگر آفرین ہے ”مجلس عثمان غنی“ کے ارکان اور اس مجلس کے ہیروز احمد حسین کمال پر جنہوں نے اپنے جی سے گڑھ کر ”داستانِ کر بلا“ لکھی اور اس پر بعد طعراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ ہے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان

”حائق کے آئینہ“ میں سپردِ قلم کی گئی ہے، سچ ہے۔

اِقَالَہُ تَسْتَعِی فَاَصْنَع مَا شِئْتَ ، بے جیا باشش و ہرچہ خواہی کن۔

”مجلس عثمان غنی“ کے لیے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گو یوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفسریں باد بریں ہمت مردانہ تو

اب ذرا دل پکڑ کر اس داستان کو پڑھیے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی

میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

خود ساختہ ”داستانِ کربلا“

”داستانِ کربلا“ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بعث اهل العراق الى الحسين الرسل والكتب يدعونہ اليہم

فخرج متوجهاً اليہم في اهل بيته و مستين شخصاً من اهل

الكوفة صحبة۔ (البدایہ والنہایہ، جزء ہفتم ص ۱۵۳)

۲۲ رجب ۶۰ کو امیر المومنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۸

رجب ۶۰ ہجری کو امیر بزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی شعبان ۶۰

میں حضرت حسینؓ اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے

آئے، اس وقت حضرت حسینؓ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ

مدینہ سے مکہ آکر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے

قاصد پر قاصد روانہ کرنے شروع کر دیے کہ آپ کو فہ تشریف لے

آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو خلیفہ بنانا

چاہتے ہیں۔

آپ نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے نایا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کے پیغامات اب بھی برابر آرہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا، شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنہایہ" سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسین کے پاس متعدد پیغامبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آجائیں، چنانچہ حضرت حسین اپنے اہل بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے۔

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیرِ یزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے اور امیرِ یزید کے ہاتھ پر اسوا عبد اللہ بن زبیر اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر، اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کر چکے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۸۹۵۰ صحابہ کرام شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ زردوب پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی۔ آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعانِ علی

آپ کا ساتھ ضرور دیں گے، موضع زُرُود، مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر "۱۸ ویں" منزل پر واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۴۵۹ عربی میل ہے، مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ جے دفائیوں، غداروں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلتے براصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زُرُود میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورتحال معلوم کرنے کیلئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا..... ان دونوں نے حضرت حسین سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:-

میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سینکڑوں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافت حال کے لیے کوفہ بھیجا تھا، ساتھ کوفی جواب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آجائیں، اہل کوفہ جیتی سے آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساتھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کر دیا، اس لیے اسب، میرے سامنے یہی چارہ کار رہ گیا ہے کہ شام پہلا جامل اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں،

عمر بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابی زیاد کو اس صورت حال سے اور حضرت حسین کے ارادہ سے مطلع کر دیا، عبید اللہ بن زیاد نے قبلت کہہ کر منظوسی دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ حضرت حسین کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، تاکہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسین کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں، تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلا۔

مقام ”واقعہ“ سے حضرت حسین نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور اب ”القرعہ“ اور ”میفیہ“ کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے، ۹ محرم کی شب کو ”العذیب“ اور ”قصر مقاتل“ کی منزلیں طے کر کے آپ نے ”الطف“ کی سرسبز و شاداب زمین میں ”کربلت“ کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا اسی ”کربلت“ کو ”کرب و بلا“ کے معنی پہنانے کے لیے کربلا بنا دیا گیا۔ ”کربلت“ عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں۔

۱۔ یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے مگر ناہیوں کے ”امام التاریخ“ عباسی صحت یہ لکھتے ہیں، ”ارض الطیف“ کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین، ”کربلا کہلاتی تھی، جو روروں و ننگروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمین تھی، نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پھوٹنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر ”کربلا“ کہلاتی تھی“ خلافت معاویہ ویزید ص ۲۰۵ تا ۲۰۶ طبع چہارم، یاد رہے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع ”کربلا“ کا تو ذکر آتا ہے مگر ”کربلت“ نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں بھوٹ نہ ہو۔

گربت دریا ئے فرأت سے تین میل دُور اور کوفہ سے پچیس میل کے
فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کو فیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ
دشمن نہ جائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل
شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ کہ آپ نے
یہاں تک فرمایا،

” افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی
کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن
کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن
عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کر دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ
میں آجائے بڑا احمق ہے۔“

(جلال الیون، طبری)

شاہوں کو فی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین کا ان کے قابو میں آنا مشکل
ہے، لیکن ان سے جدا ہونا اپنی زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً
عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ اپنی زیاد کا فوجی دستہ ساتھ میں لے
اس لیے ان سب نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان
کیمپ میں ہنگامہ برپا کرنے اور قافلہ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے
رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے
بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کے
خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ
میں شور برپا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع

اور جوانی کا روانی کرنے لگے، اس شور و غل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ
دستے نے بھی سنی، مگر شمر اور عمر بن سعد بنی کیمپ کی طرف دوڑے، شام
کا جھپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ کر
قتل کر ڈالا، ایک آدھری پنج کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن افسوس
اس دوران حضرت حسینؑ کی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے
علی اکبر اور عبداللہ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسن کے تین صاحبزادے
عبداللہ، قاسم، ابوبکر بھی قتل کر دیے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے
لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چاروں لڑکے
جعفر، محمد، عبدالرحمن، عبداللہ اور عبداللہ ثانی بھی مارے جا چکے تھے
یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حرؓ خاندان علی کو
کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے
ایکس افراد حضرت حسین سمیت شہید کیے جا چکے تھے، مگر بھی کوفیوں
کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے فار سے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ
۱۰ محرم ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء بدھ کے دن پیش آیا
بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو ”کربلا“ کے بجائے
”نینوا“ کے مقام پر پیش آیا۔ بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی
لشوں کو اکٹھا کیا، ان کی ناز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ
دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا۔ بلکہ دستہ کے بعض سواروں
نے انھیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندان علی کے

بچے کچھے افراد خواتین کو کوفہ و آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعیان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جثاؤں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوفہ بھیجتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے، اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد، اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کر رہے تھے فرمایا،

”اے خداؤ! اے مکارو! ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔“

خاندان علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں ابن زیاد کے ہمان رہے، پھر بلندی حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ واپس آکر جوار رسول میں حسب سابق رہنے لگے۔

خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کے طریقے کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان کے پیش بہا و وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

(از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے ”مجلس حضرت عثمان غنی“ یعنی حال کے ”مذہب مروانی“ کے داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گزری اور جس میں اس امر

کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ ”شیعان اموی“ کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبید اللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں پیش پیش پہننے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی ذمہ سنبھالیے، کیونکہ شیعان بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں اور ان کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفہ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب لوگ صوبہ اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ جہاں تک بن سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجالائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کاروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے بلکہ ان الزام مظلوموں کے سر تھوپا جائے، واقعہ کہ ہلاکی ذمہ داری خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جائے، حقہ کے مظالم کا ذمہ دار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کا رشر میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہشیاری اور چالاک کی کے ساتھ کام میں لایا جائے، کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آکر سلف صاحبین صحابہ و تابعین اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن تاکہ جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لیے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح (۱) اپنا نچہ احمد حسین کمال داستان گو نے اگرچہ حضرت حسین

رضی اللہ عنہ کا قاتل انی ساٹھ کو فیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
 بیعت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو درغلاسنے کی کوشش کرتے رہے،
 لیکن جب آپ ان کے درغلاسنے میں نہ آئے اور امیر یزید کی بیعت کا مصمم ارادہ کر لیا
 تو یہ ساتھوں کوئی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے قابو
 میں آنا مشکل ہے اس لیے سب کے سب سلاح و مشورہ کر کے عصر کی نماز کے بعد
 ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے
 اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، عمر بن سعد اور
 شمر ذی الجوشن کا محافظہ دستہ جو کاروان اہل بیت کی حفاظت کے لیے کوفہ کی حکومت
 نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت ناکہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ
 کے اہل بیت کو نہ بچا سکا مگر ان "شیعہ مروانیہ" "مجلس حضرت عثمان غنی" کے "امام
 التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی" کا جس کے لیے یہ نامی "رحمۃ اللہ" بھی
 لکھتے ہیں، یہ بیان ہے۔

۱۔ "مجلس حضرت عثمان غنی" نے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھ نمبر پر جو کتابچہ "علی المرتضیٰ"
 کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۱۲ پر یہی الفاظ ہیں
 "امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ"
 ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے، بار بار ملاقاتیں ہوئیں اور مجلسی
 گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد ہی نام نہن ہے، عربی کا تو کیا ذکر اہل علم حضرات اگر
 ان کی تالیف "خلافت معاویہ و یزید" میں انھوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے
 اس کا جائزہ لیں تو ان "علامہ صاحب" کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی
 "شیخ الاسلامی" کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امر وہ کہہ بہت سے جناب

”امیر عبید اللہ بن زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المؤمنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائضِ مغموضہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؑ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرغاش تھی اور نہ بغض و عداوت۔۔۔۔۔

علاوہ ازیں خود امیر المؤمنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے،۔۔۔۔۔
عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو قاتل حسینؑ کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مؤرخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افتراء ہی ثابت ہو گا۔۔۔۔۔

حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابھی زندہ میں ان سے ان کی صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور جمعہ و جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں نیز وحی اور قرآنِ کریم کے بارے میں جو وہ اظہارِ خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپ کو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہ بھی ذہنی میں رہے کہ عباسی کی کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کی جب نشر و اشاعت ہو رہی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی جب یہ داستان شائع ہوئی تو وہ روسی سفارتخانہ میں ملازم ہیں۔

دآشتی سے نمٹانا چاہتے تھے، دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل
 اور مزاحم تھیں، ایک تو براء دران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول
 بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دے
 دینی پڑیں۔ دوسرے ان کوئی شبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ
 گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان
 کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ
 صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صوت
 مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ
 کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر لے انھوں نے اپنے پیش رو سبائیوں کی تقلید
 کر لی چاہی، جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں
 مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی..... چنانچہ ان کو فیوں
 کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ

لے جماسی صاحب تو ان کوئی شہداء کو جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کی نصرت میں اپنی جانیں تیار کر دیں "سبائی" کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور
 "مجلس حضرت عثمانی غنی" کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

لے کیوں کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی
 اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ طے کر لیا تھا کہ صلح
 کے بعد اہل عراق پر کوئی دارو گیر نہیں ہوگی۔

موقف پر قائم رہیں۔۔۔۔۔

حکومتِ وقت کے نمائندوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلابِ حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تھریں و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آئے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قلعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعد کی ملاقاتوں کے نتیجہ میں حضرت حسینؑ مجب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کریں۔۔۔۔۔

حضرت حسینؑ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر موت ہے۔۔۔۔۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ مزید احتیاطیہ ہوا کہ وہ سب آلاتِ حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، سمائندگانِ حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدِ باب ہو جائے، جوان کوفیوں کی ترغیباً نہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اپنی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عاملِ مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لیے لوگوں کو بلاتا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیر سے

گنگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے، حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادرانِ مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوشِ انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کو فیوں کو بھی جو حسنی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی، یہ موقع ہاتھ آگیا، انھوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنھوں نے جل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا، کہ انتہائی طاقتور اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قافلہ حملہ کر دیا، آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ خونی انگیر پیش آگیا، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ، ”گورنر کوئم عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ حسینی قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدبیر کرے اور صوبہ عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے، کوفہ کے شیعیان علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا، حسینی اور ان کے مٹھی بھر تبعین نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جہاں سے ہتھیار رکھوائے کو بھیجا گیا تھا، غیر مال اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا (ص ۱۱۶۲)

عمر بن سعد امیر عسکر نے... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں
کیا تھا، انکے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعات پہلو اختیار کئے رہے
یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گنگوٹے مصالحت یکایک جدال و
قتال میں بدل گئی.....

حضرت حسینؑ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعد پر رنج اور حسد سے
ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے.....

انہوں نے مفاہمت کی خاطر بہتری کوشش کی کہ خون
خواب نہ ہونے پائے مگر سپاہیوں کی در اندازیوں سے ان کی
مسامحی نامکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو
مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا جس کا بین ثبوت خود انہی ادویں کے

بیان سے قاسم ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی
تعداد بیان کی ہے کہ حینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن
میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے
جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے، گویا سولہ فوجی
زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؑ کی جان بچانے میں کامیاب
نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت
حسینؑ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری
خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ پر ڈوار
محمول میں سوار کرا کے روانہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و یزید" مؤلفہ محمود احمد عباسی)

شیعانِ اموی "مجلس حضرت عثمان غنی" کے امام التاریخ "کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجئے کہ ماحصلوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اہل بیت، اور ان ساتھ کوئی حضرات کا جو حضرت محمد وح کی میت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتل تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثہ حزن انگیز اس لیے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آکر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوالے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعت جنگ کی کہ اپنی فوج کے سولہ افراد زیادہ کٹوا دیے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھائی آدمی کام آئے، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شجاعانِ عرب اس کے ساتھ تھے آنا فانا میں حسینی قافلہ کے بہتر نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستہ فوج کو ایک متنفس کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر "مجلس شیعانِ عثمان" کے داستان گو نے جو داستان بیان کی ہے وہ امام التاریخ کے بیان کردہ افسانہ سے بالکل جہا ہے، اس میں مذکور ہے کہ، عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سر سے سر سے جنگ ہی نہیں کی بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو ان کو فیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستہ فوج کے پہنچتے پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کفِ افسوس مل کر رہ گیا آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

بہیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا

ہمارے نزدیک تو نا جیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں ہی فسانہ طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ فرق ہے تو بس اتنا کہ نا جیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقین یہود و نصاریٰ ضالین و مضبوطین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس بات کو چھپایا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں ”انسائیکلو پیڈیا آف اسلام“ کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے، لیکن مجلس حضرت عثمان غنیؓ کے داستان گو کا سارا بیان فاضل ساز و طبع زاد ہے۔ بہر حال اب شیعیان اموی ”مجلس عثمان غنی“ کو چاہیے کہ اپنے تمام اراکین مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور ”داستان گو“ دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

داستان گو کی حساب دانی (۲) ”داستان گو“ صاحب کی حساب دانی
 کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ، ۲۸ رجب سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ جب کا چاند اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن اگرچہ اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بنا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-
 ”۲۸ رجب سنہ ہجری کو امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی“

(داستان کر ۴ ص ۲)

”منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسینؑ مکہ سے کوفہ کے

لیے روانہ ہوئے، اس وقت امیر مزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ
ہو چکے تھے۔ (داستان کربلا ص ۴)

سچ ہے دروغ گوراما فظ نہا شد

دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۳) "داستان کربلا" (مش ۸) پر جو یہ مرقوم ہے کہ

"دوسرے دن آپ کے ہمراہی کو فیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دمشق نہ ہائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا، حتیٰ کہ آپ نے یہاں تک فرمایا

"افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مالوں بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کر دیا، سچ ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے وہ بڑا احمق ہے۔"

(جلال العیون طبری)

سو محض غلط ہے "داستان گو" صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع بے موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے اس کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے

اس لیے انہوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام شراف سے چل کر (جو واقعہ سے دو میل پر ہے) ”کوفہ فی
 حسم“ کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو عمر بن یزید تمیمی ربوعی ایک ہزار سواروں کے
 ساتھ آپ کے مقابل آکر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا۔ نماز آفتاب نے تر اس کی
 فوج اور سواروں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساتی کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان
 کی سواروں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا جائے، تعمیل حکم میں دیر نہ لگی اور اڈل
 سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواروں کو بھی پلایا۔ محرم کو
 قادیسہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے بھیجا
 گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کا روانہ کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ
 میں لا کر پیش کیا جائے، عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر
 ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قصد سے
 کہ مصلحہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ
 سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادیسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قطعاً نہ سے لے کر
 خُحان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے، چنانچہ اسی ہدایت
 کے مطابق اس نے اپنے سامنے عمر کی کان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت
 حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، ظہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو آذان کے لیے فرمایا۔ حجاج
 نے آذان دی۔ اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردا
 وازار زیب تن کیے نعین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد
 فرمایا۔

ایہا الناس انہا معذوۃ الی اللہ لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے

عز وجل وایکم، انی لہم آتکم
 حتی اتنی کتبکم و قد مت
 علی رسلکم ان اقدم علینا فانه
 لیس لنا امام لعل اللہ یجمعنا ینک
 فی الہدی فان کنتہ علی ذلک
 فقد جئتکم فان تعطونی ما طئس
 الیہ من عہودکم و موثقتکم
 اقدم مصرکم وان لم تفعلوا
 و کنتہ لمقدحی عارہین انصرف
 عنکم الی المکان الذی اقبلت
 منہ الیکم۔ (تاریخ الطبری ج ۱ ص ۱۰۰)

میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس
 وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ
 تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ
 پیام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ
 ”آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے۔“
 ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ
 آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر
 دے۔“ سو تم اب بھی اگر اسی بات پر
 قائم ہو تو میں تمہارے پاس آچکا ہوں
 اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد و پیمان کرو کہ
 جی سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں
 تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے
 تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر عر اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور
 مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حڑ سے
 دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے، اس نے جواب
 دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتدار میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ
 آپ نے ظہر کی امامت فرمائی۔ عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ نے عر اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء الہی کے بعد ارشاد

فرمایا :

اما بعد، ایہا الناس، فانکم ان
تتقوا وتحرفوا الحق لا ھلک ین
ارضی للہ، ونحن اھل البیت اولی
بولاية هذا الامر علیکم من
ھؤلاء المدعین مالیس لھم
والسائرین فیکم بالجور والعدوان
وان انتم کرھتمونا وجھلتم
حقنا، وکان رأیکم غیبا اتنی
کتبکم، وقد مت بہ علی رسلکم
انصرفت عنکم (برہین چہ)

جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہوئے
جاتا ہوں۔

اب قرآن آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا۔

انا واللہ ما ندری ما ھذا الکتاب
التي تذکر۔ (صلی علیہ وسلم)

خدا کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ کن
خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ بن سمان سے فرمایا کہ خدا
وہ دونوں خراجینین تو لاؤ جن میں میرے نام ان کو فیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ
دونوں خراجینین جو خطوط سے پر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لا کر خالی کر دی گئیں
اور آپ نے انی خطوط کو پھیل کر ان کے سامنے ڈال دیا، قرآن نے اب بھی یہی جواب
دیا کہ،

فانا لسنا ھؤلاء الذین عکتبوا
ہم تو وہ نہیں ہیں جنہوں نے

اما بعد، اسے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو
اور اہل حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ
تعالیٰ کو زیادہ راضی کرے گی والی ہے
اور ہم اہل بیت ان کا حق کے مدعیوں،
اور تم پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کی
بنسبت تمہارے ولی امر ہونے کے
زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند
کرتے ہو اور ہمارے حق سے ٹکرتے
ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو
تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور
کرتے ہو اور ہمارے حق سے ٹکرتے
ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو

ایک، وقد امرنا اذا نحن لقیناک
 الا نفارقک حتی نقدمک علی
 عبید اللہ بن زیاد (ص ۴۰۲)
 جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کر دیں۔
 اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الموت ادنیٰ الیک من ذلک
 اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ
 قریب ہے

یہ فرما کر حضرت ممدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس
 چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو حرّ
 اور اس کا رسالہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرّ
 سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو حرّ نے پھر وہی جواب دیا۔

ارید واللہ ان انطلق بک الی
 عبید اللہ بن زیاد (ص ۴۰۲)
 حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
 بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ
 بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

اذن واللہ لا اتبعک
 اس پر حرّ نے کہا۔
 خدا کی قسم، ایسی صورت میں میں نہیں تیرا
 تابن نہیں ہو سکتا۔

اذن واللہ لا ادعک
 خدا کی قسم میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔
 طرفین سے گفتگو میں تلخی بڑھی تو حرّ کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں
 ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں آپ کا چھپا چھوڑوں
 اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ
 بات میرے اور آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ

چاہیں تو زید بن معاویہ کو لکھیں چاہیں عبید اللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں کوئی ایسی غایت کی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلا پیش آئے۔“

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت کو مڑ گئے، حر کا دستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام ”بیضہ“ پر پہنچے جو واقعہ اور غزیب کے بائیں پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ ”داستان گو“ نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گڑھ کر یہ اضافہ کر دیا ہے۔

”دوسرے دن آپ کے ہمراہی کو فیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ دُشَق و بائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ آپ بنے یہاں تک فرمایا الخ“
(”داستان کربلا“ ص ۸۷)

حالانکہ تاریخ طبری میں کہیں اس بات کا نام و نشان تک نہیں جو ”داستان گو“ نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے۔

ان الحسين خطب أصحابه و
أصحاب الحرّ بالبيضة فحمد
الله واثني عليه ثم قال ايها
الناس ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال من رأى سلطاناً جائراً
مستحلاً لحرم الله ناكثاً لمهد الله

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
مقام ”بیضہ“ میں پہنچ کر اپنے اصحاب
اور حر کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا،
جس میں حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد
فرمایا لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا ارشاد ہے جو کسی ظالم حکمران کو اس

مخالفاً لسنة رسول الله يعمل
 في عباد الله بالاثم والعدوان فلم
 يغير عليه بفعل ولا قول، كان حقاً
 على الله ان يدخله مدخله الا
 وان هؤلاء قد لزموا طاعة
 الشيطان وتركوا طاعة الرحمن
 واظهروا الفساد وعطوا الحدود
 فاستأثروا بالغي، واحلوا حرام الله
 وحرموا حلاله، وانا احق من
 غير قد آتني كتبكم وقد مت
 على رسلكم ببيعتكم انكم لا
 تسألموني ولا تأخذوني فان
 تمتد على بيعتكم تصيبوا رشداً
 فانا الحسين بن علي وابن
 فاطمة بنت رسول الله صلى الله
 عليه وسلم، نفسي مع انفسكم
 واهلي مع اهليكم فلكم في اسوة
 وان لم تفعلوا ونقضتم عهدكم
 وخلصتم بيعتي من اعدائكم
 فلمصرى ما هي لكم بنكر لقد
 فعلتموها بأبي وأخي وابن عسي

حال میں دیکھے کہ وہ محرمات الہی کو حلال
 کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو
 توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالیٰ
 کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا
 معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول و فعل
 سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا
 کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی
 کے ٹھکانے پر پہنچانے میں حق بجانب
 ہیں۔ خبردار! ان لوگوں (حکمرانوں) نے
 جس کی اطاعت چھوڑ کر شیطان
 کی اطاعت اختیار کر لی ہے، ملک
 میں فساد پھیلادیا۔ حدود الہی معطل کر
 دیں، مال غنیمت اپنے لیے مخصوص
 کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور
 حلال کو حرام کر دیا۔ چنانچہ اس صورت
 حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے
 زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط
 میرے پاس آچکے ہیں اور تمہارے
 قاصد تمہاری اس امر پر بیعت کی
 خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار

مسلم بن عقیل، والمغرور من
اغتربکم فحظکم اخطاتم
ونصبکم ضیعتکم، ومن نکث
فانما ینکث علی نفسه وسیقتنی
اللہ عنکم والسلام علیکم و
رحمة اللہ وبرکاتہ۔

و مددگار نہیں چھوڑ دو گے پھر اگر تم اپنی
بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو
پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر
اہل فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ میری جان
تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۲)

طبع دار المعارف قاہرہ ۱۹۶۲ء

اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ

ہیں، تمہارے لیے میں نمونہ ہوں اور اگر
تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے عہد و پیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کو اپنی گردلوں
سے اتار پھینکتے ہو تو سجان من یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ،
میرے بھائی، اور میرے برادر عزاد مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے وہ
فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھویا اور اپنی
قمت کو خراب کیا۔ جو شخص بھی عہد توڑے گا اس کا زیاں خود اسی کو اٹھانا پڑے
گا۔ اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم و
رحمة اللہ وبرکاتہ۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۶۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے
”مقتل حسین“ کے ضمن میں بیان کی ہے اس میں اول سے آخر تک کہیں ان ساتھ کوئی
حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید
ہوئے کوئی ذکر نہیں بس مقام ”بیضہ“ پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے حر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے اس تقریر میں حضرت
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حر اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں۔

اپنے اہل اصحاب سے نہیں جو مکہ معظمہ سے آپ کے ہمراہ تھے، حرّ اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازم مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حرّ اور اس کا رسالہ سبّ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر ”داستان گو“ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے مدینہ طیبہ کے یزید کی بیعت کے لیے دمشق جا رہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، مطمئن ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور ابلہ فرسی کا پردہ چاک ہو گا۔ بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جان نثار ساٹھ کو فیوں سے کریں گے جو مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کھانے میدان کر بلا میں جام شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ اور طبری میں ”داستان گو“ صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

”جلال العیون“ کے بارے میں اسی ”داستان کر بلا“ کے الفاظ ہیں

”شیعہ کتاب جلال العیون“

اس لیے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو ”داستان گو“ صاحب کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ وروغ گوئی اور بہتان طرازی ووافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو صحیح باور کرانے پر تلی ہوئی ہے، تمام اہل السنّت والجماعۃ حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں نہ رافضیوں کی خرافات پر

اعتماد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر، اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغو بات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسین اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم سے۔ ”لوا صب“ کو اگلے زمانہ میں ”شیعہ عثمان“ ”رشیعہ مروانہ“ اور ”شیعہ امویہ“ کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے ”خلافت معاویہؓ یزیدؓ“ لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ ”مجلس عثمان غنی“ بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے دھپلے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں کہ یہ کیا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعان عثمانؓ مجلس حضرت عثمان غنیؓ کے نام پر رافضیوں کے تمام سب و شتم کا بدلہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں سمجھتے ہیں۔

ما سلم الصديق من رافض
ما نجى من ناصبين على

(حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے برابر سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجات نہ ملی)

تیسرے جھوٹ کی تیغ کہ یزید (۴۴) ”داستان گو“ صاحب
کی فوج نے حضرت حسین کو قتل نہیں کیا
نے ”البدایہ والنہایہ“ کی عربی

عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صلحہ اور جلد کا سوال غلط دیا یعنی (جلد ہفتم ص ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ

”البدایہ والنہایہ“ مشہور عربی تاریخ ہے۔

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی ”البدایہ والنہایہ“ کے اسی صفحہ پر جو یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا۔

کتب یزید الی ابن زیاد انه قد بلغنی ان حسیناً قد سار الی الکوفۃ وقد ابتلی به زمانک من بین الازمان وبلدک من بین البلدان وابتلیت امت به من بین العمال وعندہا قتلوا ولعود عبد اکما ترق العبد وتبعد قتلہ ابن زیاد، وبعث برأسہ الیہ۔ (ج ۸ ص ۱۶۵ طبع بیروت ۱۳۹۲ھ)

یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں میں تیرا شہر ان کے بارے میں مبتلا ہوا ہے اور گزروں میں تو خود ان کے معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت میں یا تو تو آزاد کر دیا جائے گا یا جس طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے تجھے بھی غلام بنا دیا جائیگا چنانچہ ابن زیاد نے حضرت حسین کو قتل کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

اسی ”البدایہ والنہایہ“ میں یہ بھی ہے کہ

ولبت عبید اللہ بن زیاد عمر بن سعد کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا

(صفحہ ۸)

و ابطأ عمر عن قتالہ فارسل ابن
زیاد شمر بن ذی الجوشن و
قال لہ ان تقدم عمر فقاتل والا
فاقتله وکن مکانہ فقد ویتک
الاميرة۔ (ج ۸ ص ۱۴۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے قتال میں تاخیر سے کام لیا
تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ
کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کرے
تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جاؤ اور نہ
عمر (ابن سعد) کو قتل کر کے اس کی جگہ خود سنبھال لیجئے، میں تجھ کو امیر لشکر کرتا ہوں۔
اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی ”ابدایہ والنہایہ“ ہی میں یہ

بتائی ہے کہ

و کانوا اربعة آلاف یریدون
قال الدیلہ، فعینہما ابن زیاد
وصرفہما الی قتال الحسین۔

چار ہزار سپاہی تھے جو دہلیم سے جنگ
کرنے کے ارادہ سے چلے تھے ان کو
ابن زیاد نے قتال دہلیم سے روک کر
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
قتال کے لیے متعین کیا۔

(ج ۸ ص ۱۶۹)

عمر بن سعد کو تعمیل حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابن زیاد کا حکم اس کو پہنچا،
عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار
ہوا پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے
ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر بٹھایا
اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات سے
مقابلہ کے لیے چل پڑا، فوج نے جاتے
ہی کشت و خون شروع کر دیا، چنانچہ

فوثب الی فرسہ فرکبھا ثم
دعا بسلاحہ فلبسہ وانه لعلی
فرسہ ونهض بالناس الیہم
فقاتلوه فبحی برأس الحسین
الی ابن زیاد فوضع بین ید ید
فجمل یقول بقضیہ فی الفدو

یقول ان ابا عبد اللہ کان قد شتمط

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر
بارک کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے ڈال
دیا گیا اور ابن زیاد اپنی پھڑی آپکی ناک پر دھکتا
اور کہتا کہ ابو عبد اللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔

(ج ۸ ص ۱۷۱)

شمر اپنی نجات سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا، جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے
جام شہادت نوش کر کے راہی جنت ہو چکے تھے اور آپ یکہ ذنب میدان قتال میں
ثابت قدم تھے اور کیوں نہ ہو حضرت ممدوح نے تو اس کو دیکھتے ہی فرمایا تھا،

اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گویا میں
دیکھ رہا ہوں اس چنگبر سے کتے کو جو
میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈالے گا

صدق اللہ ورسولہ قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانی
انظر الی حلب ابقع بلع فی دماغ
اہل بیتی

(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۸)

اس روایت کے آخر میں لہوی کی یہ بھی تصریح ہے۔

وہ کان شمر قبضہ اللہ ابرص شمر اللہ اس کا بُرا کرے برص میں مبتلا تھا

(ج ۸ ص ۱۸۹)

مگر ”داستان گو“ اسی کتے کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، قاتلوں کو
محافظ بتا رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔

”عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندان علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے
لیے دوڑ کر پہنچے۔“

(ص ۱۰)

”عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی لختوں کو اکٹھا کیا ان کی نماز

جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوٹیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انھیں پال بھی کیا تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں“ (ص ۱۰)

حالانکہ ”البدایہ والنہایہ“ میں اس کے برعکس مرقوم ہے۔

وَقَلَ مِنْ أَصْحَابِ الْحُسَيْنِ أَثْنَانِ
وَسَبْعُونَ نَفْسًا فَدَفَنَهُمُ أَهْلُ
الْغَاضِرِيَّةِ مِنْ بَنِي أَسَدٍ بَعْدَ مَا
قَتَلُوا يَوْمَ وَاحِدٍ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصحاب
میں سے بہتر نفوس شہید ہوئے جن کو
غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے
لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا

(ص ۱۸۹ ج ۸-۶)

”غاضریہ“ کوفہ کے نواح میں ”کربلا“ کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہدار کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نماز جنازہ ادا کی تھی اور انھیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ ”البدایہ والنہایہ“ میں ہے

وَقَلَ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ مِنْ أَصْحَابِ
عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ ثَمَانِيَةٌ وَثَمَانِينَ
رَجُلًا سَوَى الْجَرَحِيِّ فَصَلَّى عَلَيْهِمْ
عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ وَدَفَنَهُمْ، وَ
يَقَالُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ سَعْدٍ أَمَرَ
عَشْرَةَ فَرَسَانٍ فَدَاسُوا الْحُسَيْنَ
بِحَوْافِرِ خِيُولِهِمْ حَتَّى الصَّقَوْهَ
بِالْأَرْضِ يَوْمَ الْمَعْرَكَةِ وَأَمَرَ

اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے
اٹھاسی اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں
کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد
نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے
ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ
عمر بن سعد نے معرکہ کے دن ناس سواروں
کو حکم دیا جنھوں نے اپنی گھوڑوں کے
سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

برأسه ان یحصل من یومہ الی
ابن زیاد مع خولی ابن یزید
الاصبحی۔
کے لاشہ کو پامالی کر کے پیوند زمین کو
دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق
آزور دیا کہ اسی دن اس کو اٹھا کر خولی
بن یزید اصبحی کے ساتھ ابن زیاد کو بھجوا

(ج ۸ - ص ۱۸۹) دیا جائے۔

صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہداء کربلا کے
سر کاٹ کر جن میں یہ ساٹھ حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس
روانہ کر دیے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب
عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا
اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی
فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت ممدوح پر طعن و طنز بھی تھا جس
پر عبداللہ بن عقیف ازدی نے برا فروختہ ہو کر ابن زیاد کو ان الفاظ میں لوکا۔

ویحک یا ابن زیاد! تقتلون اولاد
النبيين وتعلمون بسلام
الصلیقین
ابن زیاد تجھ پر افسوس! تم لوگ انبیاء
کی اولاد کو قتل کر کے صدیقیوں کی سی باتیں
کرتے ہو۔

اس کلمہ حق کو سننے کی بھلا ابن زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس
گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے زان بعد
”سر حسین“ کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا پھر زحر بن قیس کی ہجیت
میں تمام شہداء کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر
دیا، دربار یزید میں پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں
پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

ابشر يا امير المؤمنين بفتح الله عليه
 ونصره، ورد علينا الحسين بن علي
 بن ابي طالب وثمانية عشر من
 اهل بيته وستون رجلاً من شيعة
 فسرنا اليهم فسالناهم ان يستسلوا
 وينزلوا على حكم الامير عبيد الله
 بن زياد والقتال، فاختاروا القتال
 فعدونا اليهم مع شروق الشمس
 فاحطنا بهم من كل ناحية حتى
 اخذ السيوف فاخذها من هاهنا
 القوم، فجعلوا يهرلون الى غير
 صهرب ولا وذر، ويلوذون منا
 بالاحكام والحفر لوذا كما لا ذ
 الحمام من صقر، فوالله ما تحافوا
 الا جزر جزورا ونومة قائل حتى
 اتينا على آخرهم فهايتك
 اجسادهم مجردة و
 ثيابهم مزملة وخدودهم
 صفرة، تمهرهم الشمس
 وتسفي عليهم الريح و
 ازدهم العقبان والرخس

امير المؤمنين آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف فتح و نصرت
 کی بشارت ہو، حسین بن علی بن ابی طالب اور ان
 کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعیان
 میں "ساتھ اٹھائیس" ہمارے یہاں وارد ہوئے
 تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے
 یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے
 تسلیم خم کر دیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو
 ہمارے حوالہ کر دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو
 جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم
 نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں
 کو جالیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب
 تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت
 شروع کی، تو یہ ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے
 کی ان کے لیے نہ کوئی جگہ تھی نہ جائے پناہ اور
 جطر حشر سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے
 یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں پناہ ڈھونڈھنے
 لگے، سو خدا کی قسم بس جتنی دیر میں دنٹ کاٹ
 کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی
 غنہ پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان
 کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا سوا ب
 ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے

کپڑے پیٹے جا چکے ہیں ان کے رخسار خاک
میں لتھڑے ہوئے ہیں دھوپ ان کو جلاد ہی
ہے اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے عقاب
اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۱)

زحر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے
ان حضرات کی ہجو میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم ”مجلس حضرت عثمان غنی“
کے داستان گو کے علی الرحمہ اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوئی حضرات
جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میعت میں تھے، انہوں نے حضرت ممدوح
کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کا
اس بارے میں اعتراف موجود ہے یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب
حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا
ارادہ کیا، تو اس ہم کی سرکردگی کے لیے بھی اس کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابن
زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لیے یزید نے اس کو
لکھ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ

واللہ لا اجمعہما للفاسق ابدا خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں
اقتل ابن ہبیت رسول اللہ صلی اللہ گناہ اپنے نامہ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا رسول
علیہ وسلم والحزو البيت الحرام اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل
(البدایہ والنہایہ ص ۲۱۹) کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کر دی

یاد رکھیے ”داستان گو“ صاحب نے جن شہدار کرام کے بارے میں یہ ہرزہ سرائی
کی ہے، یہ وہی شہدار کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ ”وہ جنت میں بے
حساب داخل ہوں گے“ چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

وقد روى محمد بن سعد وغيره من غير وجه عن علي بن ابي طالب رضى الله تعالى عنه انه قارب كربلاء عند اشجار الحنظل وهو ذاهب الى صفين، فسأل عن اسمها فقيل كربلاء فقال عروب وبلاء فنزل وصلى عند شجرة هناك ثم قال يقتل ههنا شهيداء هم خير الشهداء غير الصحابة يدخلون الجنة بغير حساب. وأشار الى مكان هناك فعلموه بشئ فقتل فيه الحسين.

(ج ۸ - ص ۱۹۹، ۲۰۰)

ظلم کا انجام

یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا

تھا، مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج حینی سادات اقاہم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پردہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یزید بن معاویہ کی بیس صلی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں

حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ "صفین" کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتلایا گیا کہ "کربلا" ہے فرمایا کرب و بلا ہے، پھر سواری سے اتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ "یہاں وہ شہدار قتل کیے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہدار ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ (فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے۔

پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔
 وقد انقضوا كافة فلم يبق ليزيد سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے
 عقب (ج ۸ ص ۲۳۷) کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابن کثیر ہی کے الفاظ ہیں۔

فانه لم يمهل بعد وقعة سوبلاشبہ واقعہ حرہ اور قتل حسین کے بعد یزید
 الحرة وقتل الحسين الا کو ڈھیل نہ دی گئی مگر ذرا سی تا آنکہ حق تعالیٰ
 يسيراً حتى قصمه الله الذي نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور
 قصم الجبابرة قبله و اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے
 بعده، انه كان عليهما بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت
 قديراً۔ والا ہے۔

اور ۶۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں
 کہتے ہیں۔

ثم مات قبضه الله ثم پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا ہرا کر سے
 اتبعه الله بيزيد بن مرگیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے
 معاوية فمات بعده اس کے پیچھے چلا گیا اور وہ بھی اس کے بعد
 في ربيع الاول لاربعة عشرة ۱۴ ربيع الاول کو مرگیا اور ان دونوں کو جو
 ليلة خلت منه فما امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے
 متعهما الله بشئ مما ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی بلکہ اس ذات
 رجوه واملوه بل قهرهم قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب
 القاهر فوق عباده و ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور انکی بادشاہی
 سلبهم الملوك ونزعه سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے

منہم من ینزع الملك چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اسکی سلطنت
ممن یشاء۔ چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے
ہیں۔

وقد اخطأ یزید خطأ فاحشا
فی قوله لمسلم بن عقبة
ان یمیر المدینة ثلاثة ايام،
وهذا خطأ کبیر فاحش، مع
ما انضم الی ذلك من قتل
خلق من الصحابة وابناءهم
وقد تقدم انه قتل الحسين
واصحابه علی یدی عبید اللہ
ابن زیاد۔ وقد وقع
فی هذه الثلاثة ايام
من المفسد العظيمة
فی المدینة النبویة مالا
یحسد ولا یوصف، مما
لا یعلمه الا الله عزوجل
وقد اراد بارسال مسلم
ابن عقبة توطید سلطانہ
وملکہ، ودوام ايامہ

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر
کہ "تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و راج
کیجو،" فحش غلطی کی۔ یہ نہایت بڑی اور فاحش
خطا ہے اور اس خطا کے ساتھ صحابہ کرام
اور اولاد صحابہ کی ایک خلقت کا قتل و
شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبید اللہ
بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ
عنه اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا
اور ان تین دنوں میں مدینہ نبویہ میں وہ عظیم
مفسد برپا ہوئے کہ جو عدو شمار سے باہر
ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس
اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی
کو نہیں۔

یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہی
اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس
کا خیال تھا کہ اب بلا نزاع کے اس کے ایام
سلطنت کو دوام نصیب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ

من غیر منازع ، فعاقبہ
 اللہ بمقیض قصدم
 و حال بینہ و بین
 ما یشہدہ فقصمہ اللہ
 قاصم الجبابرة و اخذہ اخذ
 عزیز مقتدر و عذ لك اخذ
 رَبِّكَ اِذَا اخَذَ الْقُرَىٰ
 وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اخَذَهُ
 اِلَيْهِ شَدِيدٌ ۔

(الہدایہ والہمایہ ج - ۸ ص ۲۲۲)

دیدہ کہ خون ناحق پروانہ شمع را

چنداں امان نداد کہ شب را سحر کند

امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

خلیفہ عبد الملک اموی نے یزید
 کے زوال اقتدار سے عبرت پکڑ

کہ ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ

جنینی دماء آل بنی ابی طالب فانی
 رایت آل حرب لعائنہموا
 بہا لم یصروا ۔

مجھے آل بنی ابی طالب کی خونریزی سے بچاتے
 رہنا کیونکہ میں آل حرب کے اسخام دیکھ چکا
 ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر پل پڑے تو
 بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے ۔

(تاریخ یعقوبی ص ۳۰۳ طبع بیروت ۱۳۶۹ھ)

۱۔ قرآن پاک کی آیت ہے ۔

۲۔ ”حرب“ یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں ”آل حرب“ سے خود یزید مراد ہے ۔

۳۔ یعقوبی اگرچہ شیعی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بنو مروان

بقیہ ص ۵۵ پر

افسوس یہ نابھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں
حافظ ابن کثیر نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ

اناس انما میلہم الی الحسین سب لوگوں کا میلان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
لأنه السيد الکبر و ابن بنت عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس وقت
فليس على وجد الارض يومئذ احدٌ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو (فضل
یسامیہ ولا یساویہ ولكن الدولة و کمالات میں) آپ کا مقابلہ یا برابری کر سکے
الیزیدیۃ كانت کلها تناویہ۔ لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ
(البدایہ والنہایہ ج - ۸ ص ۱۵۱) کی دشمنی پر اتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورت واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیر کی مشہور عربی تاریخ
”البدایہ والنہایہ“ سے اپنی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن ”داستان گو“
صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان
کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے
کے لیے نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

داستان گو کا حضرت ابن زبیر پر افترا (۵) ”داستان گو“ صاحب آگے

(ابقہ صفحہ گذشتہ) بنو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی ”مہاج النہ“
میں بھی متعدد جگہ آیا ہے اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مڑان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری
رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندان یزید اور خاندان حسین
میں واقعہ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے
خلافت معاویہ و یزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

چل کر اصل حقیقت کے زیر عنوان پھر اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر ابلہ فری کی اس طرح کوشش کرتے ہیں۔

”حضرت حسینؑ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آتے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم باب ۱۱) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتل حسین کے سانحہ کی اطلاع پا کر اہل مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔

”اہل عراق میں اکثر بدکردار اور غدار ہیں ان میں اہل کوفہ بدترین ہیں، حسین کمانہوں نے اس لیے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو ان سے وطن بھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھے کہ اس انبوہ کثیر میں ان کے غمض ساتھی بہت تھوڑے ہیں۔“

”ان کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بتایا اور اس وقت کی پوری پہلائی دینے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی؟“

(داستانِ کربلا“ ص ۲۴۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو تقریر ”داستانِ گو“ صاحب نے نقل کی ہے غور فرمائیے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ ”آپ کو اپنی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ مظہ سے گئے تھے“ کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بٹاتا تھا؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل

تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابھی زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے آیا تھا کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوئی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا عبید اللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوئی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب و تحریص پر عمر بن سعد کے

زیرِ مکان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آئے

یہی ان پہتر نفوس کے قاتل ہیں جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے

اہل بیت اور وہ ساٹھ کوئی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ کربلا میں

شہید ہوئے۔ "داستان گو" صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ

کے اہل بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے باعمالِ محال اور یزیدی دستہ

فوج کی بجائے جو تمام ترکو فیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زبر سے رام

کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان کوئی

شہیدانِ کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنہوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضاد و رغبت

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جھوٹ

بولنے سے ڈرانہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت جوڑنے

میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متہم کرے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی شہادت کو مجھی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور

افرادِ بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بلوائیوں کو کہانے

اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد کرے

اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ
 حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزادگان حضرات حسین،
 حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ وار ٹھہرائے اس
 سے اس کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ خود "شہدارِ کربلا" کو حضرت حسین
 اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتلائے ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ
 بولے کم ہے! انسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی
 صدارت کرتے ہیں، اس کے کناپچوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کر کے
 اس کے ان کناپچوں کو جو جھوٹ کی پوٹ میں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے
 اور تقیم کرتے ہیں۔

فان كنت لا تدري فمات مصيبة وان كنت تدري فالمصيبة اعظم
 (اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہوئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت
 ہی بڑی مصیبت ہے۔)

"داستان گو" صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں پہلے یہ لکھ آیا ہوں کہ
 "بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندانِ علی کی نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی
 نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔۔۔۔۔
 خاندانِ علی کے بچے کچے افراد و خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی
 ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعیان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات
 کی اپنی ہمدردیاں جتائیں، انھیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا

لے "داستان گو" کی اس افتراء پر دوازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ اکابرِ صحابہ پر پتہ تان
 ملاحظہ فرمائیں۔

کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے
جنہیں زخمی کر کے کوئی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ
گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور ثمر ذی الجوشن کی سر
پرستی و دیکھ بھال میں علاج کر رہے تھے۔ فرمایا

”میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے
ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا
اور ان سے جنگ کر کے انہیں مار دیا، اے خدا رو! اے
مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے
قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے
اہل خانہ ابھی کل تمہارے مکر سے قتل ہوئے ہیں میں سے نہیں
بھول سکتا ہوں۔“ (شیعہ کتاب، جلاء الیون باب ۵ فصل ۱۵)
یہی جواب سیدہ زینب نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا
کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے
یہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ مار کا دھبہ اب رونے سے
زائل نہیں ہو سکتا۔ (شیعہ کتاب، جلاء الیون باب ۵ فصل ۱۵)

”فاطمہ بنت حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی“ (داستان کر بلا ص ۱۲، ۱۱، ۱۰)
”داستان گو“ صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کر کے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت
زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں
جو بعض شیعیان علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جمائیں اور
انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ چلے جائیں، اور جن کے غلط مشورے
اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو داستان گو

صاحب نے "جلار الیعون" کے حوالہ سے نقل کی ہے، کیا یہ وہی مرد ہے جسے جو دوبارہ زندہ ہو کر ان حضرات کے پاس آ گئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھر گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کر ڈالا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی وشوں کو پامال بھی کیا تھا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، یعنی وہی ساٹھ کوئی "شہدار کربلا" (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ جن کو قاتل گو صاحب حضرت حسین اور ان کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عبید اللہ بن زیاد کے دباؤ میں آ کر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ہاتھاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی حضرات "شہدار کربلا" کے اصل قاتل تھے اور اس لیے بجا طور پر زجر و توہین کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لیے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبید اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجئے جس کو احمد حسین کمال نے مؤرخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجئے کہ یہ صاحب زیب داستان کے لیے صورت واقعہ کو مسخ کرنے میں کیا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت درج ذیل ہے

لما قتل الحسين عليه السلام جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے
 قاهر ابن الزبير في اهل مكة تو حضرت ابی زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہل
 وعظم مقتله و عاب اهل مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے
 انكوفة خاصة و لام اهل العراق قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہل کوفہ کا خصوصیت
 عامة، فقال بعد ان حمد الله و کے ساتھ عجب بتایا اور عمومی طور پر اہل عراق
 اثنى عليه و صلى على محمد صلى کو عمت کی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد
 الله عليه وسلم ان اهل العراق و ثنا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

خُذْ فُجْرًا قَلِيلًا وَانْ أَهْلَ
 الْكَوْفَةِ شَرَارَ أَهْلِ الْمَرَقِ وَانْهُمْ
 دَعُوا حُسَيْنًا لِيَنْصُرُوهُ وَ يُولُوهُ
 عَلَيْهِمْ ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ ثَارُوا
 إِلَيْهِ ، فَقَالُوا لَهُ أَمَا أَنْ تَضْمَ يَدَكَ
 فِي أَيْدِينَا فَنُبْعَثَ بِكَ إِلَى ابْنِ زِيَادِ
 بْنِ سَمِيَّةٍ سَلَامًا قِيمَضِي فَيْلَتِ
 حَكَمُهُ وَأَمَا أَنْ تَحَارِبَ ، فَرَأَى
 وَاللَّهِ أَنَّهُ هُوَ وَاصْصَابَهُ قَلِيلٌ
 فِي كَثِيرٍ ، وَانْ عَانَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ
 لَمْ يَطْلِعْ عَلَى الْغَيْبِ أَحَدًا أَنَّهُ
 مَقْتُولٌ ، وَلَكِنَّهُ اخْتَارَ الْمَيْتَةَ
 الْكَرِيمَةَ عَلَى الْحَيَاةِ الذَّمِيمَةَ
 فَرَحِمَ اللَّهُ حُسَيْنًا وَانْخَزَى ،
 قَاتِلَ الْحُسَيْنِ ، لَعَنَ صَرِي لَقَدْ كَانَ
 مِنْ خِلَافِهِمْ إِيَّاهُ وَ
 غَضِبَانَهُمْ مَا عَانَ فِي
 مَثَلِهِ وَاعْظُ وَنَاهُ عَنْهُمْ
 وَ لَعَنَهُ مَا جَعَلَ نَازِلٌ
 وَإِذَا أَمَرَ اللَّهُ أَمْرًا لَنْ
 يَدْفَعُ أَفْئِدَةَ الْحُسَيْنِ

بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہل عراق میں قلیل تعداد کو
 مستثنیٰ کر کے اکثر خدرا اور بدکار ہیں اور کوفہ والے
 تو اہل عراق کے بدترین لوگ ہیں ، انھوں نے
 حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے بلایا
 تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں
 گے ، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان
 کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مقابلہ
 کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں
 پکڑادیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بخیریت ابن
 زیاد بن سمیہ کے پاس پہنچادیں اور وہ اپنا حکم
 آپ پر چلائے ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار
 رہیں ، سو بخدا حسین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان
 کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں آپ کی اور آپ کے
 اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گو اللہ عزوجل
 نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر
 رہے گا ، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت
 کی زندگی پر ترجیح دی ، اللہ تعالیٰ حسین پر رحمت
 نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے
 بجائی میں ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ
 عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور
 نافرمانی کی وہ ان کے طرز عمل سے نصیحت پکڑنے

نظمین الی هؤلاء القوم و
نصدق قولهم و نقبل
لهم عهداً لا ولا
نراهم لذالحم اهلا
اما والله لقد قتلوه،
طويلاً بالليل قيامه
كثيراً في النهار صيامه
احق بما هم فيه منهم
و اولی به في الدين و
الفضل، اما والله ما
كان يبدل بالقرآن
القناء ولا بالبكار من تحشية الله الهداء،
ولا بالصيام شرب الحرام، و لا
بالمجالس في حلق الذكر
الركض في تطلاب الصيد
يمرض بيزيد فسوف
يلقون غيًّا.

(تاریخ الطبری ج -

ص ۴۴۵، ۴۴۶)

اور ان سے روکنے کے لیے کافی تھا لیکن جو تقدیر
میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ
تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو
ہرگز ٹالا نہیں جاسکتا، سو کیا اب حسین کے بعد
بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں ان کے قول
کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں نہیں
نہیں ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم
انہوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر
تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت
سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا
ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دینی
اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، بخدا
وہ تلاوت قرآن کی بجائے گائے بجانے اور
خوف الہی سے رونے کی بجائے نغمہ اور سرود
کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے
شراب خواری میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر
الہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے
کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر ظن
تھیں، سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خرابی
دیکھیں گے۔“

اس تقریر کو پھر پڑھیے، یہ یزید اور اس کی کوئی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی ”شہداء کربلا“ کا، یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی مصروفیت، یہ نغمہ و سرود کے مشغلے کس کے کردار پر طنز نہیں، کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و تمہیب سے حضرت مہدوح سے فدا داری پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالار لشکر بنا کر آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے وعدہ و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو تو شہید کر دیا اور یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتل حسین کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر ”داستان گو“ صاحب داستان سمرائی میں مصروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

یزید کی برائت کے سلسلہ میں داستان سمرائی (۴) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر ”داستان گو“ صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے ہی تھریر فرماتے ہیں

”اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی“ (داستان کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ ”حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟“

میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ

”حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت سجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشانہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور امدونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبید اللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑا تھا، جس کے مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی، جیسا کہ واقعہ قتل حسین کے بعد ہو گئی“ (ص ۳۰)

تعب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ
”واقعہ قتل حسین کے بعد امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو گئی“

داستان کربلا کہنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل اسحاق بن گئے سچ ہے
دروغ گور عافظ نباشد

اب ذرا کمال صاحب اپنے حافظ پر زور ڈال کر سوچیں کہ امت یزید اور اس کے بد اعمال عمال حکومت کے خلاف ہو گئی ہے یا ان ساٹھ کو فی ”شہداء کربلا“ کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت میں درجہ شہادت پر فائز ہو کر داخل جنت ہوئے۔
خاندان حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ (۷) اور ”داستان گو“ صاحب نے جو یہ بات

بڑے مزے لے کر بیان کی ہے کہ

”خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقہ کے مطابق حضرت حمزہؓ کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد

خاندان کے پیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔
(”داستان کرہ“ ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ”داستان گو“ صاحب ذرا بتائیں کہ یہ پیش بہا وظیفے یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کیے تھے یا حکومت کے بیت المال سے، اگر بیت المال سے مقرر کیے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان ان پیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں، اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کیے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے پیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

یزید کی جانشینی کی زالی تو حبیہ (۸) ”داستان گو“ صاحب نے حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان

گھر چنے کے بعد اس کے پس منظر میں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ”حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ واستصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔

چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو یزید بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے

نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا، اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیالی فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کے امیرزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؑ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آکر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورت حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ

”میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے

درپے ہوں“ (اجبار الطوال)

سنہ ۴۰ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیرزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسین کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ

”مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کروں گا“

(طبری۔ اجبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمیشہ گمان ام کلثوم، زینب، آپ کے برادران ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزندان حضرت حسن بھی تھے، البتہ آپ کے

ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہل خاندان ساتھ نہیں گئے، مدینہ کے کوفہ اور حکام نے کوئی قرض نہیں کیا اور حضرت حسین کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا، راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ جواب دیا مکہ جا رہے ہوں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کریں کوفہ کے شیعان علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اُسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا۔ (اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سلیم ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو بھیجا کہ

”آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے“

حضرت حسین کے پاس صبح یہ دونوں قاصد پہنچے اور شام کو مزید دو قاصد پہنچے۔ پچاس پچاس خطوط جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے لے کر پہنچ گئے مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لائیے اور بیعت لیجئے، غرض کہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانا بندا گیا، حضرت حسین نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہل کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہو جائے۔ (اخبار الطوال)

بعد کے واقعات اور انجام آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں (دستِ ان کر بلافتہ ۲۴)

”داستان گو“ صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ

”بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنایا تھا (ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ

”اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے حوام سے استصواب کر کے امیر زبید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی“ (ص ۲۱)

نیز کہ ”حضرت معاویہ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر ملاؤں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے زبید کی جانشینی کی بیعت عام لے لی“ (ص ۲۱ و ۲۰)

ناظرین! جائے غور ہے جب بقول ان کے ”نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے“ تو یہ ”ان ہونی“ کیسے ہوئی اور زبید کے بارے میں استصواب عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسول و ازواج رسول (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے حوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصواب عام ممکن تھا جیسا کہ بقول ”داستان گو“ کے زبید کی بیعتی کے سلسلہ میں ہوا بھی بلکہ زبید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصواب ہی پر رکھا، چنانچہ خود ”داستان گو“ کا بیان ہے کہ

تعجب ہے کہ آپ کے مدد و ح یزید کی دلی عہدی کے بارے میں تو اہل عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر ”مجلس حضرت عثمان غنی“ ان ہی ”اہل عجم“ کے اتنے خلاف ہو کہ ان کے کفر و زندقہ و لفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کا قیام عمل میں آئے چنانچہ ”داستان کربلا“ کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ

”چونکہ اولین اہل قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت اور چودھراہٹ مخالفت اسلام کے سبب الی ہی مقدس صحابہ کرام کے ایمان عزم و ہمت اور فطاری ہاتھوں پویند خاک ہوئیں بنا بریں انھوں نے اپنے کفر و زندقہ اور جذہ انتقام کو لفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور مہنین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدو خال پر مغتریات و کمذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل زندگی منظور نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیے۔“ (خ، ص ۲۰، ۲۱)

اب خود ہی سوچ لیجئے کہ کیا اپنی اولین اہل عجم کی خوشنودی کے لیے ”یزید“ کی دلی جھڑی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا الی ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم و رواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی دلی عہدی کی تحقیق کا حق ادا کیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

(۱۰) یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ پہلے ”داستان گو“ صاحب اس بات پر طنز کر چکے ہیں کہ

”حضرت علی کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسن کے پاس مسجد میں

جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی“ (داستان کربلا ص ۱۷)

جنا پھر ان کے الفاظ ہیں کہ

”حضرت علیؑ کے بعد ان شیعیان نے حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے

حضرت حسن کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی

کی رسم قائم کی“ (دستاوی کربلا ص ۱۵)

خور فرمایا یہ! یزید کی ولی عہدی کے لئے تو توجہیں گڑھی جاتی ہیں اور حضرت حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

اگر حضرات صحابہ و تابعین برضا و رغبت بیعت کر لیں اور تمام اہل سنت والجماعہ بجا اختلاف

ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابلِ نکیر ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم

قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولی عہد بنا دیا جائے تو لائقِ تحسین

ہے، قرینِ مصلحت ہے، کیونکہ ”مجلس عثمان غنی“ کے شیعیان اسوی کی نظر میں ایسی صورت

میں باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم ”یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی

یا پھر عین صواب ہے پھر یہ کہنا بھی غلط کہ ”ولی عہدی کی رسم قائم کی“

ولی عہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے ”دستاوی گو“ صاحب کو علم

نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو کسی کا ”ولی عہد“ نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت مہدوح سے عارضی نے بیعت

خلافت کی تھی اور با اتفاق اہل سنت و جماعت جب تک کہ آپ نے عہدہ حکومت

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے

آپ کا زمانہ ولی عہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمام حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے ولی عہد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولی عہد

کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے

ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور زید کی ولیعهدی کی بیعت کے دوران
 جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جہد حکومت میں آخر کار مجسم
 وہ کوئی فتوحات ہوئیں جن کی بنا پر مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ جگہ غالب اکثریت
 والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل ہو گیا۔ جو اس سے پہلے نہ تھا۔ نیز اگر یہ بات صحیح ہے
 کہ ”اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو، اس کا بیٹا ہو
 یا اس کے خاندان کا فرد ہو“ تو اس میں زید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء
 راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد امجاد حکمرانوں کی
 اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ ”داستان گو“ صاحب تو زید کے بعد مرثان ہی کو خلیفہ
 مانتے ہیں کیا مردان کے والد بزرگوار و حکم بھی کسی کسی زمانہ میں عالم اسلام کے حکمران ہے
 تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ!

بنی ہاشم پر افتراء (۱۱) اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی
 طرف جو خلافت کے استحقاق کے ادعا کا دعویٰ منسوب

کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے
 پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علی دوسرے ان کے صاحبزادے
 حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب
 حل و عقد نے کیا تھا، ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ نہیں کیا
 اور دونوں اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ زید کی ولیعهدی
 کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس
 کا نام تو بتائیے! خلفاء راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ اینز باقرض
 یہ مان بھی لیا جائے کہ ”بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق

کا دعویٰ کیا گیا،، تو اس سے کوئی قیامت ٹوٹ پڑی، خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے کیا بنی ہاشم جو خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں۔ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی جہدی ضروری پھری؟ ویسے بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابلِ داد ہیں کہ آپ نے حضرت عبید اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ”شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے“ میں جو جوابی بنی ہاشم میں شمار کیا ہے (ص ۳۲) حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نو اصحاب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن حزم نے ”الفصل“ میں لکھا ہے، کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے روا نہیں اس موضوع پر ایک مستقل مایع بھی مدون کی ہے۔ (ج ۴ ص ۹۰)

حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲) اور داستان گو“ نے جو یہ لکھا ہے کہ

”اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے پلے ہوں“

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشا ہی چاہیے کہ قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے برادر بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ :-

”حضرت حسن فوت ہو چکے تھے“ اور ان کی وفات ۳۹ھ یا ۳۸ھ میں ہوئی ہے اور اسی ”داستان کربلا میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ :-

”امر خلافت جو حضرت عثمان کی شہادت کے

بعد ۳۵ھ کے آخر سے معطل ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ

گئے تھے، حضرت حسن کے اس اقدام سے کہ انھوں نے حضرت معاویہ

کے ہاتھ پر بیعت کر لی (۳۵ھ کے شروع میں ۵ سال بعد پھر بحال

ہو گیا اور امت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

سربراہی میں متحد ہو گئی“ (ص ۱۹)

غرض ۳۵ھ سے لے کر ۳۹ھ یا ۳۸ھ تک پورے نو، دس برس حضرت

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام قلمرو اسلامی کے بلا شرکت غیر سے مطلق فرمانروا تھے

اور اس لیے ”داستان گو“ ہی کے قول کے مطابق اس وقت

نہ کیونکہ شیعان مردان ”مجلس عثمان غنی“ نہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ

تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امر خلافت معطل رہا۔

”حضرت معاویہ قاتلین عثمان..... اور قتلہ بازوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفر کردار تک پہنچانے لگے۔“
(ص ۲۰)

پھر ”قاتلین عثمان“ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے شاید وہ یہ جواب دیں کہ

”حضرت معاویہ کے در سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہو گئے۔“
(”داستان کربلا“ ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق ”کوفہ میں رہنے والے“ قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتحال پر متنبہ کیا۔

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان ”قاتلین عثمان“ کو کیوں کیفر کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بالنس نہ بنجے بنسری۔ ”داستان گو“ صاحب جھوٹ سے بات کہیں بنا کرتی ہے! معاملہ اور الجھ جاتا ہے!

غلط حوالہ دینے کی تو ”داستان گو“ صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی بنے بھری کے حوالوں کی شقیعہ ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہے کہ ”داستان گو“ صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورت کو اتھ کو مسخ کیا ہے، یہاں بھی وہی کارروائی فرمائی اور ان اشراف کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہور حلیل القدر صحابی حضرت جبر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو جبر بن الادبر، جبر الخیر کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کیے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، ”قاتلان عثمان“ کی تہمت لگادی ہے، حضرت جبر بن عدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشرف کو فدہ کا قتل عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب ”داستان گو“ صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہل علم ”الاجار الطوال“ سے جس کا ”داستان گو“ صاحب نے حوالہ دیا ہے مراجعت کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسین کو مطعون کرنا (۱۳) اور بیعت یزید کے سلسلہ میں جو ”داستان گو“

صاحب کا یہ بیان ہے کہ

”شہد میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیر بنید جانشین ہوئے

اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت

حسینؑ کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ ”مجمع عام میں بیعت لی جائے

میں بھی وہیں بیعت کر لوں گا“ (طبری - اخبار الطوال)

”لیکن دوسرے دن آپ کہہ کے لیے روانہ ہو گئے“ (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وعدہ خلافی سے متهم کرنا

ہے ”تاریخ طبری“ اور ”الاجار الطوال“ میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ ”میں بیعت کر لوں گا“ یہ بات ”داستان گو“ صاحب نے

اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تو اس کو

سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ اسی لوگوں سے کس طرح بٹا جائے، جنہوں نے

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولیحدی کو قبول کرنے سے انکار کر

دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا ایک

چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مؤرخ طبری ”چو ہم کے کان“ کے برابر تھا (کانہما اذن فادۃ)

یہ فرمان لکھ کر بھیجا

اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ

اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ

بن عمرو عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة

بن عمرو عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة

اخذاً شدیداً لیت فیہ خمسة

اخذاً شدیداً لیت فیہ خمسة

ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کریں

حتی یایعوا والسلام - انہیں رخصت نہ ملنے پائے

والسلام۔

(تاریخ الطبری ص ۲۳۸ ج ۵)

ولید کو یزید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرا یا، مروان اور ولید میں ان بنی تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لیے طلب کیا اس شقی نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

علیک بالحسین بن علی وعبد اللہ بن الزبیر، فالبعث الیہما الساعۃ فان یایعوا والا فاضرب اعناقہما قبل ان یعلن الخبر

تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو بلوا لو اگر وہ دونوں بیت کر لیں تو خیر ورنہ دونوں کی گردنیں مار دو، یہ کام معاویہ کی خبر مرگ کے

اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔

(الاجار الطوال ص ۲۲۷)

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبد اللہ بن عمر بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لیے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبد اللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ”اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

لے ابو صفیہ دینوری کے الفاظ میں ظہور ذلک علی الولید ففزع بہ وخاف الفتنۃ

(الاجار الطوال ص ۲۲۷) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا

اندیشہ ہوا۔

اسے یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل میں مروان کی جانب سختی کی تھی۔ اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

”میرا گمان ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اس لیے بیعت کے لیے ہمیں بلا بھیجا ہے“ ابھی زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا ”میں بھی یہی سمجھتا ہوں“ اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالیٰ کو جمع کر کے ”دارالامارۃ“ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سلو تو ”دارالامارۃ“ میں گھس جانا یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لائے، ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھایا اور اس کی بیعت کے لیے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ

أما سألتني من البيعة فان	بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا
مثلي لا يعطى بيعته سراً	ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا
ولا اراک تجزئ بها مني	اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کو
سراً دون ان تظهرها على	کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم برملا لوگوں
رؤس الناس علانية	کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔

ولید نے کہا اجل (ہاں ہاں)۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا۔

فأخرجت الى الناس ودعوتهم الى البيعة دعوتنا مع الناس فكان امراً واحداً (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲۲۹، ۲۳۰) ساتھ ہی بلا لینا، تاکہ معاملہ یکساں رہے۔ اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس کا ترجمہ یہ ہو کہ ”میں بیعت کر لوں گا“ بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پر ٹالنا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں ہوا۔ جیسا کہ ”داستان گو“ صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ طور پر بیعت لینے کے لیے زور ڈالا جا رہا تھا، جس سے آپ نے حکمت عملی کے ساتھ

پہلو تہی فرمائی، پھر مال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو ”دار الامارۃ“ سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا

واللہ ان فارقک الساعة
ولہ یبایع لا قدرت منہ
علی مثلہا ابدا حتی تکثر
القتل بینکم و بینہ اجس
الرجل، ولا ینخرج من
عندک حتی یبایع او تضرب
عنقہ۔
خدا کی قسم اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کیے
تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان
سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو
سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین
کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں اس شخص کو
کو قید کر اور جب تک کہ یہ بیعت نہ کر لے یا
اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس
سے نکلنے نہ پائے۔ (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲۳۰)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا کہ وہ اس
اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ
یا ابن الزرقاد انت اوزرقاد (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو
تقلنی ام ہو؟ کذبت مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم تو جھوٹ بکتا
واللہ واثمت۔ ہے اور گناہ اپنے سر لیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر
مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا،

عصیتفی، لا واللہ لا تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم اب وہ
یمکنک من مثلہا کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو
من نفسہ ابدا۔ نہیں دے گا۔

ولید نے مروان سے کہا ”مروان یہ زہر تو بیخ کسی اور کو کر تو میرے لیے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دیہی کی سر اسر بربادی ہے

واللہ ما احب ان لی ما طلعت
علیہ الشمس و غربت عنہ من
مال الدنیا و ملکھا، وانی قلت
حسیناً، سبحان اللہ! اقل حسیناً
ان قال لا ابا یعر! واللہ انی لا خلن
امراً یحاسب بدم الحسین لخصیف
المیزان عند اللہ یوہ القیامۃ
(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۲۲۰)

خدا کی قسم حسینؑ کے قتل کے عوض اگر مجھ کو مشرق
و مغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت
بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں
حسین کو صرف اس لیے قتل کر ڈالوں کہ وہ
کہتے ہیں ”میں بیعت نہیں کرتا“ بخدا مجھے
یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن
اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسین کے خون کا حساب
لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہو گا۔

اس پر مروان جھلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔ یہ
ہے اس واقعہ کی تفصیل جو تاریخ طبری سے نقل کی گئی۔ ”الابحار المظاہر“ اور ”تاریخ طبری“
دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مورخ دینوری نے
بیان واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مؤرخ طبری نے تفصیل سے، مگر ”داستان گو“
صاحب کو پوری داستان میں پس آنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیب
داستان کے لیے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ المناقبہ کھینچا ہے جس
سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ کا پہلو عیاں ہو کیونکہ انہیں یزید و مروان سے
عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو ”بیعت ضلالت“ کہتے تھے
اس لیے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے؟ چاہے امام ابن حزم ظاہری، ”الفصل فی الملل والاعہوار
والنحل“ میں فرماتے ہیں

رأى انها بيعة ضلالة حضرت حسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں
(ج ۲۰ ص ۱۰۵ طبع ۱۳۲۱ھ) یزید کی بیعت ”بیعت ضلالت“ تھی۔

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

انما انکر من انکر من الصحابة رضی صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے
اللہ عنہم ومن التابعین بیعة یزید بن جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید
معاویہ والولید وسلیمان لانہم عافوا سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس
غیر میں حسین (ج ۲۰ ص ۱۶۹) لیے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔

”داستان گو“ صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس
کی تنقید کے سلسلہ میں یزید کے برے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر
ڈال لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے،

حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب ”جمہرة الثاب العرب“ میں یزید کے
کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج ذیل
ہے فرماتے ہیں۔

ویزید امیر المؤمنین وہاں قبیح اور یرمیا میر المؤمنین جس کے اسلام میں برے

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یزید کو داعیان ضلال ہی میں شمار کیا ہے
چنانچہ ان کے الفاظ ہیں ودعاة الضلال یزید بالشام وختار بالعراق (ج ۲۰ ص ۲۱۳) اور کتاب کے آخر
میں فرماتے ہیں ومن القرون الفاضلة اتقا من هو منافق او فاسق ومنها الحجاج
ویزید بن معاویہ ومنتار د اور قرون فاضلہ میں بھی باجناح ایسے افراد ہو گزرے
ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے۔

الا تآراء في الاسلام، قتل اهل
 المدينة و افاضل الناس و بقية
 الصحابة، رضي الله عنهم. يوم الحرة
 في آخر دولته، و قتل الحسين رضي
 الله عنه و اهل بيته في اول دولته
 و حاصر ابن الزبير رضي الله عنه
 في المسجد الحرام و استخف
 بجرمة الكعبة و الاسلام فاماته
 الله في تلك الايام، و قد كان
 غزاه في ايامه القسطنطينية
 و حاصرها (ص ۱۱۲ طبع مصر ۱۳۸۲ھ) محاصره بھی کیا تھا

واضح رہے کہ ”جمهرة النساب العرب“ ”خلافت معاویہ و یزید“ میں محمود احمد عباسی
 کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم و بنو امیہ کی باہمی قرابتوں کو بیان کرتے
 ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن خزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت
 حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اسی کے حکم پر، ان کی شہادت مکمل میں
 آئی اس دور کے ناصبی اب یزید کو خون حسین سے بری کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے
 ہیں اور طرح طرح کی افتراء پر دازی میں مشغول ہیں۔

کتاب کا غلط حوالہ (۱۴) اور ”داستان گو“ صاحب نے ”الاخبار الطوال“

کے حوالہ سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

ستہ میں حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب

ہاں، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوذ کے شیعان

علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؛ ان لوگوں نے آپ کے والد ادا آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا

(اخبار الطوال) (۱۰) (استان کربلا ص ۲۳)

وہ الاخبار الطوال میں کہاں ہے تصحیح نقل کرنا چاہیے۔ ہمارے پیش نظر الاخبار الطوال کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۹۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبد النعم عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر ”داستان گو“ صاحب کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔

صحابی رسول حضرت سلیمان بن صرد پر طعن (۱۵) اور یہ جو داستان گو صاحب نے الاخبار

الطوال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

”کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت نہ کیے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں، تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیح ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؑ کو بھیجا کہ

”آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم انہان بن بشیر کو جو انصاری ہیں نکال دیں گے“

الخ (داستان کربلا ص ۲۳)

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے عظیم القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیر ”البدایہ والنہایہ“ میں لکھتے ہیں۔

وقد کان سلیمان بن صرد الخزاعی حضرت سلیمان بن صرد خزاعی رضی اللہ عنہ

لے مطلوبہ نسخہ میں بلاحت کی غلطی سے ”الخزاعی“ کی بجائے ”الخزرجی“ چھپ گیا ہے۔

القیہ ما شہد بہ منہم آشدہ

صحابیاً جلیلاً نبیلاً عابداً زاهداً، جلیل القدر صاحب فضل کمال عابد زاهد
 روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ
 احادیث فی الصحیحین وغیرہما علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو
 وشہد مع علی الصغیرین۔ صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صفین کی

(ج - ۸)

(ص ۲۵۵)

جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے ساتھ موجود تھے۔

ابن زیاد نے کوفہ میں آکر جس طرح دارگیر شروع کر رکھی تھی اور خوف و دہشت
 کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کر دی تھی اس میں صحیح واقعات کا مخلصین
 کو بھی بروقت علم نہ ہو سکا جو وہ موقع پر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد
 کو آتے اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو راہ ہی میں روک کر اس بیدردی سے شہید کر ڈالیں گے، جیت کہ خود اہل مدینہ کو بھی حضرت
 عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح اچانک شہید کر دیے جانے کا خیال بھی نہ تھا،
 بہر حال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے ہوا خواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔

اپنی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پر سخت نادم ہوئے اور ۴۵ھ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مٹہ عمود احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت
 سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو وہ ”سبائی لیڈر“ بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مری کو
 جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہؓ تابعین کا قتل عام ہوا
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ”مہر صحابی“ حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے
 ہیں تو سبجائے ”مسلم“ کے اس کو ”مسرف“ یا ”بھرم“ کے برے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

میں پار ہزار فدا ہونے والے لشکر کے خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے، یہ لشکر تاریخ میں "توہین" کے نام سے موسوم ہے، امیر التوہین یہی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ "عین الوردہ" کے مقام پر ۲۲ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ کو عہد اللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا، تیسرے روز ۲۴ جمادی الاولیٰ کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے انہوں نے باہم شہادت نوش کیا، اس وقت ان کی عمر تیرانوے سال تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لیے لکھا تھا، مگر نا جیسوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی، چنانچہ امام ابن حزم غامسری "جہرة انساب العرب میں رقمطراز ہیں

والنعمان بن بشیر اول مولود ولدني الانصار بعد الهجرة، افتتح مروان دولته بقتله و سبق اليه رأسه من حمص، رضی اللہ عن النعمان ولا رضی من قاتله" (ص ۲۶۴)

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری ہیں پہلے صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے مروان نے اپنی سلطنت کا افتتاح ان ہی کے قتل سے کیا، حمص سے ان کا سر کاٹ کر مروان کے پاس لایا گیا، اللہ تعالیٰ نعمان سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی ہو

یہ بھی صحابی ہیں، جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے انھوں نے ابنی کوہین کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا، یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیعت کر لی تھی اور انھوں نے ان کو حمص کا والی بنا دیا تھا، اس لیے مروان نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔

"داستان گو" صاحب "توہین" کے واقعہ سے انجان ہیں وہ اپنی داستان

اس وقوعہ کے تین ماہ بعد فحار ثقفی کے قصہ سے شروع کرتے ہیں

داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۶) چنانچہ "داستان گو" صاحب نے واقعہ کربلا کے بارے میں جو داستان

تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے۔

"خلیفہ یزید کی وفات سے حضرت مروان کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی

مستبدانیت تھی، اس مدت میں عبداللہ بن زبیر کا دعویٰ خلافت اور خوارج

کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسین کے متعلق اس دوران بھی کوئی آواز ایسی

نہیں اٹھی، جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ وار گردانا گیا ہو،

علاوہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسین کے قتل کے

واقعہ کو چار سال گزر چکے تھے، عبداللہ بن زبیر ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت

کے مدعی تھے۔ رمضان ۶۵ ہجری میں فحار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا

اور اس نے خون حسین کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا،.....

اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کر لیا اور آخر کار

۶۷ سال بعد خون حسین کے قتل کے ۶ سال بعد خون حسین کے انتقام کا

نعرہ اس نے بلند کیا۔ اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا بلکہ

موت خون حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا۔.....

خون حسین کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے

بعد اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ یا جس شخص

سابق میں گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسین کے

بعد یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسین کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

نے بھی مسلمان حکومتوں میں خروج و بغاوت کے لیے کمر باندھی اس نے قتل حسین کے نعرہ کو ہی اپنا نشان بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آ رہی ہیں، اگرچہ اہل سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہل علم و تحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔

بہر حال یہ ہے کہ بلا کی سچی اور تاریخی داستان ”داستان کربلا“ (ص ۲۶ تا ۲۹) ہم اس کھلی ہوئی افتراء پر دازی پر جس کو احمد حسین کمال ”سچی اور تاریخی داستان“ بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ع

اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہل سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جاسکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی اموی حکومت اور اس کے براعمال عمال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے قاتل دراصل وہ آپ کے ساتھ کوئی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہمراہ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدان کربلا میں شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خوبی ناحق کی جھوٹی تہمت ناکردہ گناہ خلیفہ یزید اور اس کی حکومت کے کارندوں کے سر تقویٰ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری ”امت مسلمہ“ مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برا بھلا کہتی چلی آتی ہے، اس جرات کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، یہ الف

لیلہ کی کہانی نہیں، سبطِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چٹمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی دل آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان ناچھیوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت علیؑ و حسینؑ کی تحقیر و توہین (۱۷) "داستانِ کربلا" لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق "داستان گو"

صاحب کو اپنی داستان واقعات کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی، مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرائیکے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناچھیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تبرائیکے بغیر نہیں رہ سکتے اور "داستان گو" صاحب ان ناچھیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے عادت کر بلا کا "پس منظر" بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر طعن و طنز کیا ہے۔ چنانچہ "داستان گو" کے الفاظ ہیں۔

"ان شیعیان علی نے حضرت علیؑ کو کبھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑایا کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعیان حضرت علیؑ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپ پر کفر کا فتویٰ عائد کیا، ہمدان پر حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کی، حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علیؑ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؑ کی موت واقع ہو گئی،"

("داستانِ کربلا" ص ۱۳)

خاک بہن گستاخ کیا خوب گویا نعوذ باللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ راشد نہیں، علم نبوی کے حامل نہیں، فراست دینی سے بہرہ ور نہیں فقہی مسائل سے آشنا نہیں، محض نئے نادان تھے نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور جو ان شیعوں کے کہنے میں آکر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جالڑے اور کبھی ان کے بہکانے سے جناب معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے! اور ہاں ان ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان لو اصحاب کے پیش رو "شیعان علی" تھے، جن کی تقلید میں "مجلس عثمان غنی" نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلام دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے بلکہ مجلس کے "داستان گو" کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق "شیعان علی" کا ایسا فساد تھا اشار اللہ کیا کہنے اس داستان کوئی کے، داستان ہو تو ایسی ہو، کہ جس میں کہیں سچ کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

ایک نئی دریافت | (۱۸) اور سنیہ کی نئی دریافت ہے۔

”در اصل یہ شیعان علی، قاتلان عثمان کا ہی گروہ تھا جو حضرت علی کے گرد جمع ہو گیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور خلافت کا مرکز مدینہ سے فتنل کر اکر کوفہ لے آیا اور سجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انھیں کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جالڑایا، جب حضرت علیؑ نے چاہا کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعان علی نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک

دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جان برباد ہو سکے۔

(داستانِ کربلا ص ۱۵)

(ا) معلوم ہوا، خاک بدین گستاخ (ونعوذ باللہ من ہذہ الخرافات) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ان شیعان علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں" کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ "مجلس عثمان غنی" کے نا جیلیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کر دیں۔ "داستان گو" صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس عقیدہ کے حامل تھے۔ اہل سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہل تشیع کے، جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی خلافت کے بارے میں یہ مضمرات و کمزور بات جمع کی تھیں، وہاں اگر وہ دو حرف اس سلسلہ میں بھی سپردِ قلم فرما دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شخصیت کے بارے میں بھی ان نا جیلیوں کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعان علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلان عثمان تھے بالکل بے بس تھے مگر اس کے باوجود اقتدار سے چمٹے ہوئے تھے، انہوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کر لیا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیر باد کہہ دیا اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ "شیعان علی قاتلان عثمان" جب چاہتے جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا لڑاتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہر وقت لڑنے کو موجود رہتے تھے کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لڑنے کو کہا ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب "صفین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑائی کو کہا تو

وہاں آکر لڑنے لگے، گویا باختر خلیفہ نہیں بلکہ ان شیعیان علی قاتلان عثمان کے ہاتھوں کٹھپالی بنے ہوئے تھے، (سعاذ اللہ من ہذا الکاذیب)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان "شیعیان علی" نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے آپ جان بر نہ ہو سکے، "خارج" کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ اراکین "مجلس عثمان غنی" کے بڑے بھائی تھے۔ یہ نا جسی تو صرف حضرت ممدوح کی تحقیق و تجسس پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے، لہذا "مجلس عثمان غنی" کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جا سکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمانان کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے "مجلس عثمان غنی" کہ یہ بد باطن نا جسی کس کس طرح سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرا کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کی تردید ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

حضرت حسن کے بارے میں داستان سرائی

(۱۹) اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "داستان گو" صاحب نے جو داستان سرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؑ کے بعد ان شیعیان نے حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؑ کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر، باپ کے بعد بیٹے کی دلی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسن کے ساتھ بھی سرکشی شروع کر دی، آپ کی اہانت کی، آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا، حضور سرگٹے سے لے کر

اتاریے حتیٰ کہ گھر میں عورتوں کے سامان و لباس تک پر دست درازیاں کیں ،
 بالآخر حضرت حسن نے یہی مناسب سمجھا کہ ان ”قاتلانِ عثمان“ سے جو شیعیانِ علیؑ
 بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں ، ہمیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں
 سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی
 اور شرارت سے باز نہیں آتے جس نجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ
 کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ
 ”قاتلانِ عثمان“ کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت
 کو بچائیں۔“ (داستانِ کربلا ص ۱۵، ۱۶)

حضرت علیؑ کے بعد یہی ہی سلوک ان شیعیان نے حضرت حسنؑ کے ساتھ
 کیا، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؑ کا جائیٹن بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت
 کی، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی، آپ پر حملہ کیا، آپ کی ران زخمی کر دی
 اور آپ کا سامان لوٹ لیا، چنانچہ حضرت حسنؑ نے انکے اس طرزِ عمل سے
 بد دل و مایوس اور ہزار ہوں کو اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 برادرِ نسبتی کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حسین
 اور اپنے تمام اہلِ خاندانِ بیعتِ کربلا۔ (داستانِ کربلا ص ۱۳)

معلوم ہوا حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 بھی خلافت کی بیعت کرنے والے یہی ”قاتلانِ عثمان شیعیان علیؑ“ ہیں، لہذا مسلمانوں کو چاہیے
 کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کر دیں، اہل سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں
 حضرات کو خلیفہ راشد مانتے چلے آتے ہیں۔

نیز جس طرح ان ”قاتلانِ عثمان شیعیان علیؑ“ نے لعوذ باللہ دروغ برگردن گستاخ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنا آلہ کار بنا کر چاہا۔ مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نکلے اور معاملہ کی تہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہذا ان سے نجات حاصل کرنے کی بس ایک ہی راہ سمجھ میں آئی کہ

”حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلان عثمان کو کیفر کردار تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت کو بچائیں“

لاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے بسی اور مجبوری کا اس نا صبی ”داستان گو“ نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کر دیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ و محترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ نا صبی صاحبان ہیں ان ”قاتلان عثمان شیعان علی“ ہی کے نامہ اعمال میں درج کر دیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا، تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی نہیں کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضرت حسین کی تحقیق (۲۰) بہر حال ”داستان گو“ صاحب یہ یاد کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اس صورت حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور ”قاتلان عثمان“ کے درغلانے میں اگر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل ”داستان گو“ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے

”حضرت حسین جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی

جوانی کا عہد گزر گیا تھا اور بڑھاپا آچکا تھا، حضرت حسین اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعیان علی نے ان کے والد حضرت علیؑ کے ساتھ کیا تھا۔۔۔ حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعیان نے حضرت حسنؑ کے ساتھ کیا تھا۔ (ص ۱۲، ۱۳) حضرت علی کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آ رہے تھے، قاتلان عثمان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے (ص ۱۷) "قاتلین عثمان" کے گروہ کے زرعہ سے جو اپنے آپ کو "شیعیان علی" کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہل خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جا کر قیام پذیر ہو گئے۔ (ص ۱۹) لیکن "قاتلین عثمان" مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علی کے اہل خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اکسانے کی کوشش کرتے رہے۔ حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر..... اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے "قاتلان عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؑ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (ص ۲۰، ۲۱)

سلسلہ میں حضرت معاویہؓ کی وفات ہو گئی آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی (ص ۲۲) کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حبش، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انھوں نے اس مضمون کا خط حضرت حسین کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ص ۲۳) حضرت حسین کا قتل ان

کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے (ص ۲۴)

غرض جناب "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود قاتلان عثمان کے درغلانے میں آکر اپنے والد بزرگوار کی طرح طلب خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادر بزرگوار کی طرح "قاتلین عثمان" کے گروہ کے نفع سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت کو نکال کر مزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تاثر جو "داستان گو" صاحب مسلمانوں کو "داستان کر بلا" لکھ کر دینا چاہتے ہیں

قاتلان عثمان کے بارے میں ضروری تنقیح | (۲۱) یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ

"داستان گو" صاحب بار بار "قاتلان عثمان" اور "شیعان علی" کے الفاظ کی تکرار اس لیے کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کے جذبات بھڑکا کر وہ اپنا اتو سیدھا کریں۔ یاد رہے وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"خليفة ثالث حضرت عثمان غني رضي الله تعالى عنه کی المناک شہادت کے

سامنے نے امت مسلمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک حصہ ان مسلمانوں

پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچانا

چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلین عثمان مل جل گئے

تھے اور انہیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کاروائیوں میں

مصرف تھے، حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ

یہی تھی " (داستان کر بلا" ص ۱۶، ۱۷)

"داستان گو" کے اس فریب کو سمجھنے کے لیے اولاً "قاتلان عثمان" کے معاملہ پر غور

کیجئے، قاتلان عثمان کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں ”قاتلان عثمان“ ہیں کون؟ کیا وہ چند شریک جو آپس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا تھا؟ یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہونے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود ”داستان گو“ صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں ”پنج تن“ کہہ کر پکارتے ہیں، ان پانچوں قاتلوں کے نام ”داستان گو“ صاحب نے یہ لکھے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی بکر

(۲) کنانہ بن بشر

(۳) غافق

(۴) عمرو بن حق

(۵) سودان بن حمران

بعد کو ”داستان گو“ صاحب نے کلثوم بن نجیب نامی ایک شخص کو بھی قاتل لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی ”پنجتن“ کی پھٹی غلط ہو جائے گی کیوں کہ اب قاتل ”پنجتن“ کی بجائے ”شش تن“ بن جائیں گے۔ بہر حال ان نامزدگان میں حضرت عمرو بن حق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لے ملاحظہ ہو ”داستان گو“ صاحب کا مجلس عثمان غنی“ سے شائع کردہ پہلا کتابچہ ”حضرت

عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟“ (ص ۸۰، ۸۱)

توصحابی ہیں اور متعین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈارھی ضرور کٹڑی تھی، لیکن جب حضرت مدوح نے یہ فرمایا کہ بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی یہ جملہ سٹنٹ کے ساتھ ہی وہ شریک چھپے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ بن نہ پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ یہ نابھی اپنے امام زید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا لک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر ”قتل عثمان“ کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلاف واقع ہے، نا صبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہونے کی وجہ سے ”خال المؤمنین“ کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی ”خال المؤمنین“ کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ابجد اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تبیسی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابی کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب صرف غافقی اور کنانہ بن بشر دشمن رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے

بعد کو یہ بھی قتل ہوئے چنانچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلین عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب منذر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن وقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربار خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجد تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کاروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علیّ عان معذوراً فی ترک قتلہ - حضرت علی قاتلین عثمان کو قتل نہ
عثمان لان شروط کرنے میں معذور تھے کیوں کہ
الاستیفاء لم توجد - قصاص لینے کے لیے جو شرائط

ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں (منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۳)

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہ راست اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے تھے۔ اب رہے وہ مظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی ”داستان گو“ نے بھی اپنے پہلے کتابچہ ”حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے“ میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آجانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی، نیز آغاز بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان و مالی سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی ہمائش ہی کی جائے گی۔ سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ

کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فراد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کے کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفہ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جنکی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آ گئے وہ چوروں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالا خانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پا کر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مدینہ کے تمام ہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فقہاء نے تصریح کی ہے۔

توبة الباعی بمنزلة الاسلام
من الحربی فی افادة العصمة
والحرمة .
جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے
سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر
کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے و کراہ
دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں
کیا جائے گا

(البحر الرائق شرح کنز

قائمی، باب البغاة)

پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرت ہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور آپ کا استحقاق خلافت

تو درحقیقت اسی روز متعین ہو گیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کر دیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دو حضرات کو اس کیلئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس منصب جلیلہ کے لیے سب حضرات کی نظروں میں متعین ہیں، لہذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لیے متعین ہوئے اسی اجماع نے اس منصب کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو متعین کیا یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدہ جلیلہ کو قبول کرنے کے لئے اپنی رضا مندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والہیود والنحل" میں فرماتے ہیں۔

ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما ادعی الی
نفسہ بعد قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سارعت طوائف المهاجرین
والانصار الی بیعتہ۔

بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
کے بعد جب اپنے لیے حق خلافت کا
اظہار فرمایا تو ہاجرین و انصار جو

درجوق آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔ (ج-۳ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

اور پھر آپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات ہاجرین و انصار نے جس
جان نثاری کا ثبوت دیا اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے

اذ دعا الی نفسه فقامت
صمة طوائف من المسلمین

جیسے ہی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اپنی طرف دعوت دی مسلمانوں کی بڑی

عظيمة و بذلوا دماءهم
دونه، و رآوه حينئذ صاحب
الامر والاولى بالحق
من نازعه -

(ج-۳ ص ۹۷)

اور آگے چل کر لکھتے ہیں

وہ حضرات جنہوں نے شہادت عثمان کے بعد آپ
سے بیعت کی جبکہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور
پھر آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

الذين بايعوه بعد ذلك اذ صار
الحق حقه، وقتلوا انفسهم
دونه - (ج-۳ ص ۱۰۱)

یہی حضرات ہاجریں و انصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء و جان نثار تھے
جن کو یہ ناجسی "شیعان علی" اور "قاتلین عثمان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ مخلصین کون ہیں

(۲۲) رہا "شیعان علی" کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات اہل السنۃ و الجماعۃ ہیں، یہی آپ کو خلیفہ راشد مانتے
ہیں یہی آپ کی نسبت روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں غور فرمائیے، تصوف اسلامی
کے اکثر و بیشتر سلسلے حضرت مجدد ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہ حنفی کا دار و مدار زیادہ
تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ پر ہی ہے
اہل سنت کی کتب احادیث میں تمام فلقاء راشدین سے زیادہ آپ کی مرویات ہیں۔
غلاۃ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو "شیعان علی" کہتے ہیں
محض غلط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا، نہ
آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں نہ ان کا حضرت موصوف
سے کوئی تعلق تاریخی میں ثابت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو تحفہ

اثنا عشریہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کرنی چاہیے تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے غالی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لغو و با لہ خدا مانتے ہیں، رافضی تہرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فاسق و منافق سمجھ کر ان پر سب و شتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام مہموم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کر دی تھی اور تفضیلی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل مانتے ہیں ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانہ خلافت میں ظہور ہو چکا تھا، جس طرح کہ خوارج بھی جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں اسی دور میں پیدا ہوئے تھے اور نو اصب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ وجہ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے، لیکن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا وہ علامہ شیخ ابن

۱۔ ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ (ص ۱) اور (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں۔

شیعہ حقیقی مرقضی علی اہل سنت و جماعت اند کہ بروش آبختاب میر و ندوبا کے بد مذہب و ہرکٹ با نیکی یاد می کنند و در عقائد و اعمال اتباع قرآن و حدیث و سیرت آبختاب می نمایند۔ حضرت علی مرقضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہل سنت و جماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برسر نہیں سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں اور عقائد و اعمال میں قرآن و حدیث کی اتباع کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے ہیں واضح ہے کہ "شیعہ" کے معنی گروہ کبیر ہیں، اس لیے "شیعہ علی" کے معنی ہوئے حضرت علی کی جماعت اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہل سنت کی ہے نہ کہ "روافض" کی۔ ان کو شیعیان علی کہنا بیاسی پتہ ہے جو ہر کوئی دامن کینایا خاکہ دہ کو حلال غور۔

تیمیر کی زبان سے سینے۔

وقد عاقب علی بن ابی طالب طوائف
الشیعة الثلاثة ، فانه حرق
الغالية الذين اعتقدوا الالهية
بالنار ، وطلب قتل ابن سبار
لما بلغه انه يسب ابا بکرو
عمر فهرب منه ، وروی عنه
انه قال لا اوتی باحد یفضلنی
علی ابی بکر و عمر الا جلدته
حد المفتری ، و قد تواتر عنه
انه قال خیر هذه الامة
بعد نبیها ابو بکر ثم
عمر ، ولهذا كان اصحابه
الشیعة متفقین علی تفضیل
ابی بکر و عمر علیه
(فتویٰ ابن تیمیہ ص ۴۹)

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے
شیعوں کی اسی تینوں پارٹیوں کو منہروی چنانچہ غالی
پارٹی کو جو آپ کی "لوہیت" کی قائل تھی زندہ آتش کیا،
اور ابن سبار کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ
وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے
تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لیے طلب فرمایا،
لیکن وہ فرار ہو گیا اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے
ارشاد فرمایا جو کوئی شخص بھی میرے سامنے اس
خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت
دیتا ہو تو میں اس کو منہری کی حد (آتش کوڑے)،
لگاؤں گا اور یہ روایت تو آپ سے پہلے تواتر ثابت ہے کہ
آپ نے ارشاد فرمایا "اس امت میں نبی کے بعد سب
سے بہتر ابوبکر ہیں اور پھر عمر" اسی لیے آپ کے شیعہ
اصحاب (مخلص رفقاء یعنی اہل سنت) اس امر
پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علی سے افضل تھے

۱۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا، الجمع العلمیٰ دمشق کے شمارہ ج ۲۸، جز ثالث و رابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، جس کا اصل متن اور ترجمہ ابن تیمیہ اکیڈمی کراچی نے ۱۹۶۴ء میں "یزید بن معاویہ از ابن تیمیہ" کے نام سے شائع کیا ہے، اس فتویٰ کے مترجم جناب ڈاکٹر جمیل احمد صاحب صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل عثمان و تفرق الناس
ظہر اهل البدع و الفجور، و
حينئذ ظهرت الخوارج فحفظوا
علي بن ابي طالب و عثمان بن
عفان و من والا هما حتى
قاتلهم امير المؤمنين علي بن
ابي طالب طاعة لله ورسوله
و جهادا في سبيله، و اتفق الصحابة
علي قتالهم لم يختلفوا في ذلك
كما اختلفوا في الجمل و صفين۔
اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔
(ص ۲۸)

بہر حال حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ
عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کیے ان میں ان نام نہاد "شیعان علی"
کا کوئی دخل نہ تھا، ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی واقعی غلطی
و قدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ
چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں، نا جیلوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے
اور ان نام نہاد "شیعان علی" کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجانت
ہیں دیتی، نا جی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں۔ اصل صراطِ مستقیم پر حضرات
اہل السنۃ والجماعۃ ہیں غرض یہ بات خوب یاد رکھیے اور "داستان گو" کے بار بار قاتلان
عثمان، اور "شیعان علی" کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھائیے، اس

کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ فرسی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی ”داستان گو“ صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ”ان شیعان علی“ نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑایا سو محض لغو ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کی تھیں وہ امام راشد تھے انہوں نے جو جہاد کیا ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں کیا ہے، حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو غلط فہمی ہوئی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان مصاف سے اپنی گھوڑے کی باگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو ان کو ہاتھ دیکھا تو یہ بھی فوراً میدان جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مروان نے ان کو ہاتھ دیکھ کر ان کے گھٹنہ میں ایسا تیر مارا کہ ان کا کام تمام ہو گیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمت باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی، رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہو جانے پر اس قدر رونا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا، یہ سب باتیں کتب احادیث میں مصرح ہیں، صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے ان کے بارے میں احادیث متواترہ میں ”فئة باغية“ کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنی باغی جماعت کے ہیں، غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی جیسے کہ اہل جمل تھے یا پھر ان سے وائے یا نادانستہ طور پر غلطی ہوئی جیسے کہ ”بغاة شام“ بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر، پھر اس میں یہ تاثر دینا کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ اپنے شیعیان کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض کجواس ہے۔ حافظ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

ولو قدح رجل فی علی بن ابی طالب
بأنه قاتل معاویة و اصحابه و
قاتل طلحة و الزبیر لقیل له علی
بن ابی طالب افضل و اولی
بالعالم و العدل من الذین
قاتلوه فلا يجوز ان يجعل
الذین قاتلوه هم العادین
و هو ظالم لهم۔

(منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام

الشیعہ و القدریج ۳۔ ص ۱۹۰

طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اگر کوئی شخص حضرت علی بن ابی طالب
رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں قبح کرنے
لگے کہ انہوں نے معاویہ اور ان کے اصحاب
سے قتال کیا اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی
اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی جنگ کی تو اس
سے کہا جائے گا کہ علی بن ابی طالب رضی
اللہ عنہ علم اور عدل کے اعتبار سے ان تمام
لوگوں سے جو ان سے برسرِ جنگ ہوئے
افضل و اعلیٰ تھے، لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ
جنہوں نے حضرت علی سے قتال کیا، بس
وہی عادل ٹھہریں اور حضرت علی ظالم۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

اور اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت
امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ اپنی جنگوں میں حتی
پر تھے اور صواب پر اور آپ کے مخالف
ناحق پر اور خطا کار۔

وہیں است مذہب اہل سنت کہ حضرت
امیر در مقابلت خود برحق بود و مصیب
و مخالفان او بر غیر حق و مخطی۔

(ص ۲۱۹ طبع نول کشور کائنات ۱۳۲۵ھ)

ناصری جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی
کرم اللہ وجہہ اور ان کا گروہ اس امت کے بہترین افراد میں تھے، چنانچہ صحیحین میں خروج
کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

و یخرجون علی خیر فرقہ من الناس یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے
 قال ابو سعید اشہد انی سمعت جو سب سے بہتر جماعت ہوگی، ابو سعید خدری
 هذا الحدیث من رسول اللہ صلی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں
 علیہ وسلم و اشہد ان علی بن ابی کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 طالب قاتلہم وانا معہ۔ کی زبان مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا
 (مشکوٰۃ المصابیح باب فی البجرات ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے
 الفصل الاول ص ۵۳۵) ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپ کے ہمراہ تھا

حضرت حسن کے بارے میں افتراء پر دازی

(۲۳)

حضرت حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا ”داستان گو“ نے اہلار کیا ہے وہ بھی صحیح
 نہیں، حافظ ابن حزم ظاہری نے ”الفصل فی المل والاہواء والنمل“ میں تصریح کی ہے کہ
 و مع الحسن ازید من حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیساتھ ایک لاکھ سے
 مائۃ الف عنان یمولون۔ زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا
 کرنے کو تیار تھے۔ (ج-۲ ص ۱۰۵) دونہ

اور اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی ”فتح الباری“ میں اس حدیث شریف کے ذیل
 میں جس میں یہ مذکور ہے کہ ”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے اسی
 آثار میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسرِ منبر
 ارشاد فرمایا

انبی هذا سید، ولعل اللہ ان میرا بیٹا ”سید“ ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
 یصلہ بہ بین فئتين من المسلمین اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح
 کرادے گا۔ (ج-۱۳ ص ۵۷)

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و فی هذه القصة من اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ
 الفوائد، علم من اعظم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے (کہ آپ
 النبوة، و منقبة للحسن بن کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا) دوسرے حضرت حسن
 علی فانه ترك الملك لا لقلعة بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منقبت معلوم
 ولا لدلة ولا لعلة بل ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی قلت
 لرغبة فيما عند الله، لا راء کے یا کسی نوع کی علت کے، خالصتہً لوجه اللہ
 من حقن دماء المسلمين سلطنت سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ نے
 فراعى امر الدين ومصلحة یہ محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون
 الامۃ۔ ریزی سے بچ جائیں گے، لہذا آپ نے

(ج - ۱۳۰ ص ۵۷)

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب سعادہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت
 باوجود باغی ہونے کے زمرہ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال
 ہے یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو
 معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو
 جائے تو وہ غلطی کو غلط ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرف صحابیت کی
 بناء پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی انکے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف "المخطوط والامار" میں اہل سنت کے عقائد کے
 ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام
 اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

والأئمة مترتبون في الفضل ترتيبهم في الإمامة، ولا أقول في عائشة وطلحة والزبير رضي الله عنهم إلا أنهم رجموا عن الخطأ، وأقول إن طلحة والزبير من المشرة المبشرين بالجنة، وأقول في معاوية وعمر بن العاص أنهما بغيا على الإمام الحق علي بن أبي طالب رضي الله عنهم فقاتلهم مقاتلة أهل البغي، وأقول إن أهل النهروان السراة هم المارقون من الدين وإن علياً رضي الله عنه كان على الحق في جميع الأحوال، وأقول معاً حيث داس

فضیلت کے اعتبار سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں درجی ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرات عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بنا پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے کہ جن کو چیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے اور حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرتی چاہیے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

نواصب تقیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ "مجلس عثمان غنی" کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے دُشمن کی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا، یہ دونوں کتابچے "شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے" (۲)، داستانِ کربلا "کذب کا مرقع" ہیں، نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تقیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں، صاف کھل کر کہنا چاہیے کہ ہم یزید و مروان کی امامت کے قائل ہیں، یزید کو حسین سے، مروان کو عبداللہ بن زبیر سے اور معاویہ کو علی مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں، ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں، اس لیے ہم ان پر طعن و تلیغ کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں جس طرح زوافض کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرّا کرنے کا حق ہے، اسی طرح علی و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرّا کرنے کا ہم کو بھی حق ہے، ہم نے علی و آل علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے، اس لیے ہم ناصبی ہیں، تاریخ میں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے اس میں ذرا شرمانے اور جھکنے کی کوئی بات نہیں جرات کی ضرورت ہے، علانیہ کہنا چاہیے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتب فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے، لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اس کو اپنا "امام و شیخ الاسلام" سمجھتے ہوئے اس مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں، لہذا ہمیں اسی نام سے جانتا اور پہچاننا چاہیے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جرات کے ساتھ برطانوی تشخص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کثوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم اخیر میں شکوۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو "باب الایمان بالقدر" کی فصل ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستہ لعنتہم و لعنہم اللہ وکل نبی یحباب، الزائد فی کتاب اللہ، والمکذب بقدر اللہ والمتسلط بالجبودت ليعز من اذله اللہ و یذل من اعزه اللہ والمستحل لحرم اللہ والمتحل من عقرتی ما حرم اللہ والتارک لسننی رواہ البیہقی فی المدخل و رزین فی کتابہ۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (یہ چھ شخص یہ ہیں) اول وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے، دوسرے وہ جو تقدیر الہی کا منکر ہو، تیسرے وہ جو جبر و ظلم سے مخلوق خدا پر مسلط ہو جائے تاکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی ہے اسے عزت بخشے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، چوتھے وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو بے حرمت کرے، پانچویں وہ جو میری عزت کی اس حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے وہ جو میری سنت کا تارک ہو اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں اور محدث مدینی عبد رمی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

(ص ۲۲)

اس حدیث کی روشنی میں اب نما یزید کی زندگی پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہو گا کہ

اس میں بہت سی لغتی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بہت ثوابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے اس سے زیادہ یزید کا ظلم و ستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا، اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی، بلکہ حرم نبوی کو بھی تین دن کے لیے اپنی فوج کے لیے بالکل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ پناہ نہ تھا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کے علاوہ اولاد انصار و ہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت گاہیہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں ”باب الکرامات“ میں منقول ہے۔

و عن سعید بن عبد العزيز قال لما كان ايام الحرة لو يؤذن في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثا ولم يقم ولم يبرح سعید بن السيب السجد وعان لا يعرف وقت الصلوة الا بمهمة يسميها من قبر النبي صلى الله عليه وسلم۔

حضرت سعید بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ فتح حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت سعید بن السیب تھے جو مسجد ہی میں رہتے، یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے کہ کس ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (علی صابہ الصلوٰۃ والسلام) سے وہ سنا کرتے تھے اس روایت کو امام دارمی نے نقل کیا ہے۔

رواہ الدارمی (ص ۵۴۵)

(۳) اور عزت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک

میں زیادہ تو زبانِ زدِ خاص و عام ہے یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب ”تاریخ الخلفاء“ میں کربلاء کے حادثہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لعن اللہ قائلہ و ابن زیاد اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن معہ و یزید ایضاً۔
(ص ۸۰ طبع مینیہ ۱۳۳۵ھ)
زیاد پر اور یزید پر بھی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہل بیت و صحابہ کرام کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

الہی بحق بنی فاطمہ کہ بر قولِ ایمان کنم خاتمہ

الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات، ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم و تب علینا انک انت التواب الرحیم

محمد عبدالرشید نعمانی

پنج شنبہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

ناصریت کا شجرہ نجیشہ جس کا بیج محمود احمد عباسی نے خلافت معاویہ و یزیدؓ لکھ کر بویا تھا۔ اب برگ و بار لا رہا ہے اور اس فتنہ سے متاثر لوگوں کی برأت کا یہ عالم ہے کہ خود پیش دستی کر کے اہل علم کو پھیرتے ہیں۔ ہماری نئی نسل میں جو لوگ تاریخ کے اسکار کو کھلاتے ہیں۔ عربی نہ جاننے کے سبب کو ان کی رسائی اصل مآخذ و مراجع تک نہیں۔ اس لئے سب سے پہلے اس فتنہ کے ہی متاثر ہوئے عربی مدرس کے طلباء و اساتذہ کی اکثریت بھی علم تاریخ سے نا آشنا ہے۔ اس لئے ان کی خاصی تعداد بھی اس فتنہ کا شکار ہو گئی اور اب کیفیت یہ ہے کہ عوام تو کیا بہت سے مولوی بھی اس فتنہ کے داعی بن چکے ہیں۔

ماہ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ ہجری میں مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی نے ہمیں یہ استفتاء دیکر فرمایا کہ اس کا مفصل جواب آپ تحریر کر دیجئے۔ چنانچہ مولانا کے فرمانے کے مطابق بجلت ممکنہ اس کا جواب قلم بند کر دیا گیا۔

چونکہ استفتاء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے بھی ایک فتویٰ کے متعلق دریافت کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم نے سائل کو لکھا تھا کہ وہ فتویٰ ہمیں بھیج دیا جائے۔ اس کے تقریباً ایک ماہ بعد ایک مطبوعہ پمفلٹ آٹھ صفحات پر مشتمل حضرت یزید بن معاویہؓ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب،، نامی ہمیں موصول ہوا

یہ پمفلٹ پہلے مجلس عثمان غنی کراچی ۲۱ سے شائع ہوا تھا۔ اور اب انجمن تحفظ ناموس لاہور سے شائع ہوا ہے۔ ہمارے پاس موصول شدہ قلمی استفتاء اور مطبوعہ پمفلٹ مضمون واحد ہے۔ البتہ سوالات میں بعض جگہ تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ اور کہیں کہیں الفاظ میں معمولی تبدیلی بھی مطبوعہ پمفلٹ میں مولوی محمد صابر، نائب مفتی دارالعلوم کراچی نانک وائرہ کے نام سے ان بارہ سوالات کے جواب میں کل یہ چند سطور درج ہیں۔

» امیرِ ینیدِ نومن تھے۔ اور از روئے حدیث بخاری شریف «خفوا ظہم» میں داخل ہیں۔ ان کو کافر کہنا اور لعن و طعن کرنا ہرگز جائز نہیں کسی مسلمان کو بلا دلائل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر ٹوٹتا ہے۔ اس سے سخت احتیاط کرنی چاہیئے۔ ایسے نظریات رکھنے والے امام کے پیچھے بلاشبہ نماز جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم و عملہ اتم۔

اور پھر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے نام سے "الجواب صحیح" کے

الفاظ درج ہیں۔

پہلے قلمی استفتاء کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کے بعد بالتفصیل نمبر وار ہر سوال کا جواب پڑھتے جائیے۔ واللہ الہادی

محمد عبدالرشید نعمانی۔ ۶ صفر ۱۴۰۲ھ شرب جمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مندرجہ ذیل حقائق پر
اپنی نظریات رکھتا ہے۔

اول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مدینۃ الروم قسطنطنیہ پر جہاد کر نیوالے
شکر کے لئے مغفرت ہے اور امیرینہ ید مرحوم اس شکر کے کمانڈر تھے۔ لہذا اس مغفرت میں
وہ بھی شریک ہیں۔

(الف) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقل جیش من امتی یغزون مدینۃ
قیصر مغفور لہم۔ بخاری شریف جلد ۱۔ ص ۴۱۰

(ب) قال محمود بن الزبیع فحدثنا قومًا فیہم ابوالثوب الا نصاریح
صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ التی توفی فیہا وید بن
معاویہ علیہم بأرض الروم بخاری شریف، ج ۱، ص ۱۵۸۔

دوم۔ بہت سے صحابہ کرام نے امیرینہ ید مرحوم سے بیعت خلافت کی۔ اور اس پر قائم رہے
منجملہ ان کے (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۳) حضرت عبداللہ

بن جعفرؓ (۴) حضرت نعمان بن بشیرؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۶) وغیرہم۔ اگر امیرینہ

کافر یا فاسق و فاجر اور شرابی و زانی اور دشمن دین ہوتے۔ تو یہ حضرات صحابہ کرامؓ ان کے

ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ فرماتے۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے۔ تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور فحش

و بد دینی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئیگا۔ اور یہ سراسر قرآن کریم کے بیان کردہ

اس وصف کے خلاف ہے جو جماعت صحابہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَوَّثَرَ الْيُكْمَ الْحَسَنَ

وَالْفُسُوقَ وَالْبَعْضِيَّانِ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاكِبُونَ (سورہ حجرات، پارہ ۲۷)

(ج) سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے امیرِ یزید کے ہاتھ پر اللہ کے رسول کی بیعت کی ہے۔ إنا قد بايعناهذا الرجل على بيع الله ورسوله۔ (بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۱۰۵۳)

سوم، حضرت محمد بن حنفیہؓ یعنی محمد بن علیؓ نے نہ صرف امیرِ موصوف کی بیعت کی، بلکہ ان پر عائد کردہ الزامات شراب نوشی، ترک نماز، حدودِ الہی سے تجاوز کرنا وغیرہ الزامات پر زور دید فرمائی کہ میں خود امیرِ یزید کے پاس رہا ہوں۔ لیکن میں نے ہمیشہ انہیں اپنا نماز اور سنت رسولؐ پر مضبوطی سے کار بند بھلائی اور مسائل فقہ کا جو یاں پایا۔

(د) وَقَدْ حَضَرْتُهُ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ قَرَأَ يَتْلُو مَوَاطِنًا عَلَى الصَّلَاةِ مَتَحَذِّيًا لِلتَّحْقِيرِ يَسْأَلُ عَنِ الْفَقْهَةِ مَلَا زِمَانًا لثَنَةً (البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۳۳۳ بحوالہ الشیخ صفحہ ۲۸۱) بلکہ آپ نے الزام لگانے والوں سے بحث و مناظرہ کیا۔

بہر تقدیم: محمد بن الحنفیہؓ فی ذلک فامتنع من ذلك أشد الامتناع وناظرهم فی یزید ورد علیہم ما اتهموه من شرب الخمر وترک بعض الصلوات (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۱۸)۔

چہارم: سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کو جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی۔ اول توان کے لئے دعا کی۔ اور پھر امیرِ یزید کو آپ کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی امیرِ یزید کی بیعت و اطاعت کا حکم فرمایا۔ اور خود بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔ و ان ابنہ یزید لمن صالحی اهلہ فالزموا معا لیسکروا عطاوا اطاعتکم و بیعتکم فمضى فبايع (بلاذری الامامۃ والسیاسہ، جلد ۱ صفحہ ۲۰۳)

پنجم: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابوبکر بن عربیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ کتاب الزُّہد، میں امیر یزید مرحوم و مغفور کا ذکر زُہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرے میں بیان فرمایا ہے۔ جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ امیر یزید کے خطبے کے چند جملے بھی نقل کئے ہیں اور ساتھ ہی ان لوگوں کو شرم دلائی ہے کہ آپ پر شراب نوشی اور فسق و فجور وغیرہ کا الزام لگاتے ہیں۔

۲۔ اَوْ هَذَا يَدُلُّ عَلَى عَظِيمِ مَنَزَلَتِهِ عِنْدَهُ حَتَّى يَدْخُلُهُ فِي جَمَلَةِ الزُّهَادِ مِنْ بَعْدِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ يَقْتَدِي بِقَوْلِهِمْ وَيَسْرِعُونَ مِنْ وَعْظِهِمْ نَعَمْ وَمَا دَخَلَهُ إِلَّا فِي جَمَلَةِ الصَّحَابَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى ذِكْرِ التَّابِعِينَ فَأَيْنَ هَذَا مِنْ ذِكْرِ الْمُتَدَخِّلِينَ لَهُ فِي الْخَيْرِ وَأَنْوَاعِ الْفُجُورِ لَا يَسْتَحْيُونَ الْعَوَامَ مِنَ الْقَوَامِ (صفحہ ۲۳۳)

۳۔ شرم: حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر یزید نے نہ تو سیدہ حسین رضی اللہ عنہا کے قتل کا حکم دیا۔ اور نہ ہی اس پر رضامند تھے۔ جو شخص اس پر الزام لگائے۔ وہ حد درجہ ابلہ اور احمق ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ امیر یزید پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا صرف جائز نہیں۔ بلکہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مؤمن تھے۔ اس لئے ہر ناز میں مومنین کی مسرت الی دعائیں شامل ہیں۔
وَمَا التَّرَحُّمُ عَلَيْهِ فَجَاءَ نَزِيلٌ هُوَ مُسْتَحَبٌّ بَلْ هُوَ دَخَلَ فِي قَوْلِنَا
لِكُلِّ صَانِئَةٍ اللَّهُمَّ اِعْفُ رَاجِعِينَ الْمُؤْمِنَاتِ فَإِنَّهُ كَانَ مُؤْمِنًا وَاللَّهُ
أَعْلَمُ كَتَبَهُ الْغَزَالِيُّ (تاریخ ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

۴۔ شرم: امیر یزید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں۔ کیونکہ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر ان کے نکاح میں تھیں۔ اس رشتے سے آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجہ داماد ہوتے ہیں۔ خیمۃ الانساب ابن حزم۔
۵۔ شرم: سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ ام مسکین بنت عامر بھی امیر موصوت

کے جبالہ عقد میں تھیں۔ اس رشتہ سے آپ خلیفہ دوم کے پوت داماد ہوتے ہیں۔ (۱۱) **الاشراف، کتاب المعارف۔**

نہم | سیدنا علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین کربلا کے واقعہ میں موجود تھے۔ وہاں سے دمشق گئے۔ اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ بلکہ واقعہ سے تین برس بعد واقعہ سترہ کے موقع پر امیر یزید کا حسین سلوک دیکھ کر ان کے حق میں ان کے میں دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔ (۱۲) بلاذری، عیفا۔ ابن سعد |

دہم | واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات میں ہوتی رہیں۔ انکی ان میں جس کے ثبوت سے کتب تواریخ و انساب پر ہیں۔

یازدہم | سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی کی وفات کے بعد کوفہ کے ان شریر النفس لوگوں نے سیدنا حسین رضی کو امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا۔ جن کے نام مبارک عزائم و مقامات کبھی سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمان غنی رضی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے۔ اور کبھی جنگ جمل اور صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی کی شہادت اور حضرت حسن رضی کی قودین و تحقیر سے بھی انہیں کے نامہ اعمال سیاہ اور دامن داغدار ہیں۔ اور جب سیدنا حسین رضی کو تقریباً چار ماہ کی مسلسل کوشش بصورت خط و راہ و فرد کی بھرمار سے یہ باور کرا دیا کہ امیر یزید اُمت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں۔ بلکہ اُمت کی مستہر جہاغت ان کی مخالفت سے مطمئن نہیں۔ تو اب سیدنا حسین رضی نے کوفہ کا ارادہ فرمایا۔ (۱۳) سیدنا عبد اللہ بن عباس (۲) عبد اللہ بن عمر (۳) عبد اللہ بن جعفر (۴) جابر بن عبد اللہ (۵) ابو واقد اللہی (۶) محمد بن الحنفیہ وغیرہم حضرات نے حضرت حسین رضی کو اس ارادہ سے منع فرمایا۔ کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں۔ اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ دھوکہ بازی کر نیوالے کوفیوں

کی بات مان کر امت میں افراق و انتشار کی راہ نہ کھولیں۔ اور اپنے آپ کو اس ہلاکت انگیز
 اللہ ام سے باز رکھیں۔ لیکن افسوس کہ آپ نے کسی کی نہ مانی۔ اور کوفیوں کے خطوط اور وفد
 اور انکی طلب پر کوفہ روانہ ہو گئے۔ جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ابن مدعیان
 وفاداری نے وہی کچھ کیا۔ جو مذکورہ حضرات نے ماضی کی تاریخ کے پیش نظر آپ کو روکتے ہوئے
 کہا تھا۔ جب آپ نے جان لیا۔ کہ امیر المؤمنین زید کی بیعت پر تمام امت و ملت متفق ہے جس
 کے فیصلے و عمل کا استخفاف ممکن نہیں۔ تو آپ اپنے ارادے سے دست بردار ہو گئے اور
 پہلے موقف سے رجوع فرما کر فرج افسر عمر بن سعد کے ذریعہ کوفہ کے سامنے تین شرطیں
 پیش فرمائیں۔

اول :- مجھے واپس جانے دیا جائے۔

دوم :- اسلامی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے۔

سوم :- یا پھر مجھے دمشق بھیج دیا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم (چچا زاد بھائی امیر شام) کے
 اٹھ میں دوسے کے معاملہ کو اس طرح کر لوں جس طرح میرے بھائی حسنؓ نے حضرت امیر
 معاویہ کے ساتھ کیا تھا۔ نامع یدی فی یدہ (تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۲۵، البدایہ
 والنہایہ، ج ۸، ص ۱۷۵، ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۴، الاصابہ لابن حجر، ص ۱۷، تاریخ الخلفاء
 للبیہقی، ص ۱۴۰، راس الحسین لابن تیمیہ ص ۲۰ وغیرہ)

دوازہم :- سیدنا حسینؓ راکے اس خروج کو بنیاد کا ہونا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک
 اجتہاد کی سیاسی خفا تھی جس کا دور ہر بڑے سے بڑے شخص سے ہو سکتا ہے۔ اور
 اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعوای پر اعتماد تھا۔
 یہی وجہ ہے کہ سولے آپ کے خاندان کے چند نفوس کے کسی صحابی نے اس خروج میں
 آپ کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ اس وقت ہر شہر میں نہایت تعداد اصحاب کرام کی موجود تھی اور

اس لئے سیدنا حضرت حسینؑ نے حقیقت کھلنے پر امیر سیدی کی بیعت خلافت کا اعلان کیا
 وابستگی اختیار فرمائی۔ اب یہ کوئی سبائیوں کی سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح
 پورا نہ ہونے دیا۔ اور امت کو اس عظیم سانحہ اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اب قیامت تک
 شاید ہی اس سے پھسکا رائل سکے۔ الحاصل ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے، امیر بن
 مرحوم پر احسن و طعن کرنا۔ یا ان کی تکفیر و تفسیق کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اور نہ ہی انہیں
 واقعہ کربلا کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس عظیم سانحہ جانساکہ کی واحد ذمہ دار کوفہ کی وہ
 پارٹی ہے۔ جن پر سیدنا حضرت حسینؑ نے مشفقین اور محبتیں کے خیر خواہانہ مشورے
 چھوڑ کر اعتماد کیا۔ اب

سوال :- یہ ہے کہ یہ باتیں کہاں تک درست یا غیر درست ہیں قطع نظر غیر مستفتائین
 روایات کے کیا یہ مذکورہ امور بالا اپنی جگہ ناقابل انکار حقائق ہیں یا نہ
 سوال :- ایسے نظریات رکھنے والے شخص کی تکفیر یا تفسیق و تضلیل جائز ہے یا نہ
 سوال :- اگر کوئی شخص ان امور کو اسلاف کرام پر زبان دراز کئے بغیر درست ماننا
 تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں۔

سوال :- معلوم ہوا ہے۔ اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی تائید میں ۱۴ محرم الحرام
 ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) کی مکتوبی
 دیا جا چکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ یقیناً بالادلة القطعیہ و توسیر و بالاجز العظیم

فقط والسلام

ابوالارشاد محمد اسماعیل جاردی خطیب جامع مسجد مدینہ طیبہ

سیکرنی۔ ۱۵ کورنگی نمبر ۶، کراچی۔

۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۰، ہجری، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۰ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

استفتاء کا اجمالی جواب

اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہلسنت کا طریقہ ہے۔
 امام شیعہ و سنی نے فقہاء ملت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے عقائد کو ایک

رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جو "العقائد الطحاویہ" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بار بار طبع ہو چکا ہے۔ اور ہر جگہ دستیاب ہے۔ اور مملکت سعودیہ میں داخل در کس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے

ونحب أهل العدل والأمانة
 ونبغض أهل الجور والخيانة
 اور ہم اہل عدل و امانت سے محبت کرتے ہیں۔ اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں۔

یہ وہی عقیدہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے
 مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ
 أَعْطَىٰ لِلَّهِ وَمَنْعَ لِلَّهِ فَقَدْ
 استكمل الإيمان
 جس نے اللہ کے لئے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا۔ اور اللہ ہی کے لئے دیا۔ اور اللہ ہی کے لئے نہ دیا۔ اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔
 (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۲)

اسی ہدایت کے مطابق یہ عقیدہ طحاویہ میں یہ بھی مصرح ہے کہ
 ومن احسن القول في
 اصحاب رسول الله صلى
 الله عليه وسلم وازواجه
 جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپ کی ازواج، اور آپ کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھتے

وَذُرِّيَاتِهِ فَقَدْ بَرِيءٌ مِنْ
النِّفَاقِ ص ۸

اجمالی جواب | اب سائل نے حضرت حسین اور یزید کے مابین محاکمہ کر کے جو بارہ سوالات قائم کئے ہیں۔ اور پھر ان کو حقائق کا نام دے کر یہ پوچھا ہے کہ امیر یزید پر لعن و طعن کرنا درست ہے یا نہیں۔

اس کے بارے میں اجمالی جواب تو یہ ہے کہ حضرت حسینؑ اور جملہ اہل بیت نبوی سے محبت رکھنا اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا تقاضائے ایمانی ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تامل الایمان، میں جو عقائد پر ان کی مشہور تصنیف ہے۔ فرماتے ہیں۔

وفاطمة، سیدۃ نساء اہل
الجنة والحسن والحسين
سید اشباب اہل
الجنة

اور حضرت فاطمہؑ جنتی عورتوں کی
سردار ہیں۔ اور حضرت حسنؑ اور حضرت
حسینؑ جو انان جنت کے سردار
ہیں

ما میں مسئلہ را علیحدہ در عقائد
ذکر کردہ ایم از جہت قطعیت وے
بر رعم اس نادانان کہ قطعیت بشارت
را مخصوص بعشرہ بشرہ دارند و
ہمچنان کہ علماء بر رعم رفضہ اہتمام
بشان عشرہ کردہ بہ تخصیص ذکر
کردہ اند۔ اگر بر رعم ناصبتہ اہتمام
بذکر اس سہ تن پاک و ذکر فضائل

ہم نے اس مسئلہ کو اس کے قطعی ہونے کی
بنیاد پر مستقل طور سے عقائد میں ذکر کیا ہے۔
ان نادانوں کے علی الرغم کہ جو صرف عشرہ
بشرہ ہی کے بارے میں جنتی ہونے کی
بشارت کو قطعی سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح
کہ علماء نے روافض کے علی الرغم عشرہ
بشرہ کے اہتمام شان کے پیش نظر بالتخصیص
ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اگر نواصب کے

اہل بیت نبوت کنند نیز مناسب علی الرغم ان تینوں حضرات کچھ بھی ذکر کا اہتمام
باشد۔ ہو۔ اور اہل بیت نبوت کے فضائل

(ص ۶۶، ۶۷ طبع مجتہائی دہلی) بھی ذکر کریں تو یہ بھی مناسب ہوگا۔
حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "التقویٰ
الانبیاء" میں عقائد اہل سنت والجماعت پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا ہے
جس میں وہ فرماتے ہیں۔

وفشهد بالجنة والخير اور ہم جنت اور خیر کی شہادت دیتے
للعشرة المبشرة وفاطمة ہیں حضرات عشرہ مبشرہ اور حضرت فاطمہ
وخديجة وعائشة والحسن اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ اور
والحسين رضي الله عنهم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ
ونوقرهم ونعترف بعظم عنهم کے حق میں۔ اور ان کی توقیر کرتے ہیں
محلهم في الاسلام اور اسلام میں جو ان حضرات کا بلند مرتبہ
ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ (ج ۱، ص ۱۳۸)

اور یزید سے محبت نہ رکھنا۔ اور اس کے بُرے اعمال سے نفرت کرنا۔ یہ
بھی ایمان کا مقتضی ہے اور اہل سنت کا اسی پر عمل درآمد ہے۔ چنانچہ شیخ
عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" میں یزید کے بارے
میں فرماتے ہیں۔

وبالجملة وے مبغوض ترین مروج اور مختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک تمام
است نروما، وکارہا کہ اس بد بخت انسانوں میں مبغوض ترین ہے۔ جو کام کہ اس
و بے سعادت دریں اُمت کردہ بد بخت مستحوس نے اس اُمت میں کئے ہیں
بیچ کس نہ کردہ۔ بعد از قتل امام حسین کسی نے نہیں کئے حضرت امام حسینؑ

والہانت اہل بیت لشکر تخریب مدینہ کو قتل کرنے اور اہل بیت کی امانت کے
 مظہرہ و قتل اہل آنجا فرستادہ بعد اُس نے مدینہ پاک کو تباہ و برباد کرنے
 و بقیۃ از صحابہ و تابعین را امر بقتل اور اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لئے لشکر
 کردہ و بعد از تخریب مدینہ امر بہندام بھیجا اور جو صحابہ اور تابعین وہاں باقی
 مکہ معظمہ و قتل عبد اللہ بن زبیر نہ کردہ رہ گئے تھے۔ اُن کو قتل کرنے کا حکم دیا
 وہم در اثنائے اس حالت از اور مدینہ طیبہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ کو
 دنیا بچہتم شتافہ۔ دیگر احتمال منہدم کرنے اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ
 توبہ و رجوع او را خداوند حق تعالیٰ کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر اسی اثناء
 دلہائے مارا۔ و تمام مسلمانان را از میں جبکہ مکہ معظمہ محاصرہ کی حالت میں
 محبت و موالات و سے و اعوان تھا۔ دنیا سے جہنم میں چلا گیا۔ باقی رہا یہ احتمال کہ
 انصار و سے و ہر کہ با اہل بیت نبوی شاید اس نے توبہ اور رجوع کر لیا ہو۔ یہ
 بد بودہ و بداندیشیدہ و حق ایشان خدا جانے۔ حق تعالیٰ ہمارے اور سب
 را پائمال کردہ و ہا ایشان براہ محبت و مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اس کے
 صدق عقیدت نیست و نبودہ نگاہدار اعدا و انصار کی محبت اور دوستی سے
 و مارا، و محبتان مارا در زمرہ محبتان ایشان بلکہ ہر اس شخص کی محبت اور دوستی سے کہ
 محشور گرداند۔ و در دنیا و آخرت بر جس کا اہل بیت نبوی سے بُرا بُرا ہو۔ یا
 دین و کیش ایشان دارد، بجرمۃ النبی جس نے بھی اُن کے حق میں بُرا سوچا۔ اور اُن
 والہ الامجاد بہتہ و کرمہ و ہوقریب کے حق کو پامال کیا۔ نیز جس کو بھی ان کے ساتھ
 محیب آمین محبت اور صدق عقیدت نہیں ہے۔ یا
 اصل اے طبع مجنبانی دہلی نہیں تھی۔ ان سب کی محبت اور دوستی
 سے محفوظ رکھے۔ اور ہمارا اور ہم سے

اصل اے طبع مجنبانی دہلی

محبت رکھنے والوں ان حضرات کے محبتیں
میں تشر فرمائے۔ اور دنیا اور آخرت میں
ان ہی حضرات کے دین و مذہب پر
رکھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کی اولاد امجاد کے طفیل اپنے فضل و
کرم سے ہماری یہ دعا قبول فرمائے بیشک
اللہ تعالیٰ قریب ہے۔ اور دعاؤں کو قبول
کرنی والا ہے۔ آمین

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حجتہ اللہ البالغہ، کے مسجحت فتن، میں
حدیث ”تَحْرِينُ شَاذِّ عَاةِ الضَّلَالِ“، کہ پھر گمراہی کی طرف دعوت دینے والے
پیدا ہوں گے) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ودعاة الضلال یزید بالشام اور ضلالت کے داعی شام میں یزید اور
ومختار بالعراق عراق میں مختار تھے۔

اور بحث مناقب میں فرماتے ہیں۔

ومن اترون الفاضلة اور اترون فاضلہ، یعنی اُن حضروں
اتفاقاً من هو منافق أو فاسق میں بھی کہ جن کی فضیلت حدیث میں وارد
ومنها الحجاج ویزید بن ہے۔ بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے۔ کہ جو
معادیہ ومختار منافق یا فاسق تھے۔ اور ان ہی میں حجاج
اور یزید بن معاویہ اور مختار کا شمار ہے۔

یہ تو ہوا اجمالی جواب، اور اب تفصیل سے نمبر وار اپنے شہادت کے جواب

ملاحظہ کیجئے۔

ماہبھیوں کے شہادت کے تفصیلی جوابات

پہلا شبہ

جو مستفتی کو پیش آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جنگ
قسطنطنیہ کے سلسلہ میں بخاری شریف میں حسب ذیل
دو روایتیں مذکور ہیں۔

الغناء اقل جیش من امستی
یخزون مدینة قیصر مغفور
لہم۔

میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے
شہر پر حملہ آور ہوگا۔ اس کی مغفرت کر دی
گئی ہے۔

ب) قال محمد بن الربیع
فصد ثقاتنا فایم ابوایوب
النضاری صاحب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوہ
التي توفي فیہ یزید بن معاویہ
علیہم بارض الروم

محمود بن ربیع کا بیان ہے کہ پھر میں
نے اس کا ذکر کچھ لوگوں کے سامنے کیا جن
میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی
حضرت ابوایوب النضاریؓ بھی تھے۔
یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے کہ جس میں حضرت
ابوایوب النضاریؓ کی وفات ہوئی اور
یزید بن معاویہ، روم میں اس وقت فوج
کا امیر تھا۔

عرض یزید بن معاویہ کا لکھا تھا اس لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔
اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر مستفتی دوسری حدیث پر غور کرتے۔
تو میرے سے یہ اشکال ہی پیش نہ آتا کیونکہ

اسی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فان اللہ قد سمع علی کانہ
من قال لا الہ الا اللہ یتبعی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کریشک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ
کو حرام کر دیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی

بِذَلِكَ وَجَّهَ اللَّهُ

رہنا جوئی کے لئے لا الہ الا اللہ، کہا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ صدق دل سے
لا الہ الا اللہ، کہنے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرے۔ یہ نہیں کہ بس ایک
مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھا یا۔ تو سو خوں معاف ہو جائیں۔ اب جو چاہے
کرتا پھرتے۔ تعجب ہے کہ مستفتی نے مزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں
نہیں پیش کیا۔ حالانکہ عزوہ قسطنطنیہ کی حدیث میں تو صرف "مغفور ہم" کے الفاظ
میں۔ اور اس حدیث میں صراحتاً دوزخ کے ترام ہونے کی تصریح ہے۔ پس جو
تأویل یا تشریح حدیث مذکور اب کی ہوگی۔ وہی تشریح حدیث مذکور الف
کی ہوئی چاہئے۔

احادیث کے تتبع سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے اعمال خیر پر مغفرت کی
بشارت ہے۔ اور اس کا مطلب آج تک کسی عالم کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ بس
اس عمل خیر کے بعد جنتی ہونا لازمی ہے۔ اور اب ظلم کی کھلی چٹائی سے جو چاہے کرے
جنت اس کے لئے واجب ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کسی شخص کا نام لیکر اسے جنتی کہنا اور بات ہے۔ اور کسی عمل خیر پر جنت
یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور سیدنا حسن رضا اور سیدنا
حسین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر آنحضرتؐ نے ان کو جنتی فرمایا ہے۔ لیکن یزید کا
نام لیکر اس کو جنتی ہونے کی بشارت کہیں نہیں دی گئی۔ کسی روایت کے عموم میں
داخل ہونا اور چیز ہے۔ اور کسی بشارت میں مخصوص طور پر نامزد ہونا اور بات ہے
بیشک اس حدیث میں غازیانِ مدینہ قیصر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے جیسا
کہ غازیانِ ہند کے لئے۔ لیکن اس سے بر غازی کا اس وقت تک جنتی ہونا لازم نہیں
آتا۔ جب تک کہ اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم نہ ہو۔ ٹھیک ہے یزید عزوہ قسطنطنیہ

میں شریک ہوا۔ لیکن اس غزوہ میں شرکت کے بعد جب اس کو اقتدار نصیب ہوا تو اس کے بیشتر اعمال ایسے تھے جو لعنت ہی کے موجب تھے۔

ابن خلدون نے اپنی خوش فہمی سے حدیث کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا گیا۔ تو پھر گناہوں کی کھلی چھٹی ہے۔ اور جس طرح کفر کے بعد کوئی طاعت مقبول نہیں۔ اسی طرح ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی یہی "مرجسہ" کا مذہب ہے۔ جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں جہاں مسند احمد کی یہ دو روایتیں نقل کی ہیں۔

(۱) یزید بن معاویہ اس لشکر کا امیر تھا۔ جس کے غازیوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ اور جب حضرت ابو ایوب انصاری کی وفات کا وقت قریب ہوا۔ تو یزید ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: "وہب میں مرقاؤں تو لوگوں کو میرا سلام کہنا۔ اور ان کو یہ بتا دینا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ۔

من مات لا یشرک باللہ
شیئاً دخل الجنۃ
جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو جنت میں داخل ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ممدوح نے وفات کے وقت فرمایا۔

قد كنت كملت عنكم شيئاً سمعته
من رسول الله صلى الله عليه وسلم
سمعته يقول: لو لا احبكم
تذنبون لخلق الله قومًا يذنبون
فيغفر لهم
میں نے تم سے ابھی تک ایک حدیث چھپا رکھی تھی۔ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا کرتا۔ کہ جو گناہ کرتی۔ اور پھر

حق تعالیٰ انکی مغفرت فرماتا

وہاں ان دونوں حدیثوں کے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

ان هذا الحديث والذي قبله هو الذي حمل يزيد بن معاوية على اطراف من الارجاء وركب بسببه افعالا كثيرة انكرت عليه كما سنذكره في ترجمته والله تعالى اعلم۔

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث جو گزری، اسی نے یزید بن معاویہ کو ارجاء کی طرف ڈال دیا، اور اس کے باعث اس نے ایسے بہت سے کام کر ڈالے جن کی بناء پر اس پر نکیر کی گئی۔ جیسا کہ ہم اس کے تذکرہ میں عنقریب ذکر کریں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ

خوب جانتا ہے۔

(ج ۸، ص ۵۹)

اب اگر سائل بھی یزید کی طرح اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور مرجئہ کے مذہب میں داخل ہے۔ تو اس کو دوسری حدیث ہی یزید کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔ کہ چونکہ وہ کلمہ گو تھا، اس لئے ایمان لانے کے بعد اب کسی گناہ پر اس کی پکڑ نہیں ہو سکتی۔ سب گناہ معاف ہیں۔ شیعیان بنی امیہ کا بھی یہ مذہب تھا، کہ وہ امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول ہیں، اور گناہ سب معاف۔ اس کی اطاعت طاعت و معصیت دونوں میں واجب ہے، اور اگر سائل اہل سنت میں داخل ہے۔ تو جو تاویل اس حدیث کی ہوگی، وہی حدیث غزوہ فسطاطینہ کی ہوگی۔

پھر حدیث اول میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کے لئے تصحیح نیت ضروری ہے۔ یعنی جو جہاد بھی کیا جائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور احکام کلمہ اللہ کے لئے ہو۔ اور اپنے ذوق و شوق سے ہو۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے دباؤ میں آکر ناخوش دلی سے جنگ میں شریک ہو جائے۔ اور صرف امارت کے خیال سے روانہ ہو جائے۔ یزید کے ساتھ یہی صورت ہوئی، کہ وہ اس جہاد میں شریک

ہونے کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اور جہاں تک بن سکا۔ اس نے ٹال مٹول کی کوشش کی۔ بلکہ جب مجاہدین کرام محاذ پر تھے۔ اور وہاں مختلف قسم کی مشقتیں برداشت کر رہے تھے۔ وہاں اور قحط میں مبتلا تھے۔ تو یہ بڑے ٹھانڈے سے اپنے عشر تکدہ میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا۔ اور مجاہدین کا مذاق اڑا رہا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جب اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے سختی کے ساتھ حکم دے کر بجبر اس کو محاذ پر روانہ کیا۔ اس سارے واقعہ کی تفصیل تاریخ ابن خلدون (ج ۲، ص ۲۰) اور کامل ابن اثیر میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ مؤرخ ابن الاثیرؒ کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فی هذه السنة وقيل سنة خمسين
میر معاویہؓ کثیفاً الى بلاد
الروم للغزاة وجعل علیہم سفیان
بن عوف وامر ابنہ یزید بالغزاة
معہم فتاقل واعتل فامسک
عنه ابوہ فاصاب الناس فی
غزائہم جوع ومرض شدید
فانشد یزید یقول:

اور اسی سنہ میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنہ
میں حضرت معاویہؓ نے جہاد کے لئے ایک بڑا
بھاری لشکر بلاد روم کی طرف روانہ کیا۔ اور
اس لشکر کا امیر سفیان بن عوفؓ کو مقرر کیا۔ اور
اپنے بیٹے یزیدؓ کو بھی اس غزوہ میں شرکت کا حکم
دیا۔ مگر یزیدؓ نے تعمیل حکم میں ہستی کی اور محذرت
کردی۔ یہ دیکھ کر اس کے والد نے بھی اس کو
رہنے دیا۔ وہاں جنگ میں لوگ بھوک اور
شدید مرض کا شکار ہوئے۔ تو یزیدؓ نے یہ

شعر کہے۔

ما ان أبالی بما لاقت جموعہم
بالغذ قدونہ من حتی ومن موئم

مجھے کچھ پروا نہیں کہ غزوہ بلاد روم میں مسلمانوں کا فوجی کمپ (میں مسلم مجاہدین
کے دستہائے فوج کو شکار اور چمک کا سامنا ہے۔

لہ قسطنطنیہ کے قرب وجوار میں ایک مقام کا نام ہے۔

اِذَا اَتَاكَ عَلَى الْاَتْمَاطِ مَرْتَفَعًا بدیرمزان عندی اتم کلشوم
جیکر میں دیرمزان میں آندوں پر اونچے اونچے ٹکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں۔ اور میرے
سدمے اتم کلشوم ہے۔

اتم کلشوم یزید کی یزیدی عہد الشریعہ عامر
کی بیٹی تھی۔ حضرت معاویہؓ کو جب اس کے ان
اشعار کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے اُس کو قسم
دیکر بتا لیا کہ اسے روم میں سفیان کے
پاس پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ لوگ جس
مصیبت میں گرفتار ہیں۔ یہ بھی گرفتار ہو اب
جو یہ روانہ ہوا۔ تو اس کے والد ماجد نے ایک
انبوہ کثیر کا اس کے ساتھ اضافہ کر دیا۔ اسی
شکر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابی بکرؓ
حضرت بنی ہاشم اور حضرت ابوالیوبؓ انصاری وغیرہ
بھی تھے۔ اور عبد العزیز بن زرارہ کلابی بھی۔
چنانچہ یہ لوگ بلاد روم میں گھسے ہی چلے گئے
تاکہ تیزی کے ساتھ طغار کرتے ہوئے
قسطنطنیہ تک جا پہنچے۔

اتم کلشوم امراتہ ہی ابنتہ عبد
اللہ بن عامر فبلغ معاویہ شعرہ
فانقسم علیہ لیل حرقن بسفیان
فی ارض الروم لیصیبہ ما اصاب
الناس فصار رومہ جمع کثیر
اضافہوا لہ ابوہ وکان
فی ہذا الجیش ابن عباسؓ
وابن عمرؓ وابن الزبیرؓ وابو
الیوب الانصاری وغیرہم و
عبد العزیز بن زرارہ الکلابی
فاوغلوا فی بلاد الروم حتی
بلغوا القسطنطنیہ کمال
ابن الاثیر جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲

یہ ہے یزید کے غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کی حقیقت، واقعہ یہ ہے کہ یزید سیرد
شکار، شعر و شاعری، غنا اور موسیقی کا مستول تھا۔ وہ جہاد کے جھنڈے میں اپنے
والد ماجد کی زندگی میں پڑنا چاہتا تھا۔ اور نہ اپنے ایام خلافت میں چنانچہ عہدہ
خلافت کے سنبھالنے پر سب سے پہلا خطبہ جو اس نے دیا۔ وہ یہ تھا

ان معاویۃ کان یغزیکم فی
البحر وانی لست حاملاً لحد من
المسلمین فی البحر و ان معاویۃ
کان یشتبیکم بارض الروم
و لست مشتبئاً لحد ابارض
الروم و ان معاویۃ کان
یخرج لکم العطاء اثلاثاً و انا
اجمعه لکم ککد۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۴۳)

یکبارگی دیا کروں گا

بس پھر کیا تھا، یہ خوشخبری سن کر حاضرین، دربار یزید سے اس حال میں لوٹے کہ

وحم لا یفضلون علیہ احداً وہ یزید سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

۱۔ اس آخری جملہ پر حیات سیدنا یزید کے مصنف نے جو حاشیہ چڑھایا
ب پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں:-

۲۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ سیدنا یزیدؒ اپنے والد ماجد سیدنا
معاویہؒ کی وفات کے بعد، امیر المومنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ
دیکر فارغ ہوئے۔ تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہم عصر تابعین کی
پسندیدگی کا یہ عالم تھا۔

فاختلف الناس عنه و هم لا یفضلون علیہ احداً۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۴۳)

۳۔ لوگ تقریر سن کر ان کے پاس سے گئے، تو ان کا یہ حال تھا کہ وہ سیدنا

یزیدؒ پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے، (باقی آئندہ صفحات پر)

بیشک معاویہؒ نہ تم کو بحری جہاد کی مہم پر بھیجا
کرتے تھے مگر میں کسی مسلمان کو بحری مہم پر بھیجنے
کا روادار نہیں، اور بیشک معاویہؒ نہ تم کو روم
میں موسم سرما میں جہاد پر روانہ کیا کرتے تھے
مگر میں کسی کو سردیوں میں روم کی سرزمین پر
جہاد کرنے کے لئے نہیں بھیجوں گا اور بیشک
معاویہؒ تمہیں تمہارا وظیفہ سال میں تین
قسطوں میں دیا کرتے تھے، میں تم کو اکٹھا

اس سے انداز ہو سکتا ہے کہ ریزید کی شرکت غزوہ قسطنطنیہ میں کس بناء پر تھی۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ وہ خالصاً مخلصاً اپنے شوق سے بغیر اپنے والد ماجد کے حکم کے اس غزوہ میں شریک ہوا۔ شب بھی یہ بشارتِ مغفرت اس شرط کیساتھ مخصوص ہوگی کہ پھر اس سے زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہوتے ہوں۔ کہ جن سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰

اسلامی خلافت کے مرکزی شہر دمشق میں اس عظیم اجتماع کے موقع پر سیدنا ریزید کے ساتھ عوام و خواص کی جانب سے پسندیدگی و عقیدت کا یہ اظہار نہ صرف اس لئے تھا کہ حلم و عدل کے پیکر سیدنا معاویہؓ کی ابدی جُدائی پر الم انگیز تقرر کے الفاظ نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بلکہ اعتماد و محبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ وہ حضرات صحابہ اور تابعین کرام تھے جنہوں نے سچپن سے لے کر جوانی کی موجودہ منزل تک امیر ریزید کے شب و روز کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دینی ماحول میں ہوشیاری سنبھالنے والا یہ اسلامیت اور صاحبِ کردار نوجوان مسلمانوں کے اجتماع کی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت و امارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی استعداد رکھتا ہے انہیں سیدنا ریزید کی شخصیت میں ایک ایسے قائد اور خلیفہ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی جو فاردنی عزم و ارادہ کے ساتھ متحد و سرِ یکہ قائدانہ صلاحیت کے وہ غیرسانی نقوش ثبت کر چکا تھا جن کی یاد اور جذبہ تشکر نے چھوٹے بڑے تمام مبصرِ حضرات کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیدنا ریزید کی خدمت میں عقیدت و محبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں کہ لایفصلون علیہ اعداء

(اس ۷۷، ۷۸ شائع کردہ دو مجلس عثمان عینی، کراچی ۱۰)

مغفرت کی بجائے اُٹالعت خداوندی میں گرفتار ہو جائے۔ کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ: "العبرة بالخواتیم"، یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے۔

اسی لئے شاد ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "تراجم ابواب بخاری" میں فرمایا ہے کہ:

قوله "مغفور لهم" تمتلک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حدیث پر:

ما شاء اللہ ما شاء اللہ چشم بد دورہ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔
اپنے سید ممدوح یزید کو جہاد کی معطلی پر صحابہ اور تابعین کرام کی زبان سے خوب نذرانہ عقیدت پیش کرایا۔ اللہ ہی بڑا دوست، "مجلس عثمان غنی" کے محققین کا ایک تحقیقی رنگ یہ بھی ہے۔

مغور فرمائیے! یہ نا صبی اپنے سید یزید کی مسخ شدہ شکل و صورت کو اپنی خود ساختہ خرافات کے رنگ و روغن سے آراستہ کر کے کس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یزید نے اپنے پہلے خطبہ میں ہجری جہاد کو معطل کرنے کا اعلان کیا۔ سرمانی

جہاد کو موقوف کیا۔ سرکاری فوج کو جو وظیفہ سال میں تین قسطوں میں ملا کرتا تھا اب اکٹھا دینے کا وعدہ کیا۔ نکلا ہر سہ ماہی انعامات پر یزید کے وفادار فوجی جتنی بھی خوشحال مناتے کم تھیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کو تو عبث بدنام کیا۔ وہ کب جہاد کی معطلی پر یزید کی تعریف کر سکتے تھے۔ اُن کے لئے تو یہ اعلان سولہاں رُوح سے کم نہ ہوگا۔ یہ تعریف کرنے والے تو دوسری لوگ تھے جن کو نہ قبل حسینؑ نہ میں کوئی باک تھا نہ انصاء مدینہ کا سر قلم کرنے میں کوئی بھچک اود۔ نہ حرمین محترمین کی عزت کو خاک میں ملانے میں کوئی عار۔ ہاں، ہاں یزید پر تعریف کے یہ ڈونگرے برسانے والے وہی دین فروش سگان دنیا تھے جو سو سو دینار کے عوض بلکہ بعض روایات کے مطابق تو محض چار اشرفیوں کے بدلے مسند ہجری میں یزید کے حکم سے مدینۃ الرسول

بعض الناس بهذا الحديث
في نجات يزيد لأنه كان من جملة
هذا الجيش الثاني بل كان
رأسهم رئيسهم على ما يشهد
به التواريخ والصحيح أنه
لا يثبت بهذا الحديث إلا
كونه مغفوراً له ما تقدم من
ذنبه على هذه الغزوة

و مغفور لهم،، فرمانے سے بعض لوگوں نے
یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ
بھی اس دوسرے لشکر میں نہ صرف شریک
بلکہ اس کا افسر و سربراہ تھا جیسا کہ تاریخ
شہادت دیتی ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے
کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا
ہے کہ اس غزوہ سے پہلے جو اس نے
گناہ کئے تھے وہ بخش دیئے گئے۔

لأن الجهاد من الكفارات
وشأن الكفارات إزالة آثار الذنوب
السابقة عليها لا الواقعة بعدها
نعم لو كان مع هذا الكلام أنه
مغفور له إلى يوم القيمة لدل
على نجاته وأذليس فيس

کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات
کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو
زائل کر دیتے ہیں۔ بعد میں ہونے والے گناہوں
کے اثر کو نہیں۔ ہاں اگر اسی کے ساتھ یہ بھی فرمادیا
ہوتا کہ قیامت تک کے لئے اس کی
بخشش کر دی گئی ہے تو بیشک یہ حدیث

و یہ ما شہد گئے ہیں

پڑھ دوڑے۔ اور میں دن تک اس پاک سرزمین پر قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا
کہ پناہ بخدا۔ انصارِ مدینہ صحابہ کرام و تابعین کی ایک خلقت تہ تیغ کر دی گئی۔
سارا شہر لوٹ کھسوٹ کر رکھ دیا۔ اور پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوا۔ تو کعبے پر چڑھ دوڑے
اس کا محاصرہ کیا۔ اور منجنیق سے اس پر گولہ باری کر کے اس کی بنیادیں ہلا دیں
یہ ہے اس کتاب کی تحقیق کا ایک نمونہ۔ یزید پسند جیسے موذی کو جو لوگ
دوستی نہ کرتے ہیں۔ ان سے سچ بولنے کی توقع ہی فضول ہے۔

بل امره مفوض الی اللہ تعالیٰ
 فیما ارتکبه من القبائح بعد
 هذه الغزوة من قتل الحسین
 علیه السلام وتخریب المدینة
 والاصرار علی شرب الخمر
 ان شاء عفا عنه وان شاء
 حذبه کما هو مطرد فی حق
 سائر العصاة علی ان الاحادیث
 الواردة فی شان من استخفت
 بالعترة الطاهرة والملحد
 فی الحرم والمبتدل للسننة بقی
 مختصات لهذا العموم لو
 فرض مشموله لجميع الذنوب
 (شرح تاجم: باب البخاری
 ص ۳۱، ۳۲) شائع کردہ کارخانہ تجارت
 کتب آرام باغ کراچی۔

اس کی نجات پر دلالت کرتی۔ اور جب یہ صورت
 نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں بلکہ اس صورت
 میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اور
 اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب
 ہوا ہے۔ یعنی حضرت حسینؑ کو قتل کرنا، مدینہ
 طیبہ کو تاراج و برباد کرنا، مے خوری پر اصرار
 کرنا، ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ
 کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ چاہے توفیق
 کر دے۔ اور چاہے تو عذاب دے۔ جیسا کہ
 تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی طریقہ
 جاری ہے۔ علاوہ ازیں وہ احادیث جو ان
 لوگوں کے بارے میں آئی ہیں کہ جو حضورؐ
 کی عزت ظاہرہ کی ناقدری کرتے۔ اور حرم
 کی حرمت کو پامال کرتے اور سنت نبویؐ کو
 بدل ڈالتے ہیں۔ وہ سب حدیثیں بالقرائن
 اس حدیث میں اگر دو معفرت عام، بھی
 مراد لی جائے جب بھی اس کے عموم کی
 تخصیص کے لئے باقی رہیں گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے، وہ
 درج ذیل ہے۔
 ستة لعنتهم ولعنهم الله
 چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے

وہل نبی مجاب الزائد فی
کتاب اللہ، والمکذوب بقدر
اللہ تعالیٰ والتمسک بالعبود
فی عزیز الک من اذل اللہ و
یذل من اعز اللہ والتمسک لحرم اللہ والتمسک
من عترتی ما حرم اللہ والتارک
لسنتی (ت، ک، عن عائشہ
ک عن ابن عمر) (الفتح
اللبیر فی ضم التزیات الح
الجایع الصغیر) از یوسف نہمانی
(ج ۲، ص ۱۵۵، مطبوعہ مصر)

اور حق تعالیٰ نے بھی اُن پر لعنت کی ہے۔ اور
ہر نبی مستحارب ہے۔ (۱) کتاب اللہ میں زیادتی
کرنی والا (۲) تقدیر الہی کی تکذیب کرنی والا۔ (۳)
جبر و زور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ
تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اُسے اعزاز بخشنے
والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے
اُسے ذلیل کرنی والا۔ (۴) حرم الہی کی حرمت کو
پامال کرنی والا۔ (۵) میری عزت کی جو حرمت اللہ
تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اسکو حلال کر دینے والا
(۶) میری سنت کا تارک۔ اس حدیث کو امام
ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت
عائشہؓ سے روایت کیا، نیز حاکم نے اس کو
حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل

کیا ہے۔

اسی حدیث کو مشکوٰۃ شریف میں بھی دو باب الایمان بالقدر، کی دو فصل ثانی
میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے کہ۔
روا البیہقی فی المدخل و رزین اس حدیث کو بیہقی نے المدخل میں اور
رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے
فی کتابہ
یہ تو نہیں علوم کہ یہ بد تقدیر کا بھی منکر تھا۔ یا نہیں مگر باقی چاروں عجیب اس میں
موجود تھے۔

(۱) وہ دھونس دباؤ اور جبر و زور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔ اہل بیت نبوی

صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک
معزز ترین خلایق ہیں۔ اُن کی توہین و تذلیل کرنے میں اُس نے کوئی کسر اٹھانے کی
مفسدین اور شریر لوگ جنہوں نے حرمین محترمتیں پر چڑھائی کی۔ اور حضرت حسین
رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جیسے عبید اللہ بن زیاد، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن
محرم بن عقبہ، حصین بن نمیر وغیرہ ایسے خبیث اور ظالم افراد اس کے نزدیک
مستزور و محترم تھے۔

(۲) اس نے حرم الہی کی حرمت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں رکھا۔

(۳) عسرت پیغمبر علیہ السلام کی عزت کو خاک میں ملایا۔ اور

(۴) تارک سنت تو تھا ہی۔

بہر حال یہ اگر تسلیم بھی کرایا جائے کہ یہ اس بشارت میں شامل تھا جو
غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے حق میں وارد ہے۔ تب بھی حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ماننا
پڑے گا کہ اس کے اب تک کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے، یہ غزوہ
مورخین کے بیان کے مطابق ۱۰۹۰ھ یا بعض کی تصریح کے مطابق ۱۰۹۵ھ
یا ۱۰۹۸ھ میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کے بعد یزید تقریباً ۱۲ - ۱۱ - ۱۰ سال تک
زندہ رہا۔ اور اس مدت میں اس نے جو جو برائیاں کیں۔ اور جس جہنم قیام کا
ارتکاب کیا۔ اُن میں اس کی مے نوشی، شہدائے کربلا کا بے دردانہ
قتل، مدینہ منورہ کی تاراجی اور بڑی اور دار، صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل
عام اور پھر یہ جہنم پر اس کی فوجوں کی چڑھائی وغیرہ۔ ان سب گناہوں
کے کفار کی آخری صورت ہونا، غزوہ قسطنطنیہ کے بعد یزید سے بوجہ
ناشائستہ مرزد ہوئی ہیں۔ اُن کا مختصر جائزہ امام ابو نعیم حاکم دہلوی

کے الفاظ میں پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیے:-

ويزيد امير المؤمنين وكان
قبيح الأثر في الاسلام قتل
اهل المدينة وفاضل
الناس وبقية الصحابة
رضي الله عنهم يوم الحرة
في آخر دولته - وقتل الحسين
رضي الله عنه وأهل بيته
في أول دولته، وحاصر ابن
الزبير رضي الله عنه في
المسجد الحرام واستخف
بحرمة الكعبة والإسلام
فأما تـ الله في تلك الأيام
وقد كان عزاً في أيام أبيه
القسطنطينية وحاصرها
ابن بزر انساب العرب ص ۱۱۲، مطبوعه
دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ

اور اپنی دوسری تصنیف ”اسماء الخلفاء والولاة وذكر مدہم“
میں ارفام فرمائی ہیں۔

لہٰذا، اس مقام اتمام ہے جہاں انہ مار مدینہ اور یزیدی لشکر کے درمیان محاصرہ رافضی ہوئی تھی۔

زیو یع یزید بن معاویۃ ؓ اذ
مات ابوہ: یکنی ابی خالد ^{ممتنع}
من بیعتہ الحسین بن علی بن
ابی طالب و عبد اللہ بن الزبیر
بن العوام: فاما الحسین علیہ
السلام والرحمة.

فنهض إلى الكوفة فقتل قبل
دخولها، وهو ثلثة محارب
الاسلام بعد امير المؤمنين
عثمان أو رابعها بعد عمر بن
الخطاب رضي الله عنه و
خروجه لأن المسلمين

استضموا في قتله ظلمًا علانية
و اما عبد الله بن الزبير فامتجا
بمكة فبقى هناك إلى ان اغذى
يزيد الجيوش إلى المدينة
حرم رسول الله صلى الله
عليه وسلم وإلى مكة
حرم الله تعالى. فقتل بقايا
المهاجرين والا نصاري
الحنقة وهي أيضًا اكرمه

یزید بن معاویہ سے اس کے والد کے انتقال
ہونے پر بیعت کی گئی۔ اس کی کنیت
ابو خالد تھی۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب
اور عبد اللہ بن زبیر بن العوام نے اس
سے بیعت کی۔ پھر حضرت حسین علیہ السلام
والرحمہ کو کوفہ کی طرف نہضت فرما ہو گئے
اور کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی
آپ کو شہید کر ڈالا گیا۔ آپ کی شہادت
امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی شہادت کے بعد اسلام میں تیسری
مصیبت اور حضرت عمر بن الخطاب رضی
اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چوتھی مصیبت اور
اسلام میں رخنہ اندازی ہے۔ کیونکہ حضرت
حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مسلمانوں پر عظیم
ظلم توڑا گیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی
اللہ عنہ نے مکہ معظمہ جا کر حواری اپنی
میں پناہ لی۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔
تو آنکہ یزید نے مدینہ نبوی حرم رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ معظمہ کی طرف
جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے۔ اپنی فوجیں لڑنے
کے لئے بھیجیں۔ چنانچہ سترہ کی جنگ میں

الاسلام ونحرومه . لان اقال
 المسلمين وبقية الصحابة
 وخيار المسلمين من جلة
 التابعين قتلوا جبراً
 ظلماً في الحرب وصبراً
 وجات الخيل في مسجد
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم وراقت وبالت في
 الروضة بين القبر و
 المنبر ولم تصل جماعة
 في مسجد النبي صلى
 الله عليه وسلم ولا كان
 فيه أحد حاشا سعيد بن
 المسيب فانه لم يفارق
 المسجد . ولو لا شهادة عمر
 بن عثمان بن عفان
 ومروان بن الحكم
 عند مجرم بن عقبة الموي
 بانه مجنون لقتله . و
 اكرو الناس على ان يباحوا
 يزيد بن معاوية على

عہاجرین اور انصار جو باقی رہ گئے تھے۔
 ان کا قتل عام کیا۔ یہ حادثہ فاجعہ بھی
 اسلام کے بڑے مصائب اور اس میں
 رخنہ اندازی میں شمار ہوتا ہے۔ کچھ نہ
 افاضل مسلمین، بقیہ صحابہ اور اکابر تابعین
 میں بہترین مسلمان اس جنگ میں کھلے
 دھڑے ظلماً قتل کر دیے گئے اور گرفتار
 کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔ یزیدی شہر
 کے گھوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی مسجد میں جولانی دکھاتے رہے۔ اور
 اور افاضل الجنۃ،، میں آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی قبر اور آپ کے منبر مبارک
 کے درمیان لید کرتے اور پیشاب کرتے
 رہے۔ ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک
 نماز کی بھی جماعت نہ ہو سکی۔ اور نہ بجز
 حضرت سعید بن المسيب کے وہاں کوئی
 فرد موجود تھا۔ انہوں نے مسجد نبوی کو
 بالکل نہ چھوڑا۔ اگر عمر بن عثمان بن عفان
 اور مروان بن الحكم (یزیدی)۔ الا لشکم
 مجرم (مسلم) بن عقبة کے سامنے یہ شہادت
 نہ دیتے کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ تو وہ ان کو بھی

انہم عیدلہ ، ان شاء
 باع وان شاء اعتق ، و
 ذکرہ بعضہم البیعة
 علی حکم القرآن
 وسنتہ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم فامر
 بقتلہ فضرب عنقه
 صبرا وھتک مسرۃ
 او مجرم الاسلام ھتکا
 وانھب المدینة ثلاثا
 واستخف باصحاب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم وملت الیدی الیہود انتھبت
 دورھم وانتقل ھو لاند الخ
 مکة شرفھا اللہ تعالیٰ
 فحوصوت و
 ابیت بحجارة
 المنجنيق تولى ذالك
 الحصين بن قيس السكوني
 في جيوش اهل الشام،
 وذالك لان مجرم بن

ضرور مار ڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں
 لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہ
 سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ
 اس کے غلام ہیں چاہے وہ ان
 کو نیچے چاہے ان کو آزاد کرے
 اور جب ان کے سامنے ایک
 صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم
 قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بیعت
 کرتے ہیں تو اس نے ان کے
 قتل کا حکم دیا اور ان کو گرفتار کر کے
 فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس مسرف
 یا مجرم و مسلم بن عقبہ نے اسلام
 کی بڑی بے عزتی کی۔ مدینہ منورہ میں
 تین دن برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری
 رہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم کے صحابہ کو ذلیل کیا گیا ان پر
 دست درازمی کی گئی ان کے گھر
 کو لوٹا گیا (مدینہ طیبہ کو تباہ و تاراج
 کرنے کے بعد) یہ فوج مکہ معظمہ
 شرفیاء اللہ تعالیٰ کی طرف چلی پڑی

عقبۃ المری مات بعد
 رفعة الحرة بثلاث
 لیل وولی مکانه
 الحصین بن نمیر، واخذ
 الله تعالى یزید اخذ عزیز
 مقتدر فمات بعد الحرة
 باقل من ثلاثة اشهر
 وازید من شهرین
 وانصرف الجیوش
 عن مكة - ومات یزید
 فی نصف ربیع الاول
 سنة اربع وستین
 وله یف وثلاثون
 سنة امه میسون
 بنت بحدل الکلبیة
 وكانت مدته ثلاث
 سنین وثمانیة اشهر
 وایاما فقط - ۱ ص ۳۵۷

(۳۵۸ طبع مصر)

وہاں جا کر کہ معطلہ کا محاصرہ کیا
 گیا اور بیت اللہ پر منجینی سے
 سنگباری کی گئی۔ یہ کام حصین
 بن نمیر کی سرکردگی میں شام کے
 لشکروں نے انجام دیا جس کی وجہ
 یہ تھی کہ مجرم بن عقبہ مری کو تو جنگ
 حرۃ کے تین دن بعد ہی موت نے
 آدلوچا تھا اور اب اس کی جگہ سالار
 لشکر حصین بن نمیر ہو گیا تھا اور اللہ
 تعالیٰ نے یزید کو بھی اسی طرح دھڑ
 پکڑا جس طرح وہ غالب قدرت
 والا پکڑا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی
 واقعہ حرۃ کے بعد تین ماہ سے کم اور
 دو ماہ سے زائد کی مدت میں موت
 کے منہ میں چلا گیا اور یزیدی لشکر
 کا معطلہ سے واپس چلے گئے۔ یزید
 کی موت ۱۵ ربیع الاول ۲۲ھ ہجری
 کو واقع ہوئی، اس وقت اس کی
 عمر کچھ اوپر بیس سال تھی اس کی ماں
 کا نام میسون بنت بحدل کلبیہ تھا،
 یزید کی مدت حکمرانی کل تین سال

خلاصہ بحث یہ ہے کہ

اول تو یزید غزوہ قسطنطنیہ میں بخوشی خاطر شریک ہی نہیں ہوا، جو وہ اس بشارت کا مستحق ہو اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود دل سے اس غزوہ میں شریک ہوا تھا تب بھی اس بشارتِ مغفرت کا تعلق اس کے ان گناہوں سے ہوگا۔ جواب تک اس سے سرزد ہوئے تھے، اور جو معاصی اور جرائم اس "غزوہ قسطنطنیہ" میں شریک ہونے کے بعد اس سے سرزد ہوئے ہیں ان کی مغفرت کا اس بشارت سے کوئی تعلق نہیں وہ اس کے ذمہ باقی ہیں اور اگر کسی کج فہم کو اب بھی اس پر اصرار ہو کہ حدیث میں مذکورہ مغفرت کا تعلق اس کے تمام گناہوں سے ہے، اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والے ہر فرد کے تمام گناہ پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں اور مذکورہ مغفرت سے ہر فرد کی مغفرت عام مراد ہے تو یہ محض غلط ہے اور اس مغفرت کے عام مراد ہونے کی تفصیل کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گذری ہے۔ اور اس کی روشنی میں یزید کے سیاہ کارناموں کی تفصیل بھی آپ پڑھ چکے۔ اب ایسے نابکار کے جنتی ہونے پر اصرار کرنا کس قدر شدید غلطی ہے۔ ناصبیوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ممدوح یزید کو خلیفہ راشد مانیں، اس کے جنتی ہونے کا اعتقاد رکھیں بلکہ جیسا کہ بعض جاہل ناصبیوں کا عقیدہ تھا اس کو صحابی سمجھیں یا اس کی نبوت کا اقرار کریں مگر لیکن

اہل حق میں سے کوئی شخص بحالتِ صحت ہوش و حواس یزید کے ان سیاہ کارناموں کے باوجود اس کے جنتی ہونے کی کیسے شہادت دے سکتا ہے۔

یزید عیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے

ہاں علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ ہر فاسق کی سرکردگی میں جہاد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاد ہر حکمران کی معیت میں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ حدیث غازیان شہر قیصر کی تعریف پر مشتمل ہے حالانکہ اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ اور یزید تو یزید ہی تھا۔ کہ اس کی نابکاری و نالائقی

وفیه مشروعية الجهاد مع کل امام لتضمنه الشاء علی من خزا مدینة قیصر وکان امیر تلك الغزوة یزید بن معاویہ ویزید یزید۔

(فتح الباری - جلد ۱۱ ص ۶۵)

(بقیہ ماثیہ گذشتہ صفحہ)

ناہی جہادوں کی ایک جماعت اس یزید کو صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناہی اس کو نبی بھی مانتے ہیں۔

نطائفة من الجہال یظنون یزید هذا من الصحابة وبعض ضلالتهم یجعلہ من الانبیاء۔

(رج - ص ۴۹ مطبع امیرہ بولاق مصر)

(سنۃ ہجری)

غیبت ہے ہمارے دور کے ناہی ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے بلکہ وہ یزید کو صرف حیدرِ راشد سمجھتے ہیں اور سیدنا کہہ کر اس کی خدمت میں آداب بجالاتے ہیں۔

معلوم خاص و عام ہے

اور امام ابو بکر احمد بن علی ابی حنبلہؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں :-

وقد كان اصحاب النبي

صلى الله عليه وسلم يغزون

بعد الخلفاء الاربابه

مع الامراء الفساق وغزا

أبو أيوب الأنصاري مع

يزيد اللعين -

(رج - ۳ ص ۲۷)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب

خلفاء اربعہ کے بعد فاسق امراء

کے ساتھ بھی جہاد میں شریک

ہوتے تھے - چنانچہ حضرت

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ

نے یزید لعین کی معیت میں بھی

جہاد فرمایا ہے -

”مدینہ قیصر“ سے مراد قسطنطینیہ

نہیں ، بلکہ حمص ہے -

اور یاد رہے کہ ساری بحث اس

صورت میں ہے جب کہ ہم اس

حدیث میں جو ”مدینہ قیصر“ کے الفاظ آتے ہیں اس سے ”قسطنطینیہ“ ہی

مراد لیں ورنہ اگر ”مدینہ قیصر“ شہر مراد لیا جائے کہ جو اس وقت قیصر کا

دار السلطنت تھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک

پر بشارت کے یہ الفاظ تھے تو ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس

صورت میں ”مدینہ قیصر“ سے مراد ”قسطنطینیہ“ نہیں بلکہ حمص ہے چنانچہ

شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں فرماتے ہیں

اور بعض علماء کی تجویز یہ ہے کہ

”شہر قیصر“ سے مراد وہی شہر ہے کہ ہمارا

قیصر اس روز تھا کہ جس روز آنحضرت

و بعضے تجویز کنند کہ مراد مدینہ

قیصر ”مدینہ“ باشد کہ قیصر در آنجا بود

روزے کہ فرمود ایں حدیث را

نحضرت، وآن حص است کہ در
آل وقت دار مملکت او بود۔
واللہ اعلم

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے یہ
حدیث فرمائی تھی اور یہ شہر حص تھا
جو اس وقت قیصر کا دار السلطنت
تھا۔ واللہ اعلم۔

اشرح فارسی صحیح بخاری از شیخ الاسلام

مطبوعہ برعاشیہ تبیین القاری ج ۲۰ ص ۶۶

طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۲ ہجری

اب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ اس وقت قیصر کا دار الملک "حص" نہیں
بلکہ قسطنطنیہ ہی تھا اور اس عہد میں جب بھی "مدینہ قیصر" کے الفاظ استعمال
ہوتے تھے اس سے مراد شہر قسطنطنیہ ہی جاتا تھا پھر اس دعویٰ کو ثابت کرنے
کے لیے لغت عرف، اشعار عرب اور آثار و احادیث سے سند لانا ضروری
ہے محض دعویٰ سے کام نہیں چلتا۔

صحیح بخاری میں نیزید | یہ بھی واضح ہے کہ صحیح بخاری میں نیزید کے بارے
میں بس یہی ایک حدیث نہیں ہے کہ جس کو مستفتی
کی مذمت میں حدیثیں | نے استفہار میں درج کر دیا ہے بلکہ اور بھی متعدد روایات
موجود ہیں جن میں نیزید کی بدکرداری اور بداطواری کی پوری طرح نشاندہی کر دی
گئی ہے، نیزید کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ان روایات کو بھی نظر میں رکھنا
چاہیے۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:-

پہلی حدیث | (۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے دو طرف علم یاد کیے ہیں،

حفظت عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وعائین

لم يثبت على الاحاديث التي
 فيها تبين اُسامى امراء
 السوء واحوالهم وزمنهم
 وقد كان ابو هريرة يكتنى
 عن بعضهم ولا يصرح به
 خوفاً على نفسه منهم
 كقوله: "اعوذ بالله من رأس
 الستين وإمارة الصبيان"
 يشير الى خلافة يزيد بن
 معاوية لأنها كانت سنة
 ستين من الهجرة و
 استجاب الله دعاء ابى
 هريرة فمات قبلها
 بسنة.

فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۳ طبع میرٹھ

مصر ۱۳۰۰ھ

جس کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے اشاعت نہ کی ان احادیث
 پر محمول کیا ہے جن میں امر اسود
 (بدکردار و نابکار حاکموں) کے ناموں
 کی تفصیل، ان کے حالات اور زمانے
 کا بیان تھا حضرت ابو ہریرہ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ ان نالائق صمرانوں میں
 سے بعض کا ذکر اشارہ کنایہ میں کر دیا
 کرتے تھے مگر صراحتاً ان کا نام نہیں
 لیتے تھے کہ کیسے وہ ان کو جان سے
 نہ مار ڈالیں، چنانچہ فرمایا کرتے تھے
 کہ "میں اللہ تعالیٰ سے ستہ کے
 شروع ہونے اور لوٹنے کی حکومت
 سے پناہ مانگتا ہوں" یہ یزید بن معاویہ
 کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا کہ وہ
 ستہ ہجری میں قائم ہوئی اور حق
 تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کی دعا قبول بھی فرمائی چنانچہ
 وہ یزید کے بادشاہ ہونے سے ایک
 سال پہلے ہی دنیا سے رحلت فرما
 گئے۔

دوسری حدیث | امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصحیح "میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں ۔

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک امتی علی

یدی اُنْجیلۃ من قریش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ "میری امت کی ہلاکت قریش کے

چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی"

اور پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے :

عمر بن لُحَیْی بن سعید بن عمرو بن سعید

کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان

نے بتلایا کہ مدینہ شریف میں حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت

مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

ہیں نے صادق و مصدق صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ "میری امت کی ہلاکت

قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہو

گی" اس پر مروان کی زبان سے

نکلا "خدا کی ان پر لعنت ہو، لونڈے

ہوں گے" حضرت ابو ہریرہ رضی

حدثنا موسیٰ بن اسمعیل

حدثنا عمرو بن یحییٰ بن سعید

بن عمرو بن سعید قال اخبرنی

جدی قال کنت جالساً مع

ابی ہریرۃ فی مسجد النبی

صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة

ومعنا مروان قال ابو ہریرۃ

سمعت الصادق المصدق

يقول "هلاک امتی علی یدی

علمۃ من قریش" قال

مروان لعنة اللہ علیہم

علمۃ فقال ابو ہریرۃ لو شئت

ان اقول بنی ہلال

بنی ہلال فقلت، فکنت

اخرج مع جدی الی بنی مران
 حین ملکوا بالشام فاذا
 رأهم غلماناً أحداثاً
 قال لنا عسی هؤلاء
 یكونوا منهم قلنا انت
 أعلم -

اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں بتانا
 چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں
 گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔ (عمر و کا
 بیان ہے کہ) پھر میں اپنے دادا جان
 کے ساتھ جب بنی مروان کی حکومت
 شام پر قائم ہوئی تو ان کے یہاں جایا
 کرتا تھا اور دادا جان جب ان کو
 لونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ
 غالباً یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق
 حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا تھا، ہم یہ
 سن کر کہتے آپ کو خوب معلوم ہے

میری امت کی تباہی قریش کے
 چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے
 فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں جس حدیث کا حالہ دیا ہے وہ مسند احمد
 اور سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یاسی الفاظ مروی ہے
 ان فساد اُجستی علی یدی
 غلبۃ سفہار من قریش -
 میری امت کی تباہی قریش کے
 چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں
 ہوگی۔۔

(ج ۱۳ - ص ۸)

اس ہلاکت اور فساد کی تشریح جس کا
 ذکر صحیح بخاری کی ان حدیثوں میں

لونڈوں کی حکومت کی کیفیت

آپ کی نظر سے گذرا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت
میں جس کو علی بن ابیحد اور ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، ان الفاظ میں
مذکور ہے۔

اعوذ باللہ من امارة
الصبيان۔ قالوا وما امارۃ
الصبيان؟ قال ان اطعتهم
هلكتم، وان عصيتموهم
اهلكوكم۔

فتح الباری (ج ۱۲ - ص ۸)

”میں اللہ کو نڈوں کی امارت سے پناہ مانگتا
ہوں“ حاضرین نے عرض کیا: لوندوں
کی امارت کیا معنی؟ فرمایا یہ کہ اگر تم نے
ان کی اطاعت کی تو ہلاک ہوئے اور اگر تم نے ان کی
نا فرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر کے
چھوڑیں گے (یعنی تمہیں جان سے
مار ڈالیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں
گے یا تمہاری جان و مال دونوں تباہ
کر کے رکھ دیں گے)۔

۱۔ آپ اپنی اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے، حافظ شمس الدین ذہبی نے
میزان الاعتدال میں شمر بن ذی الجوشن کا جو تذکرہ لکھا ہے وہ پڑھیے، فرماتے
ہیں۔

شمر بن ذی الجوشن ابو السابقة ضبائی،
اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، اور
اس سے ابو اسحاق سبیعی۔ یہ اس کا اصل
نہیں کہ اس سے روایت لی جائے، کیونکہ
(بقیہ صفحہ پر)

شمر بن ذی الجوشن أبو
السابقة الضبائی عن أبيه
وعنه أبو اسحاق السبيعي ليس
بأهل للرواية فإنه أحد قتلة

نیز ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ

(بھیف شیبہ گزشتہ صفحہ)

الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، وقد
تسله اعدوان المصنعا ، روى
ابو بكر بن عياش عن ابي اسحق
ثان كان شمر يصلي معنا ثم
يقول : اللهم انك تعلم اني
شريف فاعف عني قلت :
كيف يعف الله لك وقد اعنت
على قتل ابن رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال : يحك فكيف
نصنع ؟ ان امرانا هؤلاء
امرونا بامر فلم نخالفهم
ولو خالفناهم كنا مشركا من
هذه الحمر الشقاء -
قلت ان هذا العذر
قبيح فانما الطاعة في
المعروف -

(رج - ۱ ص ۴۴۹ - طبع

مصر ۱۳۲۵ھ)

❖ ❖ ❖

یہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
قائلین کا ایک فرد تھا ، شمر کو مختار کے کاندھا
سے قتل کیا ، ابو بکر بن عیاش ، ابو اسحاق
سے راوی ہیں کہ شمر ہمارے ساتھ نماز
پڑھتا اور پھر یوں دعا کرتا کہ "اے اللہ
تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں
اس لیے مجھے بخش دے اس پر میں نے
اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کیوں بخشے
لگا تو نے تو ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے قتل میں اعانت کی ہے
کہنے لگا ، تجھ پر افسوس ! پھر ہم کیا کریں
رہا راکیا بس تھا ، ہمارے ان حاکموں نے
ہمیں ایک حکم دیا تھا ہم نے اس کی نجات
نہ کی ، اور اگر ہم ان کی مخالفت کرتے
تو ان بد نصیب گدھوں سے بھی بدترین
بن جاتے ۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے

ہیں کہ یہ عذر رتبہ ، اطاعت تو صرف

نیک کام ہی ہوا کرتی ہے ۔

ان ابھریۃ کان یمشی فی
انسوق و یقول اللھم لاتدرکنی
سنتہ ستین و لا إھارۃ
الصیبان -

فتح الباری ج ۱۳ ص ۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بازار میں جاتے جاتے یوں دعا کرنے
لگتے "اے اللہ مجھے سنتہ کا زمانہ
نہ آنے پائے اور نہ لونڈوں کی ہمارت
کا"

امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں
میں یزید سرفرست ہے،

لکھتے ہیں :-

وفی ہذا اشارۃ الی أن اول
أمة غیلة کان فی سنتہ
ستین و شوکذا ان
فان یزید بن معاویۃ یختلف
فیہا و یبقی الی ستۃ اربع
وستین فمات -

فتح الباری ج ۱۳ ص ۸

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی اس حدیث میں اس طرف اشارہ
ہے کہ ان لونڈوں میں سب سے
پہلا لونڈا سلسلہ میں برسر اقتدار آیا
جو بالکل واقع کے مطابق ہے۔ کیونکہ
یزید بن معاویہ اسی سلسلہ میں بادشاہ
بنا اور پھر سلسلہ تک زندہ رہ کر مر گیا

اور پھر مزید افادہ یہ فرماتے ہیں کہ :

اس روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
اس روایت کے عموم کی اپنی تخصیص ہو جاتی ہے جس کو ابو زر عدی
ان سے نقل کیا ہے اور جو باب علامات النبوة میں بایں الفاظ گزر چکی

مروان کا ان مفسد لونڈوں پر لعنت کرنا | نیز اس باب کے ختم پر حافظ ابن حجر عسقلانی

علیہ الرحمہ نے جو تنبیہ فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے، فرماتے ہیں۔

(تنبیہ) یتعجب من

لعن مروان الغلمة

المذكورین مع ان الظاهر

انهم من ولده فكانت

الله تعالى أجرى ذالك

على لسانه ليكون اشد

في الحجۃ علیہم لعنہم

یتفظون ،

وقد وردت احادیث

فی لعن الحكم والد مروان

وما ولد اخرجهما

الطبرانی وغیره غالبها

فیہ مقال و بعضہا

جید و لعل المراد

تخصیص الغلۃ المذكورین

بذالك۔

(ج - ۱۳ ص ۹)

(تنبیہ) تعجب ہوتا ہے کہ مروان

نے ان مذکورہ لونڈوں پر لعنت

کی حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی

اولاد ہی میں ہوئے ہیں۔ پس گویا

حق تعالیٰ شانہ نے یہ بات اس کی

زبان سے کسوا دی تاکہ ان لونڈوں

پر سخت حجت قائم ہو جائے اور یہ

اس بات سے وہ کچھ نصیحت کریں

اور ہاں مروان کے باپ حکم

اور اس کی اولاد پر حدیثوں میں لعنت

وارد ہوئی ہے ان حدیثوں کو طبرانی

وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں

سے اکثر روایات ہیں گفتگو کی

گنجائش ہے مگر ان میں سے بعض

روایات جید بھی ہیں اور غالباً لعنت

ان ہی لونڈوں کے ساتھ مخصوص ہے

جن کا ذکر حدیث بخاری میں آتا ہے

یزید کے دور میں صحابہ و تابعین پر مظالم | غرض قریش کے چند نوخیز
لوندے جن کے ہاتھوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے
ان سب میں اول نمبر یزید پلید کا ہے، چنانچہ اس کی ولی عہدی کی سلسلہ
جنبانی کے آغاز سے لے کر اس کے مرتے دم تک اس عہد کے اخبارات
صحابہ و تابعین پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور ان کی جس طرح توہین و بدنامی
کی گئی اور ان کے ساتھ قتل و غارت کا جو معاملہ ہوا۔ اس سے تاریخ اسلام
کے اوراق پڑھیں اور صحیح بخاری میں اس سلسلہ کے جو واقعات ضمناً آگئے
ہیں وہ یہ ہیں :-

یوسف بن ماہک کا بیان ہے کہ
مروان، حجاز کا گورنر تھا، جس کو امیر
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں
کا عامل مقرر کیا تھا اس نے خطبہ
دیا جس میں یزید بن معاویہ کے متعلق
ذکر کرنے لگا تا کہ اس کے باپ کے
بعد اس کے لیے بیعت لے لی جائے
اس پر حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مروان سے
کچھ کہا تو اس نے ابراہیم بن خنیس کو کہہ
اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس شخص
کو گرفتار کر لو یہ سن کر حضرت عبد الرحمن

رضی اللہ عنہما نے اسے اسماعیل
قال حدثنا ابو عوانة عن
ابی بشر عن يوسف بن ماہک
قال کان مروان علی الحجاز
استعمله معاویة فخطب
فجعل یذکر یزید بن
معاویة لکی یمایع له بعد
ایہ ، فقال له عبد الرحمن
بن ابی بکر شیئا فقال خذوه
فدخل بیت عائشة
فلم یقدروا ، فقال
مروان ان هذا الذی

انزل فیہ " وَالَّذِي قَالَ
لِوَالِدَيْهِ أَفِ لِحُكْمَا
أَتَقِدَا إِنِّي ۚ فَقَالَتِ
عَائِشَةُ مِنْ حِوَارِ الْجَوَابِ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِينَا شَيْئًا
مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنْ اللَّهُ
أَنْزَلَ عَذْرَى

(صحیح بخاری ج ۲۰ ص ۵۷)
کتاب التفسیر، سورہ اہقان

بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی بہن
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کبریٰ
اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں گھس گئے
اور مروان کی پولیس کا ان پر قابو نہ
چل سکا۔ اب مروان (جھلک کر) بولا
یہ وہی شخص تو ہے جس کے بارے
میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی
تھی " اور جس شخص نے اپنے ماں
باپ کو کہا میں بیزار ہوں تم سے کیا تم مجھ
کو وعدہ دیتے ہو؟ الخ حضرت
ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نے (جب مروان کی یہ غلط بیانی
سنی تو) پردے کے پیچھے ہی سے
جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری مدت
میں تو قرآن پاک میں کچھ نازل نہیں
کیا ہے ماں اللہ تعالیٰ نے میری برکت
اور پاکدامنی کی آیتیں ضرور نازل
فرمائی ہیں۔

امام بخاری کی اس روایت میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل مستخرج
اسماعیلی " میں اسی سند کے ساتھ بایں الفاظ مذکور ہے :-
فأراد معاوية أن يستخلف معاوية رضي الله تعالى عنه لئلا يراد

یزید یعنی ابنہ فکتب
 إلی مروان بذالك فجمع
 مروان الناس فخطبهم
 وذكر یزید ودعا إلی
 بیعتہ ، وقال إن اللہ
 أری امیر المؤمنین فی
 یزید ماأیا حسنا وان
 یستخلفہ فقد استخلف
 ابوبکر وعمر۔

کیا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں
 تو مروان کو اس کے بارے میں لکھا
 اب مروان نے لوگوں کو جمع کر کے
 خطبہ دیا اس میں یزید کا ذکر کر کے
 اس کی بیعت کی دعوت دی، اور کہنے
 لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید
 کے بارے میں اچھی رائے بھیجی ہے۔
 اب اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے
 ہیں تو ابوبکر و عمر بھی خلیفہ بنا چکے ہیں

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا
 مروان کو برسر منبر ٹوکنا
 ظاہر ہے کہ اس لغو بیانی کا جواب
 سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہی کو دینا چاہیئے تھا، چنانچہ حسب توقع انہوں
 نے نہایت جرأت سے کام لے کر بڑی بے باکی سے سلطان حابر کے سامنے
 کلمہ حق کی ادائیگی کے فریضے کو انجام دیتے ہوئے فرمایا :-
 ماہی الا ہرقلیۃ ۔
 یہ تو ہر قلؑ کی اتباع کے سوا کچھ
 نہیں ۔

اور حافظ اسماعیلی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں :-

فَقَالَ مَرُوانُ سَنَةِ ابْنِ
بَكْرٍ وَعُمَرُ فَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ
سَنَةُ هَرَقْلٍ وَثِقِيسٍ

مروان کہنے لگا یہ ابو بکر اور عمر کی سنت
ہے ۔ اس پر حضرت عبدالرحمن رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (نہیں بلکہ)
ہرقل و قیس کی رسم ہے ۔

اور مسند ابی یعلیٰ اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبداللہ مدنی کی زبانی اس واقعہ
کی یہ تفصیل مروی ہے :-

كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ حِينَ
خَطَبَ مَرُوانُ فَقَالَ إِنَّ
اللَّهَ قَدْ أَدَّى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
رَأْيًا حَسَنًا فِي يَزِيدٍ ، وَأَنْ
يَسْتَخْلَفَهُ فَقَدْ اسْتَخْلَفَ
أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ ، فَقَالَ
عَبْدُ الرَّحْمَنِ هَرَقْلِيَّةٌ
إِنْ أَبَا بَكْرٍ وَاللَّهِ مَا جَعَلَهَا
فِي أَحَدٍ مِنْ وَلَدِهِ ، وَلَا
فِي أَهْلِ بَيْتِهِ ، وَمَا
جَعَلَهَا مَعَ وَدِيهِ الْاِكْرَامَةُ
لَوْلَدِهِ ۔

جس وقت مروان نے خطبہ دیا میں
مسجد نبوی میں موجود تھا کہنے لگا اللہ
تعالیٰ نے امیر المؤمنین معاویہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے بارے میں ہر
رائے بھائی ہے ۔ اگر اس کو خلیفہ بنا
ہیں تو ابو بکر و عمر بھی بنا چکے ہیں ۔
اس پر حضرت عبدالرحمن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہرقل کا طریقہ
ہے واللہ ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
نے اپنی اولاد میں کسی کو خلافت
میں سوچی اور نہ اپنے خاندان میں
سے کسی کو خلیفہ بنایا ، مگر معاویہ تو
بس اپنے بیٹے کو اعزاز بخشا چاہتے
ہیں ۔

حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا | ظاہر ہے اس حق بات کو سننے کی تاب مروان میں کہاں تھی،

فورا الزام تراشی پر اتر آیا اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا آخر جیسا کہ محدث اسماعیلی کی روایت میں آتا ہے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہنا پڑا۔

كذب والله ما ازلت فيه۔
واللہ مروان جھوٹ بکتا ہے یہ آیت
عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے
میں نازل ہی نہیں ہوئی۔

مروان کی حضرت عائشہ سے سخت کلامی | مسند ابویعلیٰ میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر مروان منبر سے

اُتر کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سخت کلامی کرنے لگا اور آپ نے بھی اس کو ویسے ہی جواب دیئے آخر واپس چلا گیا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق | اب ذرا غور کیجئے، مروان کی یہ تقریر کہاں ہو رہی ہے، منبر نبوی سے، مسجد نبوی میں، روضہ رسول

معاویہ اور ابوسفیان سے افضل ہیں
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے، یزید کی دلی عہدی کی بیعت لینے کے لیے اس پر افتراء پردازندہ کا یہ عالم ہے کہ اس دلی عہدی کی رسم کو حضرات شہین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت بتلا رہا ہے۔ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کو ٹوکتے ہیں کہ یہ ابو بکر و عمر کی سنت نہیں ہے بلکہ ہرقل اور قیصر کی رسم دلی

عہدی ہے تو گزرتا ہے الزام تراشی کرتا ہے، کتاب اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، ذرا نہیں سوچتا کہ کہاں ہوں، کس مقام سے بول رہا ہوں، کس سے مخاطب ہوں یہ کس باپ کے بیٹے ہیں، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے اس کے والد ماجد معاویہ اور جد امجد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی نہیں قرآن افضل ہیں مگر چونکہ جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مولفۃ القلوب تھے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلقاً" میں ان کا شمار ہے۔ اور عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں فتح مکہ سے بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو کر ہجرت فرمائے مدینہ ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کی آمدنی میں سے ان کے لیے چالیس وسقی سالہ خیرا کا وظیفہ مقرر کروا دیا تھا۔ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے "کان من سادات المسلمین" (یہ مسلمانوں کے اکابر ہیں سے تھے) اور "کان معظماً بین اہل الاسلام" (اہل اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے) اب جس کی ولی عہدی کے سلسلے میں اکابر صحابہ کی اس طرح توہین کی جائے اس کی بادشاہی کے دور میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

عبدالرحمن بن ابی بکر کا معاویہ کی رقم کو واپس کروینا | عاقلانہ کثیر

سے پسند نقل کیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھیجے مگر

حضرت مدوح نے یہ کہہ کر ان کے ہلنے سے انکار کر دیا کہ ابسے دینی بدنیای؟ کیا میں اپنی دنیا کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالوں اے آخر کار اکابر صحابہ کے پر زور احتجاج کے باوجود ان کی مرضی کے برخلاف یزید راج سنگھاسن برحمان ہو جاتا ہے، اور امت محمدیہ پر ہلاکت کا طوفان امنڈ اُٹتا ہے، رجب ستہ ہجری میں یزید بادشاہ بنا، اور اسی سال ماہ رمضان میں یزید اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید شذوق کا تقرر کرتا ہے۔

یزید کا گورنر مدینہ کو اس لیے معزول کرنا کہ
اس نے حضرت حسین و ابن زبیر پر سختی نہ کی تھی

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وہ سختی نہ کی تھی جو یزید کو مطلوب تھی اس لیے یہ دونوں حضرات یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ منورہ سے بچر و عافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے۔ حالانکہ یزید کا ان کے بارے میں ولید کو یہ فرمان آچکا تھا کہ

اما بعد فخذ حسینا
وعبد اللہ بن عمر و
عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة
اخذاً شدیداً لیست فیہم
حتى یبایعوا والسلام

اما بعد حسین و عبداللہ بن عمر اور
عبداللہ بن زبیر کو بیعت کے لیے
سختی کے ساتھ پکڑو، اور جب
تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں ذرا
ڈھیل نہ ہونے پائے۔ والسلام

مروان کا مشوہ کہ ان حضرات کا
سہ قلم کر دیا جائے

مروان کا مشورہ ان حضرات کے بارے
میں ولید کو یہ تھا کہ اگر یہ حضرات بیعت
نہ کریں تو فوراً ان کا سر قلم کر دے مگر ولید نے مروان کی بات نہ مانی اس لئے اس
شاہی فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کا لازمی نتیجہ معزولی تھا۔ حافظ ابن کثیر نے
جو اس کی معزولی کی وجہ میں "لتقریطہ" کا لفظ لکھا ہے وہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے
حضرت ابو شریح کا گورنر مدینہ کو | چنانچہ اس کی جگہ گورنر ہو کر عمرو بن سعید اسی ماہ
حرم پر فوج کشی سے منع کرتا | میں مدینہ آگیا یہ مزاج کا بڑا فرعون اور بڑا متکبر

تھا، حافظ ابن کثیر کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں وکان متالها متکبرا
یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چونکہ ابھی تک یزید کی بیعت نہ کی تھی اور وہ حرم الہی
میں پناہ گزین تھے اس لئے اس نابکار نے ان کو گرفتار کر کے لئے مدینہ میں
آتے ہی حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی تھی اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور و محترم صحابی حضرت ابو شریح خزاعی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے جس بہترین انداز میں اسے فہمائش کی وہ صحیح بخاری
میں اس طرح منقول ہے۔

چوتھی حدیث | (۴) حدیثنا عبد اللہ بن
حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لہ البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۴۸ ایضاً مولانا مناظر احسن گیلانی
مرحوم نے "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی میں اس واقعہ کو عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت
کا گمان کیا ہے جو صحیح نہیں یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانہ حکمرانی میں ہوا ہے ملاحظہ ہو
"البدایہ والنہایہ" ترجمہ یزید بن معاویہ اور "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" ترجمہ حضرت ابو شریح
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یوسف قال حدثنا الليث
 قال حدثني سعيد هو
 ابن ابی سعید عن ابی
 شریح انه قال لعمر
 بن سعید - وهو یبعث
 البعوث الی مکه اذن
 لی ایها الامیر احدثک
 قولاً قام به رسول الله
 صلی الله علیه وسلم الغد
 من یوم الفطر سمعته
 اذ نای ووعاه قلبی وابصرته
 عینای حین تکلم به احمد
 الله واشی عید ثم قال
 ان مکه حرمها الله ولم
 یحرمها الناس فلا یحل
 لامری یوم من بالله والیوم
 الآخر ان یفسل بها دماً
 ولا یعضد بها شجرة فان
 اُحد ترخص لقتال رسول
 الله فیها فقولوا ان الله
 قد اذن لرسوله ولم یذن

نے عمرو بن سعید کو جب کہ وہ مکہ
 معظمہ پر چڑھائی کے لیے فوج کے
 دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر
 اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے
 سامنے وہ حدیث بیان کروں جس
 کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے
 ہو کر بیان فرمایا تھا اور جس کو میرے
 دونوں کانوں نے سنا اور دل نے
 یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو
 بیان فرما رہے تھے تو میری دونوں
 آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں
 آپ نے حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد
 فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم
 بنایا ہے، لوگوں نے اس کو حرم
 نہیں بنایا لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ
 اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس
 کے لیے یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں
 کسی کا خون بہائے اور نہ وہاں کا
 کوئی درخت کاٹے، پھر اگر کوئی
 شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لکم وانما اذن لی فیہا
ساعة من فہارثم
عادت حرمتہا الیوم
کحرمتہا بالامس ویبلغ
الشاہد الغائب، فقید
لابی شریع ما قال عمرو
قال إنما أنا علم منک
یا ابا شریع لا تعید عاصیا
ولا فارابدم ولا فارابخریة

(صحیح بخاری کتاب العلم

باب لیبلغ الشاہد الغائب)

کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس
امر کی رخصت چاہیے تو اس کو بتا دو
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو
اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اس
کی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی
گھڑی بھر دن کی اجازت تھی پھر آج
اس کی حرمت اسی طرح عود کر آئی
جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی
اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو
چاہیئے کہ جو شخص غائب ہے اس
تک یہ بات پہنچا دے۔ اس پر
ابو شریح سے دریافت کیا گیا کہ عمرو
نے پھر کیا جواب دیا۔ فرمایا، اس
نے کہا اے ابو شریح میں تجھ سے
زیادہ جانتا ہوں مگر نہ کسی عاصی کو
پناہ دیتا ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو
جو خون کر کے وہاں بھاگ جائے
اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں
فرار ہو جائے۔

گورنر مذہب کا صحابی رسول کے
سامنے اپنی علیمت بگھارنا

غور کیجئے: صحابی رسول حضرت ابو شریک
رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم الہی پر فوج کشی
سے روکنے کے لیے یزید کے گورنر کو

حدیث رسول بیان کرتے ہیں اور یہ بد نخت ان کے سامنے اپنی علیمت بگھارتا
ہے، اکتا ہے "میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں" امام ابن حزم اپنی مشہور تصنیف
المحلی کی کتاب الجنايات "میں بالکل صحیح کہتے ہیں:-

لا کرامة للطیمة الشیطان
الشرطی الفاسق یومید ان
یکون اعلم من صاحب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وهذا الفاسق هو العاصی
للہ ولرسولہ، ومن
والہ اوقلہ - وما حامل
الخنزری فی الدنیا والاخرة
الا هو ومن امره -

اس لطیمہ الشیطان، پولیس میں فاسق
کی بھی یہ وقعت ہے کہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی
بھی زیادہ عالم بننے کا دعویٰ کرے۔
اعاصی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نہیں بلکہ یہی فاسق اللہ اور اس کے
رسول کا عاصی تھا اور وہ شخص جس نے
اس سے دوستی کی یا اس کے کلمے پر
چلا اور دنیا اور آخرت میں ذلت
اٹھانے والا یہی تھا اور وہ (یزید)
جس نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابن زبیر کے خلاف گورنر کی
ہرزہ سرائی قابل قبول نہیں۔
اور شیخ الاسلام محمد صدر رحمہ اللہ
دہلی شرح بخاری میں رقمطراز
ہیں:-

عہد لطیمہ الشیطان کے معنی ہیں جس کو شیطان نے چیت لگایا ہو، یہ عمرو بن سیداشدق کا لقب ہے۔

و ایں دعویٰ مجرّد است و مردود
 بروئے ، زیرا چہ عبد اللہ بن زبیر
 صحابی است متعبد ، جامع صفات
 حمیدہ ، و کارے نکرده کہ بدان
 مستحق قتل باشد بیرون حرم
 و نہ خروج کرده بر احدی ،
 و نہ خواند مردوم را بہ بیعت خود
 بآنکہ ناخوش بودند از یزید
 اہل حرہین و مبادرت نکردند
 بہ بیعت و سے جز اہل شام نہا بر
 تالیہ پدرش معاویہ ، و اقلناع
 آورد عبد اللہ و غیرہ از بیت
 آل نہا اہل کہ مسرف در معاصی
 و مرتکب کبائر بود و پناہ گرفت
 از شر و سے در گوشہ حرم ، پس
 تعین کرد لشکر لقتال ابن زبیر
 بمکہ ۔

(ج - ۳ ص ۳۲۲ طبع مطبع

علوی مکھنوار ۱۳۰۶ھ)

اور یہ دگور نر مدینہ ، عمرو بن سعید کا
 خالی خولی دعویٰ ہے جو مردود ہے
 کیونکہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
 عنہما ایک عابد صحابی تھے ، صفات
 حمیدہ کے جامع ، انہوں نے کوئی
 کام ایسا نہ کیا تھا جس کی بنا پر بیرون
 حرم وہ قتل کے مستحق ٹھہرتے ، اور
 نہ کسی کے خلاف انہوں نے خروج
 کیا تھا ، نہ لوگوں کو (ابھی تک) اپنی
 بیعت کی دعوت دی تھی ، حالانکہ
 اہل حرہین یزید سے خوش نہ تھے
 اور یزید کی بیعت پر جز اہل شام
 کے کسی نے جلد بازی سے کام نہ
 لیا ، اور اہل شام نے اس لئے جھٹ
 پٹ بیعت کر لی کہ اس کے باپ
 معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس
 کو اپنا ولی عہد بنادیا تھا اور حضرت
 عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر
 حضرات نے اس نہا اہل کی بیعت کمنے
 سے اس لیے سختی سے انکار کر دیا کہ یہ
 معاصی میں حد سے بڑھ گیا تھا اور

کہا اگر کامر تکب تھا۔ حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی
شر سے بچنے کے لیے حرم محرم کے گوشہ
میں پناہ لے رکھی تھی لہذا اس نے مکہ
مظفرہ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے
فوجوں کو روانہ کیا۔

اور شیخ نور الحق محدث دہلوی تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں لکھا

فرمایا ہے:-

کلام میں مفسد حجت را نمی شاید
از آنکہ خلاف مستدرہ
اہل دین است، در روایت
امام احمد آمدہ کہ گفت ابو شریح
گفتم عمرو را من حاضر و تو
غائب بودی، و بموجب امر
آنحضرت رساندم ترا، و این
مشعر است مانکہ ابو شریح
قبول گفتہ عمرو نکرده و او
را بوسے گزاشتہ از بہت
عجز و عدم قدرت بہجت شکر
و غلبہ او۔

اس مفسد (عمرو) کی بات حجت کے
لائق نہیں کیونکہ یہ اہل دین کے دستور
کے خلاف ہے، مسند احمد کی ایک
روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو
شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
میں نے عمرو کو جواب دیا تھا کہ جب
محمود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد
فرمایا تھا میں اس وقت حاضر تھا و
تو عنائب را من لئے تو حدیث
کا مطلب کیا جاسے، میں نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد
کے مطابق تجھے پہنچ کر دی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ حضرت ابو شریح رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے عمرو کی اس بات کو نہیں
 انا، مگر چونکہ عمرو کو شوکت اور غلبہ
 حاصل تھا اور آپ اس کے مقابلے سے
 عاجز تھے اور اس کی طاقت نہیں
 رکھتے تھے اس لیے زبانی
 فہمائش کے بعد آپ نے اس کو اسی
 کے حال پر چھوڑ دیا۔

مروان نے جو معاملہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ
 کیا وہ آپ پر ٹھہر چکے ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نرزد
 اکبر تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے لوا سے ہیں ان کے
 خلاف حرم محترم پر صرف اس لیے فوج کشی کی گئی کہ انہوں نے یزید علیہ السلام سے بیعت
 نہیں کی تھی۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی
 جلالت شان کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت
 ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ

حضرت ابن زبیر کے فضائل
 حضرت ابن عباس کی زبانی

پڑھیے:

ان کے والد ماجد یعنی حضرت زبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کے حواری تھے اور
 ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیق غایب تھے

أما أبوه فحوار
 النبي صلى الله عليه وسلم
 يزيد الزبير - وأما
 جده فصاحب الغار
 يزيد أبابكر - وأما

أُمّه فذات النطاق
یرید أسماء - وأما
خالته فأمّ المؤمنین
یرید عائشة - وأما
عته فزوج النبی صلی
اللہ علیہ وسلم - یرید
خدیجہ - وأما
عمة النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فجدته
یرید صفیہ - ثم
عقیف فی الإسلام
قاری القرآن -

صحیح بخاری باب قولہ

نَمَانِیْ اَنْتَیْنِ اِذْ یُهَاقِیْ اَنْعَارِہِمْ

مصاحف عثمانی کی کتابت میں حضرت ابن زبیر کی شرکت

اور ان کی والدہ و زوجہ حضرت اسما
رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات النطاق
(کہ جنہوں نے ہجرت کے وقت
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نداء
سفر اپنے چٹکے سے باندھا تھا) اور ان
کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی پھوپھی
دان کے ابا کی پھوپھی سارا ہیں، آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت
خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، اور ان
کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ
محترمہ ہیں اور پھر وہ خود اسلام میں
پاکباز اور قرآن پاک کے بکثرت پڑھنے
والے ہیں۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ قرآن کریم
جو اس وقت امت کے مانتوں
میں ہے اور جس کو شب و روز ہم

پڑھتے ہیں اس کی نقیص حضرت امیر المؤمنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے اپنی نگرانی میں کراکر ممالک بحر و سہ میں روانہ کی تھیں۔ ان مصاحف
کی کتابت کے لیے حضرت امیر المؤمنین نے جن چار حضرات کو نامزد فرمایا

ان میں سے ایک یہ بھی تھے کہ

حضرت ابن زبیر کے فضائل
احادیث کی روشنی میں

صحیح بخاری میں ان کی والدہ ماجدہ
حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب وہ

ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئیں تو ان دنوں یہ مکہ ماور میں تھے، اور وضع حمل کی
مدت قریب تھی چنانچہ قبا کے زمانہ قیام ہی میں ان کی ولادت ہوئی فرماتی ہیں

پھر میں بچہ کو لے آئیں حضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئی تو آپ نے ان کو اپنی گود میں

لے لیا اور آپ نے ایک کھجور منگوالی اور

اس کو چبا کر پھر ان کے منہ میں ڈال دی

چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو داخل

ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا، پھر

آپ نے کھجور کو ان کے تالو پر مل دیا

اور ان کے لیے برکت کی دعا کی،

از یہ پیدے بچے تھے جو اسلام میں

ہجرت کے بعد مہاجرین میں پیدا

ثم انت به النبی

صلی اللہ علیہ وسلم فوضعه

فی حجرۃ ثم دعا بتمرۃ

فمضغھا ثم قفل فی

فیہ فکان اول شئیء

دخل جوفہ رقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ثم حنکھ بتمرۃ ثم

دعاه و برك علیہ رکان

اول مولود ولد فی الاسلام

(باب ہجرت النبی صلی

اللہ علیہ وسلم و اصحابہ الی

ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری باب حج القرآن البقیہ حضرات کے اسناد گرامی یہ ہیں (۱) حضرت زید

بن ثابت (۲) حضرت سعید بن ابی ص (۳) حضرت عبد الرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہما

اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ ہیں

پہلا بچہ جو اسلام میں (ہجرت مدینہ

کے بعد مسلمانوں میں پیدا ہوا وہ

عبد اللہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ

عنہما تھے ان کو زبان کے گھروالے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی خدمت میں بیکار ہوئے تو آپ

نے ایک کھجور سگوا کر پیئے اس کو

اپنے دہن مبارک میں چھایا اور ان

کے منہ میں اس کو اٹھیل دیا چنانچہ

ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو پہنچی وہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لہاب

دہن تھا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں آتا

ہے کہ

پھر حضور علیہ السلام نے ان کے سر

پر ہاتھ پھیرا، ان کے پیئے دنیا خیر

کی اور ان کا نام عبد اللہ رکھا،

پھر جب وہ سات یا آٹھ برس کے

ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے

اول مولود ولد فی الاسلام

عبد اللہ بن الربیع اُتوا بہ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فأخذ النبی صلی اللہ علیہ

وسلم تمرة فدخل کھا فم

ادخلہا فی فیہ فأول ما

دخل فی بطنہ ربیع

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اصحیح بخاری

باب مذکور

ثم مسحہ وصلی علیہ

وسماه عبد اللہ ثم جاء

وهو ابن سبع سنین اور

ثمان یبایع رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم وامره

بِذَلِكَ الْمَزْبُورِ فَتَبَسُّمُ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ
رَأَاهُ مُقْبِلًا إِلَيْهِ ثُمَّ
بَايَعَهُ -

(باب استنجاء تمحیک)

المولد عند ولادته :

سے بیعت کرنے کے لیے حاضر خدمت
ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنه نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کو اپنی طرف آتے دیکھ کر تبسم فرمایا
اور پھر ان سے بیعت لے لی -

امام نووی، اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وَقَدْ هَذَا الْحَدِيثُ

مِنَافٍ كَثِيرَةٍ لِعَبْدِ اللَّهِ
بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ
مِنْهَا أَنْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَّحَ عَلَيْهِ
وَبَارَكَ عَلَيْهِ وَدَعَا لَهُ وَ
أَذَلَّ شَيْءًا دَخَلَ جَوْفَهُ
رِيقَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَنْدَأَهُ مِنْ وَلَدِهِ فِي
الْإِسْلَامِ بِالْحَدِيثِ وَاللَّهُ
أَعْلَمُ -

(شرح صحیح مسلم از امام نووی باب مذکور)

(ہجرت کے بعد) پیدا ہوئے -

اور مستخرج اسماعیلی ہیں "صحیح بخاری" کی اس روایت میں "فی الاسلام"
کے بعد یہ اضافہ بھی ہے -

اس حدیث میں حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بہت
سے مناقب ہیں، منجملہ ان کے ایک
یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، (۲) ان کے
لیے برکت طلب کی (۳) ان کے
حق میں دعائے خیر فرمائی (۴) پہلی
چیز جو ان کے پیٹ میں پہنچی وہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا لعابِ دہن تھا (۵) یہ اسلام
میں پہلے بچے ہیں جو مدینہ طیبہ میں
(ہجرت کے بعد) پیدا ہوئے -

ففرح المسلمون فرحاً
شديداً الآن اليه ود
كانوا يقولون سحرناهم
حتى لا يولد لهم

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۲)

یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی ہی
خوشی ہوئی کیونکہ یہودی کہا کرتے
تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو
کر دیا ہے اب ان کے یہاں ملا
نہیں ہوگی۔

عبرت کا مقام ہے مسلمانوں کو جس مبارک بچے کی ولادت پر بڑی خوشی
ہوتی یزید اور اس کا گورنر عمرو اشقیٰ اسی کے قتل کرنے کے درپے ہوں،
اور اسی کی موت میں اپنی خوشی سمجھیں۔

تغویر توالہ بہ جرح گردن تغو

یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں | واضح رہے کہ یہ یزیدی گورنر
عمرو بن سعید اشقیٰ وہی نابکار
ہے جس کے بارے میں مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ
روایت آتی ہے:

سمعت رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول
لیرعفن علی منبرک
جبار من جبارۃ بنی
أمیۃ حتی یسیرعانه
قال فاخبرنی من رأى عمرو
بن سعید بن العاص وعفن
علی منبر من رسول اللہ صلی اللہ

میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرمایا
سنا کہ "یقیناً بنی امیہ کے ستمگاردوں میں
ایک ستمگاہ کی میرے منبر پر اس طرح نکسیر
پھوٹ کر رہے گی کہ بسنے لگ جائے
گی" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ بھیر مجھ سے
اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو
بن سعید بن العاص کو اس حال میں

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حتی سأل ما حافم -

(البدایہ والنہایہ - از حافظ)

(ابن کثیر ج - ۸ ص ۳۱۱)

دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے منبر پر اس کی تکبیر اتنی
پھوٹی کہ وہ منبر پر بہنے لگی۔

کربلا کے دن بنی امیہ نے
اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا

غرض یزید کی ولی عہدی کی ابتدا
حضرت صہبائی اکبر رضی اللہ تعالیٰ
عنتہ کی اولاد کی امانت سے

ہوئی اور اس کی بادشاہی کا آغاز ان کے نواسے پر حرم الہی میں فوج کشی سے
اور ابھی سال جلوس ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ دو دمان نبوی کے گل ہر سبد
کو مسل کر خاک میں ملا دیا اور اپنی دانستہ میں خاندان نبوت کا چراغ گل کر کے
رکھ دیا، محرم السنہ ہجری کے یوم عاشوراء میں اہل بیت رسالت
پر یزیدی لشکر کے اٹھوں جو قیامت ٹوٹی اس کے بارے میں جس نے
بھی یہ کہا سچ کہا کہ:

کربلا کے دن بنو امیہ نے اپنے
دین کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

صحنی بنو امیہ یوم کربلا
بالدین

قرابت رسول اللہ کا پاس لحاظ
(۵) امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک
باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ

ہیں "باب مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم"
یعنی "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے فضائل کا بیان"

نہ اور اسی طرح انتقام بھی، لہذا تاریخ الخلفاء از امام سیوطی و ترجمہ یزید بن عبد الملک بن مروان۔

اور پھر اس باب کے تحت حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا یہ ارشاد نقل کیا :

اس قیوم و محمداً صلی اللہ
علیہ وسلم فی اہل
بیتہ ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے
میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو ۔

یعنی "نہ تو کسی معاملہ میں ان کو اذیت پہنچے اور نہ ان حضرات کے ساتھ
کسی قسم کا بُرا برتاؤ ہونے پائے" اور اسی باب میں حضرت ممدوح رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں ۔

والذی نفسی بید ہ
لمرابۃ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم أحب
الیّ انْ اُصل من قرابتی

قسم اس ذات عالی کی جس کے
قبضہ قدرت میں میری جان ہے
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا
مجھے اپنے اہل قرابت کی
صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب
ہے ۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
قرابت کا اس قدر پاس و لحاظ تھا کہ جب کبھی ان کے عہد میں قحط سالی ہوتی
اور دعا استغاثہ کی ضرورت پڑتی ، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم
حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعا کرتے ،
اور خود ان سے دعا کراتے ، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے ۔

ان عمر بن الخطاب رضی
جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت

اللہ عنہ کان اذا قحطوا
استسقی بالعباس ابن
عبد المطلب فقال اللهم
انکنا نتوسل الیک نبینا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فتسقینا وانا نتوسل الیک
بعلم نبینا فاسقنا قال
فیسقون

(باب سوال الناس الامام

الاستسقاء اذا قحطوا)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس
بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے توسل سے بارش کی دعا کرتے
اور یوں عرض کرتے کہ اے ہم اپنے
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل
سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے،
پھر تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب
اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
توسل سے تجھ سے مانگتے ہیں تو ہم
پر مینہ برسات دے، راوی کا بیان ہے
کہ پھر لوگوں پر مینہ برسنے لگتا تھا

حدیث میں قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مراد ہے اس
کے بارے میں شارحین صحیح بخاری لکھتے ہیں :-

مراد از قرابت پیغمبر خدا کسی کہ منتسب
است لعبد المطلب و مومن است
چنانکہ علی مرتضیٰ و ابنائے اورضی
اللہ عنہم - زئیسیر البخاری ج ۳ ص
۴۵۰ طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۲ھ

پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
قرابت سے مراد وہ مومن حضرات
ہیں کہ جن کا سلسلہ نسب خواجہ عبد المطلب
سے ملتا ہے جیسے حضرت علی
مرتضیٰ اور ان کے صاحبزادگان رضی
اللہ تعالیٰ عنہم۔

شیخ نور الحق محدث دہلوی نے "تیسیر البخاری" میں جو کچھ لکھا ہے وہی
علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”من ينسب لعبد المطلب هو منّا كعلي وبنیہ“ اور شارحین نے جو کچھ لکھا ہے وہی مطلب امام بخاری کا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر کو باب مناقب الحسن وعلیٰ میں پھر دوبارہ روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں باب مناقب قرابتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحت ان تمام حضرات کو نام بہ نام گنوا یا ہے جو اس وقت خواجہ عبد المطلب کی اولاد میں بقیہ حیات تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا شرف حاصل تھا، ان میں حضرت مسلم بن عقیل کا نام بھی ہے جو شکنی و صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عون اور محمد کا بھی۔

پھر یزید نے ”قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پاس و لحاظ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔“

عبد اللہ بن زیاد جس کو یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوٹہ آنے کی خبر سن کر دہاں کا گوزر بنا کر بھیجا تھا اس کی سنگدلی اور فساد قلبی کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس شقی کے سامنے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو چھڑی سے آپ کے سر مبارک کو چھیڑنے اور آپ کے جن پر طعن کرنے لگا، اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو تنبیہ کی کہ کیا کرتا ہے؟

کان استبھم برسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یمسح بخاری
یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بہت ہی مشابہ تھے۔
(باب مناقب الحسن وعلیٰ)

اور مسند بزار میں ایک دوسری سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ

فقلت له إني رأيت رسول
الله صلى الله عليه وسلم
يلثم حيث تضع قضيبك
قال فانتقبض -

(فتح الباری باب مذکور)

میں نے اس سے کہا جہاں تو اس
وقت اپنی پھٹری رکھ رہا ہے وہاں
میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے
یہ سن کر وہ شقی گھٹ کر رہ گیا۔

اور نجم طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ اے

فجعل يجعل قضيبك
في يده في عينه وانفه .
فقلت ارفع قضيبك
فقد رأيت فم رسول
الله صلى الله عليه وسلم في
موضعه .

(فتح الباری باب مذکور)

ابن زیاد بن زیاد کے ہاتھ میں پھٹری
تھی اس کو وہ شقی حضرت حسین رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کی چشم مبارک اور بینی
مبارک میں داخل کرنے لگا تو میں
نے اس سے کہا اپنی پھٹری ہٹا
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے دہن مبارک کو اس جگہ
رکھنے ہوئے دیکھا ہے جس جگہ تیری
پھٹری اس وقت ہے۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کا پاس و لحاظ جس کے
بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ ارقبوا معہداً

فی اہل بیتہ، اور جس کا ترجمہ حضرت شیخ نور الحق بن عبدالحق محدث دہلوی نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:-

گفت ابو بکر نگہدارید و محافظت
کنید محمد را در اہل بیت او یعنی
حفظ حرمت محمد و تعظیم او در گرامی
داشتن اہل بیت اوست۔

(تیسیر القاری ج ۲-

ص ۴۵۱)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے اہل بیت سے معاملہ ہو
تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
نظر میں رکھو اور آپ کا پوری طرح
خیال کرو، یعنی آپ کی حرمت و
تعظیم آپ کے اہل بیت کے اعزاز
میں ہے۔

اور دوسری جگہ ان الفاظ میں:-

گفت ابو بکر صدیق نگہدارید عزت
و شرف محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
در نگداشت حرمت و تعظیم در حق
اہل بیت آنحضرت

تیسیر القاری

(ج ۲ ص ۴۶۲)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے اہل بیت کے حق میں ان کی
حرمت و تعظیم کو مد نظر رکھو کہ آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عز و شرف کو
محفوظ رکھو۔

پھر بزرگوار نے کر بلا کے میدان میں جو انان اہل بیت پر جو تعظیم
دستم ڈھایا اس کے بارے میں شیخ نور الحق محدث دہلوی نے تیسیر القاری
شرح صبح بخار میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:
در شرح این قضیہ جانگزا جگر آب شدہ
اس قضیہ جان گسل کو بیان کرنے میں

وقلم از دست افتاد از حوصلہ
 طبع مسلمانے بیرون است کہ اشارتے
 ہاں نواں نمود۔

(ج- ۳ ص ۶۴)

جگر پانی پانی ہو گیا اور قلم ہاتھ سے
 گر پڑا کسی مسلمان کے حوصلہ
 سے یہ باہر ہے کہ اس کی طرف اشارہ
 بھی کر سکے۔

یزید کی تشقاوت

اور علامہ عبد اللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی
 کتاب الاستحقاق بحسب الاشراق میں فرماتے

ہیں۔

لاریب ان الله سبحانه
 قضی علی یزید بالشقاوة
 فقد تعرض لآل البيت
 الشریف بالاذی فارسل
 جنده لقتل الحسين
 وقتله و سبی حریمه و اولاده
 و هم اکرم اهل الارض
 حیث یذ علی الله سبحانه
 (ص ۱۸ طبع مصطفیٰ بابی حلبی مصر)

لاریب حق تعالیٰ سبحانہ نے یزید
 تشقاوت مسلط کی کہ اس نے آل بیت
 شریف انہوی کے ستانے پر کمر
 باندھی قتل حسین کے لیے اپنی سپاہ
 بھیجی ان کو شہید کیا ان کی حریم اور
 ان کی اولاد کو اسیر بنایا حالانکہ یہ
 حضرات اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ
 کے نزدیک روئے زمین پر نہ تھے
 بسنے والوں سے زیادہ معزز تھے

ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کے ساتھ

حضرت معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا | امام بخاری نے الجمان
الصصح میں ایک

باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں "باب من استر عی رعیۃ فلم
ینصح" یعنی جو شخص رعیت کا دالی بنایا جائے اور پھر وہ رعیت کی خیر خواہی نہ
کرے اور پھر اس باب میں یہ دو حدیثیں بیان کی ہیں :

<p>(۱) حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ عبید اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عبادت کے لیے آیا۔ تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کسی رعیت</p>	<p>۱۱ عن الحسن ان عبید اللہ بن زیاد عاد معقل بن یسار فی مرضہ الذی مات فیہ فقال لہ معقل انی محدثک حدیثاً سمعتہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من عبد یستر عیہ اللہ رعیۃ فلم یحطہا بنصیحة لم یجد من اللہ الجنة</p>
--	---

کی نگرانی سپرد فرما سے اور پھر وہ
پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے
تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔
(۲) نیز حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے
کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لیے ہم ان
کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اتنے
میں عبید اللہ بن زیاد بھی آگیا۔
حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث
سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے
آپ نے ارشاد فرمایا جو حکم ان بھی
مسلمانوں کی کسی رعیت کا ساکن ہو
اور پھر اس حال میں مرے کہ وہ
ان کے ساتھ دنیا بازی کرتا تھا تو
اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر
دے گا۔

(۲) وعن الحسن أتینا معقل
بن یسار نعوده فدخل
عبید اللہ بن زیاد فقال
اھ معقل احدثك حدیثا
صحبت من رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فقال من
والی یلی رعیت من
المسلمین فی موت و
هو غاش الا حرم
اللہ علیہ الجنة۔

صحیح مسلم میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں اتنا

اضافہ اور ہے:

اگر میں یہ سمجھتا کہ یہی ابھی زندگی باقی

لو علمت ان لی حیاة ما حدثك

ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان
ہی نہ کرتا۔

(ج ۲ - ص ۱۲۲)

اور دوسری روایت میں ہے:

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت
کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے
بیان بھی نہ کرتا۔

لولا إني في الموت لم أحدثك
به . (باب فضيلة الامير

العاقل وعقوبة الجائر)

یہ حدیث صحیح مسلم "میں کتاب الایمان" میں بھی ہے اور کتاب الامارہ
میں بھی، صحیح مسلم کے ایک طریق میں اس روایت کے آخر میں بھی ہے کہ اس
حدیث کو سن کر ابن زیاد حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا:

یہ حدیث آپ نے مجھ کو آج سے

الاکنت حدثني هذا

پہلے کیوں بیان نہیں کی، فرمایا:

قبل اليوم ، قال ما

بس میں نے تم سے بیان نہ کی یا میں

حدثتك أولم أكس

تم سے بیان کرنے والا نہ تھا۔

لا حدثك .

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں حدیث بیان نہ کرنے کی وجہ

یہ بیان کی ہے:-

وہ ابن زیاد بد نہاد کی سخت گرفت

كان يخشى بطشه فلما

سے ڈرتے تھے، جب موت کا

نزل به الموت أساء ان يكف

وقت آگیا تو چاہا کہ اس طرح ہی

بذلك بعض شره عن

مسلمانوں پر سے اس کی شر کو کچھ دفع

المسلمين .

کیا جائے۔

(ج ۱۳ - ص ۱۱۳)

ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ بدتمیزی

یہ حضرت مقتل بن یسار مزی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں
یاد رہے کہ ان سے پہلے بھی اسی

قبیلے کے ایک دوسرے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل مزی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آچکا ہے جس کی تفصیل امام طبرانی
کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے باہر الفاظ مروی ہے۔

(۲) عن الحسن بن صالح بن قاتل لما قدم

علینا عبید اللہ بن زیاد

أمیراً فصرنا علیہ معاً وید

عندنا سفیہا یسفد

لہما و سفکا شدیداً

رفینا عبد اللہ بن مغفل

المس فی قدخل عینہ ذات

یوم فقال لہ یندعم

اساک تصنع فقال لہ وما

أنت وذاک قال ثم خرج

فی المسجد فہلنا ندما

کنت تصنع بکلام ہذا السہ

علی مرؤس الناس و ذال

انھ کا کہنا ہی صحابہ جیت

ان لا اموت حتی اقنوں

حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے
کہ جب ہمارے پاس عبید اللہ بن
زیاد امیر بن کر آیا، اس کو مراد یہ تھی
اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم پر والی بنا کر
بھیجا تھا یہ ایک بے وقوف چھوٹا
تھا جو نہایت بے دردی سے لوگوں
کا خون بہا کرتا تھا اس زمانے
میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی
اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں زندہ تھے وہ
ایک روز اس کے پاس تشریف
لے گئے اور اس سے فرمانے لگے
کہ جو کچھ میں تمہیں کہنے دیکھ رہا
ہوں اس سے باز آ جاؤ، اس نے
اس نصیحت پر حضرت ممدوح کو یہ
جواب دیا کہ تم اس سے منہ کرنے

بِهِ عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ ، ثُمَّ
قَامَ فَمَالَتْ اَنْ مَرَضَ
الَّذِي تَوَفَّى فِيهِ فَاَتَاهُ
عَبِيدُ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ يَعُوذُهُ
فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ
اَبَا ب -

فتح الباری

ج ۱۳ ص ۱۱۳

والے کون ہوتے ہو؟ پھر حضرت
ممدوح مسجد میں تشریف لائے تو
ہم نے ان سے عرض کیا آپ ہر
عام اس بے وقوف کے منہ تلک کر
کیا کریں گے؟ فرمایا میرے پاس
علم تھا سو مجھے یہ پند آیا کہ جب تک اس
کو برسہ عام بیان نہ کروں موت
کے منہ میں نہ جاؤں، پھر آپ جیسے
ہی اٹھے مرض الموت نے آپ کو
آلیا، اسی بیماری میں عبید اللہ بن
زیاد بھی آپ کی عیادت کے لیے آیا
اور آپ نے اسی مضمون کی حدیث
اس کو بیان کی جو اس باب میں
مذکور ہے۔

(۱۳)

ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمرو کے ساتھ بدتمیزی | اسی سلسلہ

کا ایک اور واقعہ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک مرتبہ ابن زیاد کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہا تو اس بدتمیز نے سچلے
اس کے کہ ان کی نصیحت کا کچھ اثر لیتا تھا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔
یہ واقعہ حسب ذیل ہے۔

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ

عائذ بن عمرو، وکات

من اصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم - دخل
على عبيد الله بن زياد
فقال اي بني اني سمعت
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول ان شر المرء
الخطمة، فاياك ان
تكون منهم، فقال
له اجلس فانما انت
من نخالة اصحاب
محمد صلى الله عليه
وسلم؛ فقال دهل كانت
لهم نخالة فما كانت
النخالة بعد هم
وفي غيرهم

الحج ۲ ص ۱۲۲

عنه نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اصحاب میں سے تھے، عبيد اللہ
بن زياد کے پاس آکر فرمایا بیٹے!
میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے:
حکمرانوں میں سب سے بڑا وہ ہے
جو لوگوں کو پیس مارے تو تم اپنے
آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے
رہو، یا یہ سن کر وہ کہنے لگا ابرہے
میں! بیٹھ بھاؤ، تم تو رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب
کی بھوسی ہو! یہ جواب سن کر حضرت
عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صی! یہ
میں بھی بھوسی بنتی، بھوسی تو بعد میں
آنے والوں میں ہے اور ان میں کہ
جو صحابی نہیں ہیں۔

(۴۱) ابن زیاد کا حضرت ابو بزرہ کا مذاق اڑانا
اور اسی نوع کا ایک

اور واقعہ سنن ابوداؤد میں یہ منقول ہے۔

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا
کہ ہمیں ابو ظائف بن عبد السلام بن

حد ثنا مسلم بن ابراہیم
نا عبد السلام بن ابی حازم

أبو طائوت قال شهدته
 أبا بريرة دخل على
 عبيد الله بن زياد فحدثني
 فذون سماه مسلم - وكان
 في السمان - قال فلما را
 عبيد الله قال ان محمداً
 هذا الدحداح "فهمها
 الشيخ فقال "ما كنت
 أحسب أني أبقي في
 قوم يعيروني بصحبة
 محمد صلى الله عليه
 وسلم" فقال له عبيد الله
 ان صحبة محمد صلى
 الله عليه وسلم للذين
 غير شين "ثم قال إنما
 بعثت اليك لا سسلك
 عن الحوض سمعت
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم يذكر فيه شيئاً

ابی ہازم نے بتلایا کہ میں اس وقت موجود
 تھا جب حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ عید اللہ بن زیاد کے
 پاس کے تشریف لے گئے تھے چنانچہ
 مجھ سے فلاں صاحب نے بیان کیا
 ابو داؤد کہتے ہیں ہمارے استاد سلم
 نے تو ان کا نام بھی بیان کیا تھا اگر
 میرے ذہن سے اتر گیا ہو اس
 وقت مجلس میں موجود تھے ان صاحب
 کا بیان ہے کہ جیسے ہی عید اللہ
 کی نظر حضرت پر پڑی کہنے لگا ابو
 "تمہارا محمدی ٹھکانا موٹا" (آگیا)۔
 شیخ (حضرت ہنے ال کی بابت
 سمجھی تو فرمانے لگے "میں نہیں سمجھتا
 تھا کہ میں اس قوم کے وجود میں
 آنے تک باقی رہوں گا کہ جو مجھے
 حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کی صحبت پر غار دلائے گی" اب
 عید اللہ نے اہانت بدل کر ان سے

قال ابو برة نعم
لامرة ولا ثنتين
ولا ثلاثا ولا اربعا
ولا خمسة فمن
كذب به فلا سقاء
الله منه ثم خرج
مغضبا۔

اكتاب السنة
باب في الحوض

کہا "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
صحبت تو آپ کے لیے زینت
ہے باعث عیب نہیں" پھر کت
لگائیں نے آپ کی طرف اس لیے
بھیجا تھا کہ آپ سے حوض کے بارے
میں سوال کر دل کہ کیا آپ نے اس
کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے ہوئے
سنا ہے، حضرت ابو برة رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں ہاں۔ ایک
دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ
نہیں، چار دفعہ نہیں، پانچ دفعہ
نہیں، جو حوض کا انکار کرے اللہ
تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے
اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں
اس کے پاس سے چلے آئے۔

مولانا غیل احمد سہارنپوری "بذل الکھود فی عل ابی داؤد" میں فرماتے

نہیں کہ ۱۔

"عبید اللہ بن زیاد فاق میں سے تھا، اس لیے اس نے
بطور تمسخر آپ کو "دھراج" یعنی ٹھکنے کا لفظ استعمال کیا تھا، مگر آپ نے
اپنے بارے میں تو اس کے اس طنز پر التفات نہ فرمایا،

البتہ اس نے محمدیؐ کہہ کر جو آپؐ کا مذاق اڑایا، اس پر آپؐ کو
غصہ آگیا کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آ
عالی کی امانت نکلتی ہے۔

اج - ۵ ص ۲۲۶ طبع دہلی ۱

یہ تھا ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کرام کے ساتھ اور عترت پیغمبر صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم پر اس نے جو ظلم و ستم ڈھایا وہ معلوم خاص و عام ہے۔
ان سب باتوں کے ساتھ ابن زیاد کی ایک خصوصیت
ابن زیاد بد نہاد تھا یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب
نہیں تھا، بلکہ ولد الزنا تھا جس کے یہاں پیدا ہوا اس کی بجائے دوسرے کو
اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہ اور تابعین نے اس کے اس فعل پر تکیہ بھی
کی نہ ان میں خود زیاد کے ہاں شریکی بھائی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی
تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں
حضرت ابو عثمان ندکی سے روایت ہے۔

لما ادعی زیاد لقیۃ ابا
بکرۃ فقلت له ما هذا
الذی صنعتہ؟ انی
سمعت سعد بن ابی
وقاص یقول سمع اذ نای
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ
رہو یقول من ادعی ابی
فی الاسلام غیر ابیہ یم

جب زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا
گیا کہ وہ ابوسفیان کی اولاد ہے
تو میں اس کے ہاں جائے بھائی
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
آکر ملا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں نے
یہ کیا کیا مطلب ان کے مخالفانہ
تھا، میں نے تو حضرت سعد بن ابی
وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے

أنه غير أبيه فالجنة
عليه حرام . فقال
ابوبكره وأنا سمعتك
من رسول الله صلى
الله عليه وسلم

رج ۱ ص ۵۷ کتاب الایمان

باب بیان حال من رغب

عن ابیہ وہو یعلم

وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں
نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے
کہ اسلام میں جو شخص اپنے باپ
کے علاوہ دوسرے کو باپ بتائے
حلال کہ اسے معلوم ہے کہ اس کا باپ
یہ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام
ہے ۱۰ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے لگے کہ خود میں
نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اس سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم
کا نفاذ کرنے کیلئے کیسے بدستدرت لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا، یزید کو تجربہ
ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچا زاد بھائی ولید بن عقبہ بن ابی سفیان، مروان
کے ترغیب دلانے کے باوجود قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ نہ ہو سکا
اس لیے اس نے اس کام کو سارا انجام دینے کے لیے اس شقی ازلی ابن زیاد
بدنہاد کا انتخاب کیا اور آخر اس نے ایسا کر کے بتلا بھی دیا۔ علامہ بدرالدین
عینی نے ابن زیاد کی ان ہی حرکات ناشتہ کے سبب عمدۃ القاری شرح
صحیح بخاری میں اس کو لعین کہا ہے (ملاحظہ ہو ج ۷ ص ۶۵۶ طبع
استنبول)

یزید کی مدنیہ منورہ پر فوج کشی

پھر یزید نے ۶۳۳ء ہجری میں حرم نبوی پر فوج بھیج کر مدینہ پاک کی حرمت

کو جس طرح خاک میں ملا یا اور اہل مدینہ پر جو ستم ڈھایا، وہ تاریخ اسلام کا ایک الگ نوحہ چکاں باب ہے، جس میں مدنیہ طیبہ کے گلی کوچے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے خون سے رنگین نظر آتے ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة میں لکھتے ہیں:

اور حرہ کا واقعہ یزید کے زمانے کے

بہت ہی برے واقعات میں سے

ایک واقعہ ہے جس کو ہم نے تاریخ

مدینہ میں بیان کیا ہے۔

واقعه حرہ از اشنع شائع است

کہ در زمان یزید واقع شدہ۔

وقد ذکرناہ فی "تاریخ المدینہ"

ج ۱۰ ص ۲۰۶ ملع نول کشور

لکھنؤ ۱۹۱۴ء

بیرون مدینہ منورہ مشرقی جانب جو سنگتانی علاقہ ہے، جہاں بڑے

بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام حرہ کہلاتا ہے، اس کو حرہ واقم بھی کہا جاتا ہے۔

واقم ایک شخص کا نام تھا جو زمانہ قدیم میں یہاں آکر رہ پڑا تھا، اسی مقام پر انصار

مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی تھی جو جنگ حرہ کہلاتی ہے۔

صحیح بخاری میں

حضرت اسامہ

رضی اللہ تعالیٰ

واقعه حرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی،

عنہ سے مروی ہے کہ:

أشرف النبی صلی اللہ علیہ

وسلم علی أہلہ من أطلہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ایک بار مدینہ میں جو گڑھیاں ہیں

المدینۃ ، فقال هل ترون
ما أرى ، إنا فر لآری
مواقع الفتن خلل
میوتکم حکمواقع
القطر -

(باب أظام الدینہ)

ان پر تشریف لے گئے اور وہاں
ایک مقام بلند پر چڑھ کر آپ
فرمایا کیا تمہیں بھی وہ دکھائی دیتا
ہے جو میں دیکھ رہا ہوں ؟ میں
تمہارے گھروں میں فتنوں کے
اترنے کی جگہوں کو اس طرح دیکھ
رہا ہوں جس طرح بارش کے
مقامات نظر آیا کرتے ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنوں کے نزول
کو بارش کے نزول سے تشبیہ دی جس سے مراد فتنوں کا بکثرت عام ہونا
ہے ۔ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کہ جو حیرت
بحر پوری ہو کر رہی ، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

وقد ظهر مصداق
ذلك من قتل عثمان
وهلم جراً ولا سيما
يوم الحرة -

(فتح الباری - باب مذکر)

چنانچہ اس پیشین گوئی کا مصداق
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
شہادت سے ظاہر ہوا اور پھر
سلسلہ چلتی ہی رہا اور بالخصوص
حزہ کا واقعہ تو اس کا صریح مصداق

ہے ۔

اس حدیث میں جو روایت کا ذکر ہے اس سے روایت علمی بھرا دیو
سکتی ہے ، یعنی آپ کے علم میں ان فتنوں کا وقوع لایا گیا تھا اور روایت عینی
بھی کہ یہ تمام فتنے عالم مثال میں آپ کو دکھلا دیئے گئے ہوں فتنہ حسد

کے کیسی تباہی مچی ۱۰ اس کے بارے میں حضرت سعید بن المسیب کا بیان
پڑھیے جو صحیح بخاری میں منقول ہے۔

وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْاُولٰٓئِیَیْ
مَقْنَسِ عَثْمَانَ وَفَلَمَ
تَبْقِیَ مَرَّ اَصْحَابِ
بَدْرٍ اَحَدًا ثُمَّ وَقَعَتِ
الْفِتْنَةُ الثَّانِیَةُ یَعْنِی
الْحَرَّةَ فَلَمَ تَبْقِیَ مِنْ
اَصْحَابِ الْحَدِیْبِیَّةِ
اَحَدًا (ج ۲۰ - ۵۴۳)

پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور
اس کے بدری صحابہ میں سے کسی کو باقی
نہ رکھا اسب آخر ختم ہو گئے، پھر
دوسرا فتنہ یعنی جنگ حرہ جب
واقع ہوئی تو اس نے اصحاب
بیعت ارضوان میں سے کسی کو باقی
نہ چھوڑا۔

اور امام دارمی اپنی سنن میں روایت
کرتے ہیں،

حشر کے مظلوم کی تفصیل -

اخبرنا مروان بن محمد عن
سعید بن عبد العزیز قال
لما كان ايام الحرة
لم يؤذن في مسجد
النبي صلى الله عليه وسلم
ثلاثا ولم يقم ولم
يبرح سعيد بن المسيب
من المسجد وكان لا يعرف
وقت الصلوة الا بهمة

سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے کہ
جنگ حرہ میں تین دن تک مسجد
نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت
البتہ حضرت سعید بن المسیب نے
مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا، وہ وہیں
چھپے رہے، اور وہ بھی نماز کا وقت
صرف اس بلکی سی آواز سے پہچانتے
تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی قبر مبارک سے وہ سن کرتے

تھے۔

بسمہا من قبر النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد

(موتہ)

جنگ حسرہ کا سبب یہ تھا کہ حرب انصارِ مدینہ نے یزید کی بیٹی خوارى
و بدکراری کے سبب اس کے بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک
فوج کثیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی بجانب یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تین دن تک
مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لیے حلال کر دینا ان دنوں فوج کے لیے کھلی پھٹی رہے
جو چاہیں وہاں کرتے پھریں اس مدت میں کسی کی جان و مال کو امان نہیں چھوڑنا
جیسا کہ امام فہرہی نے بسند نقل کیا ہے

فقتل جماعة صبرا منهم
معقل بن سنان و محمد
بن ابی الجہم بن حذیفہ
ویزید بن عبد اللہ بن زمرہ
ربیع الباقین علی
انہم خول یزید۔

اس سلسلہ نے ایک جماعت کو زندہ
گرفتار کر کے قتل کر دیا جس میں
حضرت معقل بن سنان، محمد بن ابی
الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبد اللہ
بن زمرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی
تھے اور باقی لوگوں سے اس شرط
پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں

اور حافظ البکر بن ابی خلیثمہ بسند صحیح جویریہ بن اسماء سے نقل ہیں۔
اور جن کو قتل ہونا تھا وہ قتل کر
دیئے گئے تو مسلم نے لوگوں سے
و قتل من قتل ربیع
مسلم الناس علی

اللهم حول ليزيد يحكم
في دمائهم واموالهم و
اهلهم بما شاء -

اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے
غلام ہیں ان کی جان و مال بیوی بچوں
کے بارے میں یزید جو چاہے حکم کرے

اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بطریق محمد بن سعید بن رمانہ اس بیعت
کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں :

فلما كان من خلد فهم
عنه ما كان فوجه
فاباحها ثلاثاً ثم
دعاهم الى بيعة يزيد
وانهم اعد له قن
في طاعة الله ومعيتهم

پھر جب اہل مدینہ سے یزید کی جو
مخالفت ظاہر ہوئی فتنی ظاہر ہوئی
تو یزید نے مسلم کو ان کی طرف بھیجا
اس نے آ کر تین دن تک مدینہ
کو حلال کر دیا کہ فوج کے لیے
اہل بیان مدینہ پر ہر قسم کے ظلم و ستم
کی کھلی پھٹی فتنی، پھر لوگوں کو یزید کی
بیعت کے لیے اس شرط پر دعوت
دی کہ وہ یزید کے زیر خرید غلام ہیں
اور اللہ کی اطاعت ہو یا مصیبت
دونوں صورتوں میں اس کا حکم
بجائانا ضروری ہے -

اور امام طبرانی ہی نے حضرت عروہ بن زہیر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ
پس یزید نے مسلم بن عقیبہ کو شامی
فوجوں کے ساتھ روانہ کیا اور اس
کو یہ حکم دیا کہ پہلے اہل مدینہ سے

فوجہ یزید مسلم بن
عقبہ فی حین اهل
الشام وامره ان يبدأ

بقتال اهل المدينة
ثم يسير الى ابن الزبير
بمكة . قال فدخل
مسلم بن عقبة المدينة
وبها بقايا من الصحابة
فاسروا في القتل
ثم سارا الى مكة
نمات في بعض
الطريق - ۱۰

قتال کرنا پھر حضرت ابن زبیر رضی
اللہ تعالیٰ عنہما سے لڑنے کے لیے
مغفلہ کا رخ کرنا۔ عروہ کا بیان ہے
کہ مسلم بن عقبہ حبیب مدینہ غلبہ
داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی ایک
جماعت موجود تھی اس امر دور
نے نہایت بے دردی سے ان کو
قتل عام کیا اور پھر مکہ مغفلہ کی طرف
چل پڑا مگر راہ ہی میں اس کو بیک
اجل نے آیا،

یاد رہے کہ یہی مسلم بن عقبہ ہے جس کو تاریخ میں اس کے ظلم و ستم کی وجہ
سے مسرف یا "بجرم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے علامہ یاقوت حموی نے
معجم البلدان میں حسره واقف کے تحت لکھا ہے کہ فتنہ حرہ میں لشکر شام
کے ہاتھوں

"مروانی میں سے ساڑھے تین ہزار، انصار میں سے چودہ سو اور
بعض سترہ سو ہلتے ہیں اور قریش میں سے تیرہ سو حضرات تین
کے دیے گئے۔ یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر لوگوں
کے اموال لوٹے، اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا"

اور بھدرات عصمت کی جو عصمت دری ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے قلم
بھی شرماتا ہے۔

حرم کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری | پھر یزید کی ہدایت کے بموجب اس لشکر

نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر حرم الہی کا محاصرہ کر لیا، مجرم خلیفہ تو راستہ ہی میں مر گیا تھا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی چنانچہ اسی کی زیر کمان منجلیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی، مجرم نے ذی الحجہ ۶۳ھ میں مدینہ میں داخل ہو کر اس کو تباہ و تاراج کیا تھا حصین بن نمیر نے صفر ۶۴ھ میں کعبہ شریف پر گولہ باری کی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور پھت میں آگ لگ گئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دنیہ کے وہ دونوں سینگ بھی جل کر خاکستر ہو گئے جو اب تک خانہ کعبہ میں محفوظ چلے آ رہے تھے یہ اسی دنیہ کے سینگ تھے جو آپ کی قربانی کے فدیہ میں جنت سے لایا گیا تھا اس کے بعد پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یزید کو مزید ہمت نہ ملی اور وہ بھی اسی واقعہ کے کچھ دن بعد اسی سال ۱۵ ربیع الاول کو مر گیا۔

یزید کا انجام بد | امام بخاری نے الجامع الصحیح میں باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں باب اثم من کاد اهل المدينة یعنی جو شخص اہل مدینہ پر داؤ لگائے اس کے گناہ کا بیان، اور پھر اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

۱۔ یعقوب بن سفیان نسوی نے واقعہ حرہ کی تاریخ ذی قعدہ ۶۳ھ ہجری بیان کی ہے فتح الباری ۱/ ۱۸۷ تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، تذکرہ یزید بن معاویہ۔

لا یکید اهل المدينة
احد الا انما عکما
یتما ع الملح فی الماء

جو شخص بھی اہل مدینہ پر داؤ بٹا
گا وہ اسی طرح گھل جائے گا
طرح کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص و ابی ہریرہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہما یہ الفاظ آتے ہیں :

من اراد اهل المدينة
بیسوء اذا به الله كما
یذوب الملح فی الماء
(باب تحريم ارادة اهل المدينة بسوء وان
من ارادهم به اذا به الله)

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا
ارادہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو اسی
طرح پگھلا کر رکھ دے گا جس طرح
نمک پانی میں پگھل جایا کرتا ہے

محدث قاضی عیاض اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں
کما انقصی شان من
حاربها ایاہ بنی امیہ
مثل مسلم بن عقبہ
فانه هلك في منصرفه
عنہا ثم هلك یزید
بن معاویہ مرسلہ علی
اثر ذلک -

جس طرح کہ ان لوگوں کی شان و
شوکت ختم ہو کر رہ گئی جنہوں نے
بنو امیہ کے عہد حکومت میں اہل
مدینہ سے جنگ کی تھی جیسے مسلم بن
عقبہ کہ وہ اسی جنگ سے پلتے ہی
ہلاک ہو گیا اور پھر اسی طرح اس
مہم پر اس کو بھیجنے والا یزید بن
معاویہ بھی اس کے پیچھے پیچھے موت
کے منہ میں چلا گیا -

شرح صحیح مسلم از امام نووی

ج ۱ - ص ۲۲۱

اور امام نسائی نے حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مرفوعاً روایت کیا ہے۔

من أخاف أهل المدينة
ظالمًا لهم أخافه
الله وحكاته عليه
لعنة الله

جو ظالم اہل مدینہ کو خوف میں مبتلا
کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر خوف
کو مسلط کر دے گا اور اس پر اللہ
تعالیٰ کی لعنت ہوگی

صحیح ابن حبان میں بھی بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ
عندہ اسی مضمون کی روایت آتی ہے۔

خود فیصلہ کیجئے | ہم نے یزید پلید اور اس کے عمال بد اعمال کے اعمال
بد کے سلسلہ میں صحیح بخاری کی احادیث میں

جو کچھ آیا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اب ان احادیث کی روشنی
میں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اس کے جہتی ہونے کی شہادت دینا ضروری ہے
یا اس کے اعمال بد پر نظر بن کر نا، واقعی اگر وہ غزوہ قسطنطنیہ میں شہید
ہو جاتا تو یہ اس کی بڑی سعادت ہوتی، لیکن اس کی قسمت میں تو یہ شقاوت لکھی
تھی کہ وہ اپنی زندگی کے دن اس وقت تک پورے نہ کرے جب تک کہ اس
کے ماکھوں حریم بخترین زاد ہما اللہ شرقاً و تعظیماً کی حرمت پامال نہ ہو، صحابہ
کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین اور ان کا قتل عام نہ ہو اور عترت
پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نہ ہوں سوچیے
اور خوب سوچیے کہ اس کا آخری انجام اگر لعنتی کا مول پر ہوا تو وہ لعنت
کا مستحق مٹھرے گا یا جنت کا حقدار

امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا

اسی لیے امام جلال الدین سیوطی جیسے
مختلط بزرگ کے قلم سے تنازع اختلاف
میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

شہادت کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں:

لعن الله قاتله واهل

زیاد معہ و یزید ابنت

اصح ۷۰۳

اللہ تعالیٰ قاتل حسین پر لعنت کرے
اور اسی کے ساتھ ابن زیاد اور یزید
پر بھی۔

اور علامہ ربانی علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفیہ میں لکھتے ہیں۔

والحق ان رمسا یزید بقتل

الحسین واستبشارہ بقتلہ

واہانتہ اهل بیت النبی

علیہ السلام مما تواتر

معناہ وان کان تفاسیہا

أحادۃ فحن لا فتوقف فی

شأنہ بل فی ایمانہ لعنة

الله علیہ وعلی انصارہ

واعوانہ۔

اصح ۱۴۷ طبع مصر

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر یزید کا راہنی
ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل
بیت نبوی کی امانت کرنا، ان تمام
امور کی تفصیلات کو بطریق احماد
سرور ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے
متواتر ہیں، اس لیے ہمیں تو اس کے
بارے میں کیا، اس کے ایمان کے
بارے میں بھی کوئی تردد نہیں، اللہ
تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس
سلسلے میں اس کے اعوان و انصار
پر بھی۔

نامصیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب و عذاب سے بری ہیں

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح رائی
اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اسی
طرح یہ نامصی بھی اپنے خلفاء کے بارے

میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ روز قیامت حساب و کتاب سے بری ہیں ان پر
کوئی عذاب نہیں ہوگا، چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی نے
دول الاسلام میں اموی خلیفہ یزید بن عبد الملک بن مروان کے تذکرہ میں لکھا
ہے کہ جب یہ مثنوی خلافت ہوا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ عمر بن عبد العزیز
کی سیرت پر چلنا چاہیے اس پر چالیس شیوخ مملکت نے اس کے سامنے
آکر یہ شہادت دی کہ:

ان الخلفاء لا حساب علیہم
ولا عذاب لہ

خلفاء کا نہ حساب ہوگا نہ ان پر عذاب
ہوگا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے:

وطائفة من الجہال الثامین
يعتقدون ذلك

شام کے جاہلوں کی ایک جماعت
کا یہی اعتقاد ہے

یزید بن عبد الملک کے بڑے بھائی ولید بن عبد الملک کا بھی یہی عقیدہ تھا
چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن ابی زرہ سے روایت کیا ہے
کہ ولید نے ان سے دریافت کیا
ایحاسب الخليفة؟
کیا خلیفہ سے بھی قیامت کے دن

حساب لیا جائے گا۔

ابراہیم نے جواب دیا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک
مکرم ہیں یا حضرت داؤد علیہ السلام و علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ نے
گوشت و خلافت دونوں عطا فرمائے گئے بعد یہ وعید اس کے کہ
بَا دَاوُدَ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیْفَةً
فِی الْاَرْضِ فَ تَحَکِّمْ بَیْنَ
النَّاسِ بِاِذْنِیْ وَ لَا تَتَّبِعِ
الْمَشَیْءَ فِیْ صُلٰتِکَ عَدُوِّ
سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ
یَمْسُوْنُ عَدُوَّ سَبِیْلِ اللّٰہِ
لَیْسُوْا عَدَاوَتِیْ اَبَدًا لِّکَیْ
نَسْرِ اَیُّوْمَ الْحِسَابِ ۝

اسے داؤد سمجھتے تھے ملک ہیں خلیفہ
کیا، مگر لوگوں میں انصاف سے
حکومت کر اور اپنی جہی کی خواہش
پر نہ چل کر وہ نبی کو اللہ کی راہ سے
ہٹا دے، جو لوگ اللہ کی راہ سے
ہٹ جاتے ہیں ان کے بے سحر
عذاب ہے۔ اس بنا پر کہ انہوں نے
حساب کا دن بھلا دیا۔

رَبِّکَ سُوْرۃ ص

اور خود نیز یہ بھی جیسا کہ مآخذ ابن کثیر کی تفسیر صحیحہ سابق میں گزری ہو کہ
مرجیہ کا عقیدہ رکھتا تھا اس لیے اس کا بھی یہی عقیدہ ہو گا۔

موجودہ انہی جو روائس کی تعلیم میں اپنے منہ پر عقیدہ کی نقاب ڈال کر
اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور مساجد میں ان کی امامت و نصابت کے زرائع
سراجام دے رہے ہیں چونکہ اپنے بڑے گروں کے اس عقیدہ کا برملا اظہار نہیں
کر سکتے، اس لیے وہ طرح طرح کی ابلہ نرمیوں کے ذریعے اپنے منہ پر
امام برحق اور خلیفہ راشد سیدنا یزید کے جنتی ہونے کی خود بھی شہادت
دیتے ہیں اور دوسروں سے بھی شہادت دلوں اپاہتے ہیں لیکن اگر

جس کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم عطا کی ہے ان کے فریب میں آکر جس طرح حضرت
 عشرہ مبشرہ اور سادات فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنتی مانتا
 ہے یزید کو کیسے جنتی کہہ سکتا ہے، پس پوچھئے تو اس بارے میں نا صبی
 رافضیوں سے بھی بارہ طوئے نکالے کیونکہ یہ تو برابر جیسے فاسق و فاجر اور سفاک
 و ظالم کو اپنا امام اور خلیفہ برحق مانتے اور اس کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے
 ہیں اور رافضی جن بارہ حضرات کو امام معصومہ کہتے ہیں وہ تو سب اولیاء کبار
 اور اخبار امت ہیں، اہل سنت کے نزدیک نہ رافضیوں کا غلو اپنے
 امہ کے بارے میں صحیح ہے اور نہ نا صبیوں کا۔ دونوں صراط مستقیم سے ہٹ
 گئے ہیں، نہ امہ اثنا عشر معصوم ہیں نہ یزید کا شمار بھلے آدمیوں میں ہے۔
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے۔ آمین۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

دوسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے یزید سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے اگر یزید کا ایقانہ و فاجر اور شرابی و زانی اور دشمن دین ہوتا تو یہ حضرات اس کے ہاتھ پر گزرتے نہ فرماتے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور بددیانتی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یزید کی بیعت کی گئی وہ کافر تھا اور نہ اس کے فسق کی اتنی شہرت تھی کہ سب کو اس کا حال معلوم ہوتا۔ ہر ایک جماعت صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ سلطان اگر عدل کرے تو رعیت کو شکر گزار ہونا چاہیے اور ظلم کرے تو رعیت کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ نہ کہ اس سے ٹکر لینا آسان کام نہیں اس میں سخت خونریزی ہوتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقتدار کی منتقلی میں کامیابی نہ ہو اور مزید ظلم و تشدد بڑھ جائے۔ چنانچہ شمس اللامہ سرخسیؒ شرح سیر کبیر میں فرماتے ہیں:-

و عن جماعة من الصحابة

رضی اللہ عنہم قالوا: اذا

عدل السلطان فعلى

الرعية الشكر وللسلطان

الذبح واذا جاور فعلى

الرعية الصبر وعنى

اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک

جماعت سے منقول ہے کہ انور علیہ

فرمایا جب سلطان عدل کرے تو رعیت

کو شکر کرنا چاہیے اور سلطان کا اس

کا اجر ملے گا۔ اور اگر ظلم کرے

تو رعیت صبر کرے اور سلطان پر اس

ساتھ نہ دیا جائے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہدایت فرمائی تھی وہ جامع ترمذی اور سنن نسائی میں ہیں الفاظ

ورثن كعب بن عجرة قال
قال في رسول الله صلى الله
عليه وسلم اعبدك بالله
صت اشارة السلفاء
قال وما ذكك يا رسول الله
قال امر الله بعبادته
من بعدى من دخل
عليهم فصد قلوبهم
بكذبهم واعادهم على
ظلمهم فليسوا منى
ولست منهم ولن يردوا
على الحوض ومن لم
يبدل حال عليه ولم
يصد قلوبهم بكذبهم
ولم يبعثهم على ظلمهم
فانك منى وانما منهم
واذ لك يردون على الحوض
سواء الترمذی والنسائی

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل ثانی ص ۲۶۲)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے
سفہار سے تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں
دیتا ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ امارت
سفہار کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا
کچھ امراء میرے بعد عنقریب ہوں
گئے، جس نے ان کے دربار میں جا کر
ان کے جھوٹ کو سچ بتایا اور ان
کے ظلم میں ان کی اعانت کی نہ ان
کا تعلق مجھ سے ہے اور نہ میرا تعلق
ان سے، اور نہ وہ کبھی حوض کوثر
پر میرے پاس آئیں گے۔ اور جو ان
کے دربار میں داخل رہا اور ان
کے کذب کی اس نے تصدیق کی اور
ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی،
سو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان

ان کا ہوں اور میری لوگ ہیں جو توحش
کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی چنانچہ ان کا انتقال یزید کی امارت سے پہلے ہی
شہید کے بعد ہو گیا تھا اور سنن ابی داؤد میں

عن بنی ہدیۃ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الجہاد واجب علیکم
مع کل امیر بڑا کان او
فاجر وان عمل الکبائر
والصلوة واجبة
علیکم خلف کل
مسلم بڑا کان او فاجر
وان عمل الکبائر، والصلوة
واجبة علی کل مسلم
بڑا کان او فاجر وان عمل
الکبائر۔ رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ۔

ج ۱۔ ص ۱۰۰۔ باب الامامة فصل ثانی

حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد تم
پر ہر امیر کی معیت میں واجب ہے
خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور خواہ تم تک
کبا سہر ہی کیوں نہ ہو اور نماز بھی تم
پر ہر مسلمان لا امیر کے پیچھے پڑھنا
واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد
اور کبا سہر ہی کا مرتکب کیوں نہ ہو
جب تک بھی، اور ہر مسلمان پر نماز کا
پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک
ہو یا بد اور خواہ کبا سہر میں مبتلا ہی
کیوں نہ ہو۔

یہ بالکل اسی طرح کا ہے | یہ شبہ افضیوں کے شبہ کی طرح ہے

کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چونکہ صحابہ ناراض تھے اس

یہ کسی صحابی نے بھی ان کی طرف سے کوئی دفاع نہ کیا بلکہ سب صحابہ مسجد ہوی میں اس شخص کے پیچھے کہ جو ان باغیوں کا سر غنہ تھا اور اس فتنہ میں جمعہ و جماعت کا امام بن گیا تھا " بڑے اہتمام سے نمازیں پڑھتے رہے حالانکہ اس کے پیچھے نماز کا ادا کرنا خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے بموجب تھا جو صحیح بخاری میں

وعن عبيد الله بن عدي
بن النخعي رآته دخل
على عثمان وهو محصور
فقال إنك امام عامة
دينك ما تری ویصلي
لنا امام فتنه ومنتخرج
فقال الصلوة احسن
ما يعمل الناس فاذا
احسن الناس فاحسن
معهم واذا اساءوا
فاجتنب اساءتهم -
رواه البخاری - (مشکوٰۃ
باب تعجيل الصلوة -

فصل ثالث من ۶۲)

عبيد الله بن عدي بن النخعي
رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے قرابت بھی تھی (مردی ہے کہ
انہوں نے جب حضرت عثمان رضی
اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے ان کی خدمت
میں جا کر عرض کیا آپ عامۃ المسلمین
کے امام ہیں اور اس وقت آپ کے
ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے آپ دیکھ
ہی رہے ہیں۔ اب فتنہ پردازوں کا
امام ہماری امامت کر رہا ہے جس
سے ہم دل تنگ ہیں، آپ نے ارشاد
فرمایا "کما زان تمام اعمال میں سب
سے بہتر عمل ہے جو لوگ انجام دیتے
ہیں لہذا جب لوگ نیکی کا کام کریں
تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے میں
شریک ہو جاؤ اور جب برائی کے

مترکب ہوں تو ان کی برائی سے بچتے

رہو

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا
حادثہ کر بلا "واقفہ حرہ" اور حصار
حریم مکہ "ان تعینوں معہ کلمۃ ظلمہ
ستم میں کوئی صحابی شریک ہوا ہے۔

کیا یزید کے ظلم و ستم میں
کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے۔

تالی شریک ہوا ہے؛ یا اسکی بزم میں کبھی کسی بھلے مانس نے شرکت کی ہے؟ جو
یزید کی فسق و فحش اور فجور و بددینی کی سرپرستی کا ان پر الزام ٹاٹا گیا جائے، باقی
رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمانا کہ

انا قد بايعنا هذا الرجل
علي بيع الله ورسوله۔ ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے
رسول کے عہد پر بیعت کی ہے۔

تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہم نے
اس سے بیعت کی ہے، لہذا ہم کسی امیر کی اطاعت میں جاؤں شریعت سے
باہر نہیں ہوں گے۔ اس میں یزید کے تقویٰ اور طہارت کا بیان نہیں ہے، بلکہ
اس کے بارے میں تو ابھی ان کی تصریح گزر چکی ہے کہ

ان یکن خیرا شکروا فان
اگر وہ بھلا ہوا تو شکر کریں گے اور

سے بخایہ علامہ احمد قسطلانی نے ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری میں اس کے یہی معنی کیے ہیں۔
فدائے بیعت علی بیع اللہ ورسوله ای علی شرط ما امرنا بہ
من بیعتہ الامام۔ یعنی جس شرط کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بیعت
کی بیعت کا حکم دیا ہے اس کے مطابق۔

یکن بد و مسبرنا ۔ بلا ہوا تو صبر کریں گے ۔

یہ بھی خیال رہے کہ کتاب و سنت پر وجیت کرنے کی پیشکش تو بعض حضرات نے جنگ حرہ کے موقع پر بھی کی تھی، پھر یزیدی لشکر کے سپہ سالار مجرم بن عقبہ نے اس پیشکش کی جس طرح پذیرائی کی اس کی تفصیل حافظ ابن حزم کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں ۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات جب بھی موقع ملتا یزید اور اس کے کارندوں کے ظلم و ستم پر نکیر کرنے سے چوکتے بھی نہیں تھے، چنانچہ پہلے شبہ کے جواب میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے دور پر فتن کی کس طرح نشاندہی کی اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی دلی مہدی کی بیعت لینے پر مروان کو برسر منبر کس طرح ٹوکا اور حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو اشقی کو حرم الہی پر فوج کشی سے کس طرح روکا اور حضرت مغفل بن یسار مزی نے کس حکمت سے عبید اللہ بن زیاد کو فہائش کی اور حضرت عبداللہ بن مغفل مزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس کو سرزنش کی اور حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس لطف سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس پر اپنے غصے کا اظہار فرمایا۔ اب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیانات پر جیسے صحیح بخاری میں ہے ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما	سمعت عبید اللہ بن عمر
کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ اگر احرام	وسا لہ رجل عن المحرم
کی حالت میں کوئی شخص مکھی کو مار	قال شعبۃ احسبہ یقتل
ڈالے تو اس کے بارے میں کیا فتویٰ	لذباب فقال اھل

العراق يسألون عن
قتل الذباب وقد قتلوا
ابن بنت رسول الله صلى
الله عليه وسلم وقال النبي
صلى الله عليه وسلم هما
ريحائتاى من الدنيا
ر صحيح بخاری ج ۱ ص ۵۲ مناقب الحسن

والحسين

ہے آپ نے فرمایا اہل عراق مکھی کے
قتل کرنے کے متعلق دریافت کر رہے
ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نوٹ سے قتل
کر ڈالا جب کہ حضور غنیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا تھا کہ "حسن و حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو بھول ہیں۔"

یاد رہے کہ یزید کا برادر عم زاد عبید اللہ بن زیاد (اگر زیاد کو واقعی ابوسفیان
کا بیٹا تسلیم کیا جائے) یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اسی کے حکم سے عمرو
بن سعد چار ہزار کا لشکر جرار لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے
لیے آیا تھا اور اسی عراقی لشکر نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا
تھا۔ ابن زیاد بد نہاد نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے ساتھ
جو گستاخی کی تھی اس پر حضرت انس و حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے
جس طرح اس پر اظہارِ ناراضگی کیا تھا وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔
اور حافظ ابن کثیر نے دارقطنی کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ
سے جو روایت اس سلسلے میں نقل کی ہے، وہ درج ذیل ہے۔

عن محمد و عبد الرحمن

ابن جابر بن عبد الله قال

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے دونوں بیٹوں محمد و عبد الرحمن

لے اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "شہداء و کربلا پر افتراء"

نخرجنا مع ابينا يوم
الحرّة وقت ذكف بصره
فقال تعس من اخاف
رسول الله صلى الله عليه
وسلم فقلنا يا ايت وهل
احد يكيف رسول الله
صلى الله عليه وسلم؟ فقال سمعت
من رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول: من اخاف
اهل هذا الحي من الانصار
فقد اخاف ما بين هذين
ووضع يده على جنبه
البداه والنهائيه -

(ج- ۸ ص ۲۲۳)

کا بیان ہے کہ حرّہ کے دن ہم اپنے
ابا کے ساتھ باہر نکلے اس وقت آپ
کی بیانی زائل ہو چکی تھی آپ نے فرمایا
برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوف میں
مبتلا کیا: ہم نے عرض کیا ابا جان!
کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو ڈرا سکتا ہے، فرمایا: میں نے
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس نے
اس قبیلہ انصار کو ڈرایا اس نے میرے
ان دونوں پہلوؤں کے درمیان جو چیز ہے
(یعنی قلب نبوی) اس کو ڈرایا ہے"
اور جس وقت آپ کی زبان مبارک
سے یہ ارشاد ہو رہا تھا آپ اپنے
دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے
تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان حضرات کی بیعت کے باوجود جن کا مستغنی نے نہ دیا ہے
یزیدی لشکر نے حرّہ کی جنگ میں ان بزرگوں کے جگر کٹے کڑیوں کو قتل کرنے
سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت ابن عباس اور
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت قطعاً نہیں کی

تھی، اور پھر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سب سے اخیر میں بیعت کی تھی ہے۔

غرض یزید کے دور حکومت میں یا تو صحابہ کرام اس سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں جیسے حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور وہ صحابہ جو جنگ حرہ میں اس کے خلاف لڑے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور یا پھر اس کو یا اس کے عمال کو ان کے ظلم و ستم پر روکتے ٹوکتے، جیسے (۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت ابو شریح خزاعی (۶) حضرت معقل بن یسار مزی (۷) حضرت انس بن مالک (۸) حضرت زید بن ارقم (۹) حضرت عبداللہ بن معقل (۱۰) حضرت عائد بن عمرو (۱۱) حضرت ابو بزرہ اسلمی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کوئی صحابی یہیں یزید کا ثنا خواں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ملتا اور نہ اس کی حمایت میں کسی معرکہ میں لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

اور یہ ہوتا بھی کس طرح جب کہ یزید کے عہدِ نحوست مہد کا نقشہ انوری کے اس شعر کے بالکل مطابق تھا

بر بزرگان زمانہ شدہ خردان سالار
بر کریمان جہان گشتہ لیمان مہتر

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے، یہ ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ اس پر عائد کردہ الزامات کی پرزور تردید بھی کی ہے۔ مستفتی نے اس سلسلہ میں البدایہ والنہایہ کا حوالہ **منتقی کا غلط حوالہ** | منتقی ص ۲۸۱ سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ منتقی حافظ ذہبی کی تصنیف ہے جن کی وفات ۴۸۵ھ میں ہوئی ہے اور البدایہ والنہایہ ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کی ہے اور ان کا سنہ وفات ۷۴۴ھ ہے پھر لطف یہ ہے کہ منتقی میں خود اس کے خلاف صاف تصریح ہے کہ:

لم نعتقد انه من انه لفاد
الراشدین كما قاله بعض
الجهلة من الاكراد۔

ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یزید خلفاء
راشدین میں سے تھا جیسا کہ بعض
جاہل کردوں کا عقیدہ ہے۔

(ص ۲۷۹)

ورنحن نقول خلاف انه
النبوة ثلاثون سنة ثم
صارت ملكا كما اردف
الحديث.....

اور ہم تو اس کے قائل ہیں کہ مدت
نبوت تیس سال ہی رہی پھر بادشاہی
ہو گئی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے

یزید کان ملك وقتہ وحاب
السيف كالمثاله من

یزید بھی مروانیوں اور عباسیوں
کی طرح اپنے وقت میں ایک صاحب

بادرہے حافظ ذہبی، یزید کو قطعاً اچھا آدمی نہیں سمجھتے، اور وہ خود ان الزامات کو اپنی تصانیف میں اس پر عائد کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ان کی تصریحات آگے موقع پر درج ہو رہی ہیں۔

اور عطاء بن یمین نے
منہاج السنہ میں جس
کا خلاصہ یہی منسقی ہے

**اُمّہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ
یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع۔**

صاف لکھا ہے کہ:

اور اسی طرح یزید کا تمام معاملات
میں عادل ہونا، اور اپنے تمام
افعال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہونا یہ
بھی اُمّہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد
نہیں ہے، اور اسی طرح یہ بات
کہ یزید کی اطاعت اس کے حکم
میں واجب تھی خواہ معصیت الہی
کا ہی حکم کیوں نہ دے یہ بھی اُمّہ
مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں
ہے۔

وَكُذَّالِكَ كَوْنُهُ عَادِلًا
فِي كُلِّ أُمُورٍ مَطِيعًا
لِلَّهِ فِي جَمِيعِ أَعْمَالِهِ لَيْسَ
هَذَا اعْتِقَادُ أَحَدٍ مِنَ
أُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ - وَكُذَّالِكَ
وَجُوبُ طَاعَتِهِ فِي كُلِّ مَا
يَأْمُرُ بِهِ وَإِنْ كَانَ مَعْصِيَتُهُ
لِلَّهِ لَيْسَ هُوَ اعْتِقَادُ أَحَدٍ
مِنَ أُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ -
(منہاج السنہ - ج - ۲)

ہاں منتفی کے محشی محب الدین خطیب نے (جو کہ پکا ناہی ہے) اس افسانہ کو البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی ترمذی محدث حرم محمد عزیزی تہانی نے افادۃ الاختیار، سیرۃ البرار میں بڑی تفصیل کی ہے۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود حافظ ابن کثیر کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں!

جگہ یزید کے فسق کی تصریح کی ہے۔ مثلاً:

(۱) ایک مقام پر امام طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

کان یزید فی حداشہ صاحب شراب یاخذ ماخذ الاسداث ۶۱

یزید اپنی نوعمری میں پینے پلانے کا شغل رکھتا تھا اور اس میں نوعمران کی سی آزادی تھی۔

(ج - ۸ ص ۲۸۸)

(۲) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وکان فیہ ایضاً اقبال علی

المشہوات وترك بعض

الصلوات فی بعض الاوقات

واما تسہانی غالب الاوقات

وقد قال الامام احمد حدثنا

ابو عبد الرحمن ثنا

حیوة حدثنی بشیر بن عمرو

الخولانی ان الولید بن قیس

اور یزید میں یہ بات تھی کہ وہ خواہشات نفسانی کا متوالا تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی چھوڑ دیا کرتا تھا اور اکثر ناوقت پڑھتا تھا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ساٹھ سال کے بعد ایسے نادم

ہوں گے جو نمازیں چھوڑیں گے، اپنی
خواہشات کی پیروی کریں گے اور
عنقریب غمی میں رہو کہ جہنم کی
بدترین داری ہے، داخل ہوں گے

حدثہ انہ سمع
ابا سعید الخدری یقول
سمعت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یقول:
یکون خلف من بعد منین
سنة أضاعوا الصلوة
وأتبعوا الشهوات فسوف
یلقون عیا۔ (الحديث)

(ج ۸ - ص ۲۳۰)

(۳) اور پھر وہ حدیثیں ذکر کر کے جن میں یزید کی مذمت وارد ہے (ص ۲۳۲)
پر ایہ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں یزید بن معاویہ پر
اس کی بدکرداری کے سلسلے میں سب
سے زیادہ جو الزام عائد کیا گیا وہ
مے نوشی اور بعض فواحش کے ارتکاب
کا ہے۔

قلت: یزید بن معاویہ
اکثر ما نقم علیہ فی
عمله شرب الخمر وابتیان
بعض الفواحش۔

یاد رہے یہ سب الزامات وہ ہیں جو صحابہ نے اس پر عائد کئے تھے
حافظ ابن کثیر نے ان الزامات سے یزید کی کہیں برأت نہیں کی ہے اب
ملاحظہ رہے کہ جب حافظ ابن کثیر خود محمد بن حنفیہ کی اس روایت پر اعتماد نہیں
کرتے اور جابجا اس کے خلاف اپنے فیصلے صادر کرتے جاتے ہیں تو پھر
ابن الحنفیہ کی نسبت اس قول کی صحت معلوم۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجن سے محمد بن حنفیہ کا یہ مکالمہ ہرأت یزید کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے (دونوں صحابی ہیں اب اگر یہ مکالمہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونوں صحابیوں نے نو یزید پر چھوٹی ٹھنٹ جوڑی اور ابن حنفیہ جو کہ صحابی نہیں ہیں ان کی بات سچی لگتی یہ بات مستغنی کا ذہن تو قبول کر سکتا ہے لیکن عام مسلمان کا نہیں۔

اس افسانہ کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں | پھر یہ بھی واضح رہے کہ اس افسانے

کا ذکر صرف تاریخ ابن کثیر میں ملتا ہے اور انہوں نے بھی اس کی کوئی سند بیان نہیں کی کہ اس پر کوئی علمی بحث کی جاسکے اس افسانہ کو نہ امام ابن جریر طبری نے ذکر کیا ہے نہ حافظ ابن الاثیر جزیری نے اور نہ کسی اور معتبر مورخ نے۔ لہذا پہلے محمد بن حنفیہ سے اس مکالمہ کو بسند صحیح ثابت کیا جائے۔ پھر شبہ ظاہر کیا جائے اور بالضرر اس افسانہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی یزید کے بارے میں ابن حنفیہ کی تعدیل و دستاویز، تابعین کبار کی جرح کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی، صحابہ کی جرح کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ اصول حدیث کا متفقہ قاعدہ ہے کہ: "جرح تعدیل پر مقدم ہے" پھر صحابہ کی جرح کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی تعدیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

من رجال کا متفقہ فیصلہ یزید اس کا اہل نہیں | یاد رہے تاریخ و من رجال کی تمام کتابوں

کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یزید کی عدالت مجروح و مقدوح ہے اور وہ اس کا اہل

نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تقریب
التہذیبؒ میں فرماتے ہیں۔

یزید بن معاویہ بن ابی
سفیان الاموی ابو خالد
ولی الخلافة سنة ستين
ومات سنة اربع وستين
ولم يكمل الامر بعين
لیس باہل آن یروی عنہ

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی
ابو خالدؒ ۶۳۷ھ ہجری میں متولی خلافت
ہوا۔ اور ۶۴۷ھ ہجری میں مر گیا،
پورے چالیس سال کا بھی نہ ہو سکا
یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے کوئی
حدیث روایت کی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ محمد بن حنفیہ کی طرف اگر اس قول کا انتساب صحیح ہوتا یا کسی
بھی صحابی و تابعی سے یزید کی ثنا و صفت منقول ہوتی اور وہ محدثین و ائمہ رجال کے ایک
عادل ہوتا تو فن رجال کا یہ فیصلہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا جو حافظ ابن حجر عسقلانی
نے نقل کیا ہے۔

پوتھاشہ اور اس کا جواب

پوتھاشہ بزمستان کی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو یزید کو ان کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کی بیعت و اطاعت کا حکم دیا۔

اغانی کی روایت میں یہ بات مذکور نہیں | اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کافس تو اتر سے

ثابت ہے اس لیے اس کے صراح ہونے کا ذکر اگر کسی روایت میں آئے تو وہ روایت شاذ و اناہل قرار ہوگی، علامہ ابوالفرج اصفہانی نے "الاغانی" میں اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ان ابن عباس اتاہ نعی
معاویۃ رولایۃ یزید رھو
یعیشی اصحابہ دیا کل
معمور قد رافع الی فیہ
لقتۃ فلقاھا دأطرفت
ہنیہتہ ثم قال جبل
تدکدک ثم ماں یجمیعہ
فی البحر و ا شتمت علیہ
الابحر فھہ در ابن ہند
ماکان اجمل رجھہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی خبر مرگ اور یزید کے حاکم بننے
کی اطلاع پہنچی ہے تو وہ اپنے اصحاب
کو شام کا کھانا کھلا رہے تھے اور خود
بھی ان کے ساتھ کھا رہے تھے۔
اس وقت آپ اپنے منہ میں لقمہ
ٹٹنے ہی والے تھے کہ آپ نے لقمہ
رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک سر جھکا کر
رہے پھر

واکرم خلقہ واعظم حلقہ
فقطع عنہ الکلام رجل
وقال اتقول هذا فيه
فقال ويحك انك
لا تدري من منى

عذك ومن بقى عيذك
وستعلم ثم قطع الكلام
(ج - ۱۶ ص ۷۷ طبع دار الفکر)

بیرونی

رہنما نے لگے کہ ایک پہاڑ تھا جو ریزہ
ریزہ ہو کر سارے کا سارا سمندر میں
چلا گیا اور اس کے کئی سمندر بن گئے
ابن ہند (معاویہ) کے کیا کہنے، اس
کا چہرہ کتنا پیارا، اس کا اخلاق کتنا
عمدہ اور اس کا علم کتنا زیادہ تھا اس
پر ایک شخص ان کی بات کاٹ کر
کہنے لگا آپ بھی ان کے بارے
میں ایسا کہتے ہیں، فرمایا تجھ پر فوس
ہے تجھے پتہ ہی نہیں کہ تجھے پتہ کر
کون چلا گیا اور تجھ پر مسط ہونے کے
لیے کون باقی رہ گیا سو، اب تجھے معلوم ہو گیا
تاکہ رے سنے غلو ختم کر دی۔

اور مستفتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو کچھ نقل کر کے
اس کے لیے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک ازہرہ داسیہ کا۔ ۱۰۵
بلاذری کا۔

الامامہ والسیاسہ قابل استناد نہیں | الامامہ والسیاسہ

سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس موقع پر جو رائے ظاہر کی ہے آئندہ ہونے والے
واقعات نے اس کی تصدیق کی چنانچہ تقریباً چودہ پندرہ سال تک پھر اموی حکومت کو استحکام
نصیب نہیں ہو سکا اور اسلامی دنیا اس عرصہ میں خانہ جنگی میں مبتلا رہی۔

قابل استناد کتاب نہیں، معلوم نہیں اس کا مصنف کون ہے۔ مشہور ادیب ابن قتیبہ کی طرف اس کی نسبت جعلی ہے۔

بلاذری کی سند صحیح نہیں

بلاذری تو اس کی سند میں صحت معلوم نہیں ہوتی ایسی روایت ہر حال میں مردود ہے اور اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہو تو سند پیش کر کے اس کی صحت کا ثبوت دے۔ خود محدث بلاذری کی انساب الاشراف میں یزید کا تذکرہ اس کے فتنی و فحور کے ذکر سے پرستے تاہم اس میں بعض ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن کی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے سنہ ۱۹۴۰ء میں یروشلم سے اس کتاب کو شائع کیا تھا اور انہی یہودیوں کی اتباع میں محمود احمد عباسی جیسے علما نے مسلمانوں میں انتشار فکر پیدا کرنے کے لیے اس قسم کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔

بالقرض یہ روایت صحیح ہو تو حضرت ابن عباس کی آخری رائے کا اعتبار ہوگا

اور بالقرض
مختصری کے
لیے مان بھی

لیا جائے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے بارے میں یہی اظہار خیال فرمایا تھا جو اس روایت میں مذکور ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ یزید کا فتنہ ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی زندہ تھے اور وہ سب کے سامنے نیک بنا رہتا تھا اس لیے ممکن ہے نظر بظاہر آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد اس کے بارے میں ایسا اظہار خیال فرمایا ہو۔ بعد کو جب اس کا فتنہ عالم آشکارا ہوا

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منظر ومانہ شہادت نے اس کے ظلم و عدل پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خود یزید کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا۔ اہل اعتبار اس کا ہوگا۔

یزید اور حضرت ابن عباس کی خط و کتابت | چنانچہ یزید کے نام حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خط و کتابت جو کتب تواتر میں درج ہے وہ دیکھی جائے اس سے سب حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نظروں میں یزید کا کتنا احترام تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تھی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اس انکار سے یزید یہ سمجھا کہ چونکہ یہ سیری بیعت میں داخل ہیں اس لیے انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت سے انکار کیا ہے اس بات سے خوش ہو کر اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو خط لکھا ہے وہ یہ ہے۔

یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام |

اما بعد: مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد

ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت

کے لیے کہا تھا اور آپ ہماری فساد

میں ہماری بیعت پر مستقیم ہیں

اما بعد: فقد بلغني ان الملاحدين

الزبير و هالك الى بيعته و انك

اقتصمت بيعتنا و فاد

هناك لنا فجزاك الله من

ذی رحم خیر ما یجزی
 المرء حیلین لا یرحمهم
 المرفضین بعھو دھم
 فما أنسی من الأشیاء
 فاست بناس برک
 وتعجیل صلتک بالذی
 أنت لد اهل فانظر من
 طبع عبدک من الآت فی
 ممن سحرهم ابن
 الزبیر بلسانہ فاعلمهم
 بحالہ فانذهم منک
 اسد مع الناس ولک
 اطوع منہم للمحل
 (الکامل ابن اثیر ج ۳ ص ۵۰)

اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر
 سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے جو وہ
 ان حضرات کو عطا کرتا ہے کہ جو صلہ
 رجمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم
 رہتے ہیں سواب میں کچھ بھی بھول
 پر آپ کے اس احسان کو نہیں
 بھولوں گا اور آپ کی خدمت میں نوراً
 ایسے صلے کی روانگی جو آپ
 کے شایان شان ہو اب اب رہا
 اتنا خیال اور رکھیں کہ جو بھی بیرونی
 آدمی آپ کی خدمت میں آئے اور
 ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے
 اسے متاثر کر لیا ہو تو آپ ابن زبیر
 کے حال سے اسے آگاہ فرمادیں
 کیونکہ میں حرم کعبہ کی حرمت کے
 صلہ کرنے والے ہوں اس کی نسبت لوگ آپ
 کی زیادہ سنتے اور زیادہ مانتے ہیں

ابن زبیر مراد ہیں کہ بڑی کی بیعت نہ کرنے کے
 سبب یزید خاک بدین گستاخ ان کو ملے اور حرمت کعبہ کو ختم کرنے
 والا کہتا تھا

یزید کے اس خط کے جواب میں
حضرت ابن عباس رضی
اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو

حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ
یزید کے نام

جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے :

اما بعد : فقد جاءني

كتابك ، فاما ترك

بيعة ابن الزبير فوالله

ما ارجو بذاك ترك

ولا حمدك ولكن الله

بالذي انصوى عليه

ونراحت انك لست

بناس بري فاحبس

ايها الانسان برئ غني

فاني احابس عنك

بري وسالت ان احبب

الناس اليك والفضهم

واخذ لهم لابن الزبير

فلا ولا سرور ولا كرامة

كيف قتلت حسينا

ونثيان عبد المطلب

مصايح الهدى

اما بعد : تمہارا خط مجھے ملا میں نے

جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ

اس سلسلہ میں میں تم سے حسن

سلوک اور تمہاری ثنا و صفت کا خواہاں

نہیں ، بلکہ جس نیت سے میں نے کیا

کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خواب جانتا ہے

اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن

سلوک کو فراموش نہ کر دو گے تو اسے

انسان اپنے اس حسن سلوک کو اپنے

پاس اٹھا رکھ کیونکہ میں اپنے حسن

سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا اور

تم نے جو مجھ سے درخواست کی ہے

کہ میں لوگوں کے دنوں میں تمہاری

محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے

ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے

یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں

سوا ایسا بالکل نہیں ہو سکتا ، تمہاری

و نجوم الا علام غادر تھو
 حیولک بامرک فی صغیر
 واحد مرملین بالدماء
 مسلوبین بالعرء مقتولین
 بالظماء، لا مکفنین و لا
 موسدین تسفی علیہم
 الیاح وتنتابہم عوج
 الضباع حتی اتاح اللہ
 بقوم لم یشرکوا
 فی دمائہم کفنوہم
 واجنوہم و بری بہم
 قنارت و جلست
 مجلسک الذی
 جلست فما أنسی
 من الاشیاء فلست بناہی
 اطر ادک حسینا من
 حرم رسول اللہ صلی اللہ

خوشی ہمیں منظور ہے، اور نہ تمہارا
 اعزاز، اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا
 ہے حالاں کہ تم نے حسین کو اور ان
 جوانانِ عہدِ المطلب کو قتل کیا
 جو ہدایت کے چراغ اور ناموول
 میں ستارے تھے، تمہارے سواروں
 نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو
 آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں
 اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے
 بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا،
 پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا
 گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے
 دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں
 اور بھوسے بھو باری باری سے ان کی
 لاشوں پر آتے جاتے رہے، تاکہ حق
 تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی قوم کو بھیجا
 جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگیں

لے یاد ہے الکامل لابن الاثیر کے مہجود نسخہ میں یہاں "موسدین" کی بجائے
 "موسدین" اور "مناہم" کی جگہ "ینشاہم" اور "عوج الضباع" کی بجائے "عرج" "بطاح"
 غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس کی تصحیح "جمع الزوائد" سے کر دی ہے۔

علیہ وسلم الی حرم اللہ
 وتیسیر لک الخیول الیہ
 فمات لک بذلک
 حتی اشخصتہ الی
 العراق فخرج نحائفاً
 یتربق فتزلت بہ
 خیلک عداوۃ ہند
 ملک ورسولہ ولاہل
 بیتہ الذین اذهب
 اللہ عنہم الرجس
 وطہرہم تطہیراً
 فطلب الیکم الموارعۃ
 وسالکم الرجعة
 فانتمتم قلۃ النصارۃ
 واتبیہا اہل بیتہ
 وتعاونتم عیدہ کانکم
 قتلتم اہل بیت من
 الشریک والکفر
 فلا شئی اعجب
 عندی من طلبتک
 ودعی قد قتلک ولد ابی

نہ تھے ان لوگوں نے آکر ان کو کفن
 دیا اور دفن کیا، حالانکہ بخدا ان
 ہی کے طفیل تھے یہ عزت ملی ہے
 اور تجھے اس جگہ بیٹھا نصیب جو جس جگہ اب
 بیٹھا ہوا ہے اب میں خواہ سب
 چیزیں فراموش کر دوں، پر اس بات
 کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تو نے
 ہی حسین کو مجبور کر کے رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم سے
 حرم الہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے
 سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا
 رہا اور مسلسل لگارتا آئے ان کو
 عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا
 چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت
 میں نکلے کہ ان کو دمہڑ کا لگا ہوا تھا
 اور پھر تیسرے سواروں نے ان کو
 جا لیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا رسول
 اور ان اہل بیت کی عداوت میں
 کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی ست
 دور کر کے ان کو خوب پاک و صاف
 کر دیا تھا۔ حسین نے تمہارے سامنے

وسيفك يقط رمس
دهى وانت احد ثامرى
ولا يعجبك ان ظفرت
بنا اليوم فلنظفرن
بك يومًا - والسلام

(کامل ابن اثیر ج ۴ - ص ۵۷۵)

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ
جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے
یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار
ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال
کیا جاسکتا ہے موقع کو غنیمت
جانا اور تم ان کے خلاف باہم
تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ
پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں
کے خاندان کو قتل کر رہے ہو پس
اب میرے نزدیک اس سے زیادہ
اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری
دوستی کا طالب ہے حالانکہ تو میرے
دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے
اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک
رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام
کا ہدف ہے اور اس نیپالی میں
نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پا
لی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر
فتح پا کر رہیں گے۔ والسلام۔

لے تمارے شاہد ہے کہ حضرت کی یہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہی اور عیسائیوں ہی کے ربانی اگے صغیر

پانچواں شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن العزنی نے
 "العواصم من القواصم" میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے کتاب التزہد میں
 تیرید کا ذکر زیادہ صحابہ کے بعد از تابعین سے پہلے اس زمرہ میں ذکر کیا ہے
 جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

اس کا جواب

ابن العزنی کی رائے | یہ صحیح ہے کہ حافظ ابوبکر بن العزنی، امام
 غزالی کے شاگرد تھے لیکن خود ان کے دل میں
 استاد کی جو قدر تھی وہ بھی سن لیجئے۔
 حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں ۵۲۵ ہجری کے دنیاات کا ذکر کرتے
 ہوئے لکھتے ہیں

وَمِمَّنْ ثَوَّتْ فِيهَا مِنْ
 الْأَعْيَانِ الْفَقِيهَ ابُو بَكْرٍ
 بَنِ الْعَزَنِيِّ الْمَالِكِيِّ شَارِحِ
 التِّرْمِذِيِّ كَانَ فَقِيهًا
 عَالِمًا وَنَازِلًا عَابِدًا
 وَسَمِعَ الْحَدِيثَ بَعْدَ
 اَوَّلِ اس سنی میں جن بڑے لوگوں کا
 انتقال ہوا۔ ان میں فقیہ ابوبکر
 بن العزنی مالکی شارح ترمذی بھی
 ہیں یہ فقیہ و عالم اور زاہد و عابد تھے
 انہوں نے حدیث کا سماع فقہ میں
 مشغول ہونے کے بعد کیا تھا۔ غزالی

اشتغالہ فی الفقہ و صاحب
الفرای و اخذ عنہ و کان
یتهمہ برای الفلاسفہ
و یقول دخل فی اجوافہم
فلم ینخرج منہا

(ج ۲ ص ۲۲۸، ۲۲۹)

ابن العربی کا فتویٰ کہ حسین کا قتل جائز تھا

کی صحبت میں رہے ان سے علم بھی
حاصل کیا اور غزالی کو فلاسفہ کی رائے
سے بھی متہم کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے
تھے کہ فلاسفہ ان لوگوں کے پیڑوں
میں ایسا گھسا کہ پھر نکلا ہی نہیں۔

بجائے بقول شاگرد، استاد تو فلاسفہ کے
چکر سے ساری عمر نہ نکل سکے۔ مگر خود بدولت
کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ یزید جیسا شقی تو آپ

کو اولیاء کبار کی صف میں نظر آیا اور بیچانتہ الرسول، سید شباب اہل البیت
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نظر میں ایسے مجرم ٹھہرے کہ جناب کے جھٹکے
ی فتویٰ صادر فرما دیا کہ

قتل الحسین بشرع
جذہ

حسین کو ان کے نانا کی شرع کے مطابق
قتل کر ڈالا گیا۔

نازم برین فطانت سمجھ بوجھ ہو تو ایسی ہو۔ غالی نا صبیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ
علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں

غلو الناصبیۃ الذین
یزعمون أن الحسین
کان نجساً حیاً وانہ کان

نا صبیوں کا غلو ہے جو یہ زعم
کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے

بجوز قتلہ

خلاف خروج کیا اور اس لیے
ان کو قتل کرنا جائز تھا۔

قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی ہیں | چنانچہ اسی لیے شاہ عبدالعزیز
صاحب رحمہ اللہ قنوی عزیزی
میں لکھتے ہیں :-

نواصب فرقہ جداست، ورائے
خوارج در مغرب و شام بسیار بودہ
اند، و متوکل عباسی و وزیر اعلی
ابن جہم نیز از جملہ نواصب است
خوارج جمیع مقامین را از صحابہ
بمحو طلحہ و زبیر و امیر المومنین علی
المرتضی و معاویہ و عمر و بن العاص را
تکفیری کہند۔ و نواصب بعض عداوت
امیر المومنین علی المرتضی کرم اللہ وجہہ
و ذریت طاہرہ او شعار خود دارند و
از مناخرین حافظ مغربی نیز ناصبی
است۔

نواصب "خوارج" سے جدا فرقہ ہے
یہ مغرب اور شام میں بہت تھے۔
خليفة المتوکل عباسی اور اس کا وزیر علی
بن جہم بھی نواصب میں سے تھے۔
خوارج ان کام صحابہ کرام کو جن میں
باہم جنگ ہوئی یعنی حضرت طلحہ و زبیر
زبیر، امیر المومنین علی المرتضی، حضرت
معاویہ اور حضرت عمر و بن العاص،
ارضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سب کو کافر
بتاتے ہیں اور نواصب نے صرف
امیر المومنین علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی عداوت
کو اپنا شعار بنایا ہے۔ متاخرین میں

ج ۱ ص ۲۵۶

البیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ: الامام بن القوام ابن العربی ص ۲۳۶ علی قنوی صاحب

نہ ج ۱ ص ۲۵۶ طبع امیر یہ مصر ۱۳۲۱ھ

حافظ مغربی (ابو بکر ابن العربی) بھی
ناصبی ہے۔

کتاب الزہد میں جن صاحب کا تذکرہ ہے وہ امیر یزید
نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ ہیں ،

اسی ناصبیت کی شامت سے شاید قاضی حبی کو وجہ ہو گیا اور انہوں نے
کتاب الزہد میں یزید بن معاویہ کا نام دیکھتے ہی اس کو اپنا مدوح امیر یزید
سمجھ لیا، یہ امیر یزید اموی کی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ
نخعی کوئی ہیں جو مشہور زاہد و عابد گزرے ہیں ان کا تذکرہ "تذیب التہذیب"
وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے۔ ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے حافظ
جمال الدین مزی کی "تذیب الکمال" سے ان کا پورا ترجمہ نقل کیے دیتے ہیں
لاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں :-

یزید بن معاویہ نخعی کوئی ، ابو بکر بن ابی
خثیمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اور عمرو بن
عقبہ بن فرقہ اور ربیع بن خثیمہ اور ہمام
بن الحارث اور معضد الشیبانی اور
جندب بن عبد اللہ اور کلیل بن زیاد
نخعی اور اولیس قرنی ان سب کا شمار
عابدوں میں رہے ۔ اور عبد الرحمن
بن یزید کوئی نخعی سے منقول ہے کہ فارک
یزید بن معاویہ النخعی کوئی
کر ابو بکر بن ابی خثیمہ
امہ معدود فی العبادہ و
عمرو بن عقبہ بن فرقہ
وربیع بن خثیمہ و ہمام
بن الحارث و معضد الشیبانی
وجندب بن عبد اللہ و کلیل
بن زیاد النخعی و اولیس

القرنی، وحکی عن عبد الرحمن بن یزید النخعی قال خرجانی جیش نحو فارس فیده علقمة ویزید بن معاویة فقتل یزید بن معاویة، له ذکر فی الدعاء من صحیح البخاری فی باب الموعظة ساعة بعد ساعة فی حدیث شقیق بن سلمہ قال کنا نشتغل عبد اللہ اذ جاء یزید بن معاویة فقلنا لا تجلس الحدیث مذکره فی تاریخ و ذکره ابن حبان فی کتاب الثقات وقال قتل غازیة بفارس لہ۔

کی مہم پر ایک لشکر میں مہم بھی روانہ ہوئے تھے اسی لشکر میں علقمہ اور یزید بن معاویہ بھی تھے پھر یزید بن معاویہ اسی مہم میں شہید ہوئے صحیح بخاری، کتاب الدعاء کے باب الموعظة ساعة بعد ساعة میں بروایت شقیق بن سلمہ مذکور ہے کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہر آنے کے منتظر تھے کہ اسی اثناء میں یزید بن معاویہ بھی آگئے ہم نے ان سے عرض کیا آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟ (نہ) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اب یہ خدا ہی جانے قاضی ابوبکر بن العزبی کو اپنی خوش فہمی کی بدولت یہ وہم ہوا ہے یا انہوں نے قصداً ہی مغالطہ دینے کے لیے لوگوں کا ذہن یزید بن معاویہ کوئی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بجائے (جو طبقہ کبار تابعین میں بڑے عابد و زاہد بزرگ گزرے
ہیں) اپنے مدوح امیر یزید بن معاویہ اموی کی طرف منتقل کر دیا، تاکہ لوگ اس
یزید پلید کو بھی حضرت یزید کوئی نفعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح نہ ہو و عبادت میں حضرت
اولیں قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہمسر سمجھنے لگیں۔

ناصبیوں کا امام طبری کو رافضی بتانا | درحقیقت یہ ویسی ہی ناپاک
جسارت ہے جیسی کہ آج کل کے

ناصبی حضرت امام ابن حبر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کرتے ہیں جو مجتہدین
اہلسنت میں بڑے نامور امام گزرے ہیں انہیں صرف اس لیے رافضی بتاتے
ہیں کہ اس نام کا ایک دوسرا رافضی عالم بھی گزرا ہے ان ناصبیوں کی یہ سنی محمود
صرف اس لیے ہے کہ امام طبری کی "تاریخ ناصبیت" کا ساتھ نہیں دیتی۔

۱۔ ناصبیت کی طرف میدان کے سبب حافظ مغربی ابو بکر بن العسبلی اگرچہ تمام
مورخین اسلام سے نالاں ہیں۔ مگر امام طبری سے ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ تمام
مورخین اسلام میں اگر ان کو کسی مورخ پر اعتقاد ہے تو وہ صرف امام ابو جعفر محمد ابن حبر
طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ العواصم من القواصم میں نہایت
دلوزی کے ساتھ ان کی تاکید یہ ہے کہ ولا تسمعوا لمورخ کلاماً
الا للطبری (ص ۲۴۸) طبری کے سوا کسی مورخ کی کوئی بات نہ سنو۔

اب سوچنے کی بات ہے رافضیوں کے بارے میں حافظ ابو بکر بن العسبلی
سے زیادہ کون حساس ہو گا۔ امام طبری کی تصانیف بالخصوص "تاریخ" میں اگر
رفض کی تہماتی ہوتی تو وہ اس رائے کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے۔

مطبوعہ کتاب الزہد اصل نہیں | واضح رہے کہ حال میں جو کتاب الزہد
اس کا انتخاب ہے | امام احمد بن حنبلؒ کے نام سے مطبع
ام القریٰ مکہ سے شائع ہوئی ہے وہ پوری

کتاب نہیں بلکہ اس کا انتخاب ہے، پوری کتاب جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی
نے "تعییل المنفعة" کے مقدمہ میں تصریح کی ہے بڑی ضخیم کتاب ہے جو سند احمد
بن حنبلؒ کی تقریباً ایک تہائی ہے۔ موجودہ نسخہ حوالہ کتاب کا انتخاب ہے
اس میں "دوتوں یزیدوں" کا تذکرہ نہیں ہے لہذا قاضی جی کی "الحواسم" سے
اس بارے میں استدلال کرنا محض نادانی ہے۔

یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح کہ
اس سے کوئی روایت نہ کی جائے | بہر حال حضرت امام
احمد بن حنبلؒ کی طرف
اس خرافات کو منسوب

کرنا کہ وہ یزید کو "عابد و زاہد مانتے تھے" بہت بڑی جسارت ہے۔ حافظ
دھبیؒ نے "میزان الاعتدال" میں یزید کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ
قول نقل کیا ہے کہ

لا یسبغی ان یروی عنہ | اس سے روایت کرنا نہیں چاہیے
اور حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

قبل له ان یتکلم الحدیث
عن یزید بن معاویۃ قال
لا دلائل کرامۃ، اولیس هو
الذی فعل باہل المدینۃ
ما فعل۔
حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے
عرض کیا گیا کہ کیا یزید بن معاویہؓ
سے حدیث آپ لکھیں گے،
فرمایا انہیں، اور نہ اس میں کچھ
عزت ہے، کیا یہ وہی شخص

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ - ۳ - طبع)

بیاض

نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے

ساتھ وہ ظلم کیا جو بیان سے باہر ہے

حافظ ابن حجرؒ نے "تجھیل المنفعة" میں امام احمد کی کتاب "الزہد" اور ان کی

مسند کے ان تمام رجال کا ذکر کیا ہے جن سے صحیح سند میں روایتیں

نہیں ہیں اس میں یزید بن معاویہ کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور

نہیں صرف اس کا ذکر آیا ہے۔

ولم یقع له فی المسند

روایت و انما له مجرد ذکر

پھر فرماتے ہیں:-

وقد وقع لیزید بن معاویہ

ذکر فی الصحیح و فی السنن

ایضا دخلت له فی المراسیل

لابی داؤد بروایت ذکر

له من اجلها تذکرہ فی

تہذیب التہذیب۔

ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ تہذیب التہذیب میں یہ بھی تصریح کر دی

ہے و لیست له روایت قتمد (اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل

اعتماد ہو) واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تجھیل المنفعة، تہذیب

التہذیب اور لسان المیزان ان تینوں کتابوں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے۔

لے ذکر ہے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے بلکہ سدھم

میں کہیں اس کا ذکر آگیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان سے
یزید کا مکمل ترجمہ

ہم لسان المیزان سے یزید
کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے
ہیں، فرماتے ہیں۔

یزید بن معاویہ بن ابی
سفیان الاموی روى عن
ابيه، وعنه ابنه خالد
وعبد الملك بن مروان،
مقدوح في عدالتہ ولبس
بأهل ان يروى عنه، وقال
احمد بن حنبل: لا ينبغي
ان يروى عنه انتهي وقد
وجدت له رواية في

مراسيل أبي داود، وبرهت
عليها في "النكت على الاطراف"
واخباره مستوفاة في
تاريخ ابن عساکر وملخصها
انه ولد في خلافة عثمان
وقد ابطال من زعم انه
ولد في عهد النبوي دكيتہ
ابو خالد ولما مات ابو بريح
له بالخلافة سنة

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی
اس نے اپنے باپ سے روایت
کی ہے اور اس سے اس کے بیٹے خالد
اور عبد الملک بن مروان نے اس کی
عدالت بھروسہ ہے اور یہ اس کا اہل نہیں
کہ اس کی کوئی روایت لی جائے۔ امام
احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے
روایت نہ کرنا چاہیے ایسا ذہبی
کی عبارت جو میزان الاعتدال میں ہے
تمام ہوئی، مجھے اس کی ایک روایت
مراسیل ابی داؤد میں ملی، جس پر میں
نے "النکت علی الاطراف" میں تنبیہ
کر دی ہے۔ یزید کے حالات تاریخ
ابن عساکر میں تمام وکمال مذکور ہیں
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں
پیدا ہوا، اور اس نے غلطی کی جس نے
یہ کہا کہ اس کی ولادت عہد نبوی میں

ستین، و امتنع من بیعتہ
 الحسین بن علی و عبد اللہ
 بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عاذ
 بحرم مکہ فسمی عائد
 البیت و اما ابن عمر رضی اللہ
 عنہما فقال اذا اجتمع
 الناس با یعت ثم با یع
 و اما الحسین رضی اللہ عنہ
 فسار الی مکہ فوافق بیعتہ
 اهل الکوفة فسار الیہم
 بعد ان ارسل ابن عمہ
 مسلم بن عقیل لاقض
 البیعة فظفر بہ عبید اللہ
 بن زیاد امیر ہا فقتلہ
 و جہز الجیش الی
 الحسین فقتل فی یوم
 عاشوراء سنة احدى
 و ستین ثم ان اهل المدينة
 خلعوا یزید فی سنة ثلاث
 و ستین فجهز الیہم

ہوئی تھی اس کی کنیت ابو خالد ہے
 سید ہجری میں اپنے والد کے انتقال
 پر اس سے بیعت خلافت ہوئی حضرت
 حسین بن علی، عبد اللہ بن عمر اور عبد
 بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس
 سے بیعت نہ کی۔ اور حضرت ابن زبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو حرم مکہ میں پناہ
 گزین ہو گئے اور اس بنا پر ان کو
 عائد البیت کہا جانے لگا۔ اور حضرت
 ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ
 جب سب لوگ اس کی بیعت پر
 مجتمع ہو جائیں گے تو میں بھی بیعت نہ
 کروں گا۔ بعد کو آپ نے بھی بیعت کر لی
 رہے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 تو آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پھر
 اہل کوفہ کے بیعت کرنے پر آپ ان
 کی طرف روانہ ہو گئے اس سے پہلے
 آپ اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل
 کو بیعت لینے کی غرض سے بجانب
 کوفہ روانہ کر چکے تھے۔ وہاں امیر کوفہ
 عبید اللہ بن زیاد کا ان پر قابو چل گیا

مسلم بن عقبہ امری فم
جیش حافل مقاتلہم
فہزمہم و قتل منهم
خلق کثیر من الصحابة
وابناؤہم و سبق اکابر
التابعین و فضلاءہم
و استباحھا ثلاثۃ ايام
فہبوا و قتلوا ثم بايع من
بقي علی انہم عبید یزید
و من امتنع قتل ثم توجه
إلی مکة لحرب ابن الزبیر
فمات فی الطريق و عہد
إلی الحصین بن نمیر بنسار
بالجیش الی مکة فحاصر
ابن الزبیر و نصبوا المنجیق
علی الکعبة فوهت اسرکانھا
ثم احتوت فی اثتار
ذالک و زاد الخیر بموت یزید
ثم مات ابنہ معاویہ بن
یزید بعد قیل و صفا الجولان
الزبیر فندعنا الی نفسہم

اور اس نے ان کو قتل کر ڈالا اس
نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی طرف فوج بھیجی جہاںچہ آپ کو
بروز عاتق ثور اسلحہ کو قتل کر دیا
گیا اس کے بعد اہل مدینہ نے اسے
میں یزید کی بیعت توڑ دی تو یزید
نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے مسلم
بن عقبہ سری کی سرکردگی میں ایک
بھاری لشکر روانہ کیا جس نے اہل
مدینہ سے جنگ کر کے ان کو ہزیمت
دی، اس جنگ میں صحابہ، اولاد صحابہ
اور کاتب تابعین میں سربراہان و حضرات
کی ایک کثیر خلقت قتل کر دی گئی، مسلم
بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ شریف
کو لوٹ مار اور قتل و غارت کے لیے
حلال کر دیا پھر جو زندہ بچ گئے ان
سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید
کے غلام ہیں اور جس نے بھی بیعت
سے انکار کیا ہے اس کا سر قلم کر دیا
گیا اس کے بعد مسلم نے مکہ معظمہ کا
رخ کیا تاکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ

نبایعہ اہل الافاق و اکثر
 اہل الشام ثم خرج
 علیہ مروان بن الحکم
 نکات ما کان، قال ابو یعلیٰ
 فی مسندہ "حدثنا الحکم
 بن موسیٰ قال حدثنا الولید
 عن الاوزاعی عن مکحول
 عن ابی عبیدۃ بن الجراح
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم "لا یرال امرأتی
 قائما بالسوی حتی یکون
 اول من یشہ رجل
 من بنی امیۃ یقال
 لہ یزید و قال ابو زرعہ
 الدمشقی حدثنا ابو نعیم
 حدثنا شیبان عن ابن
 المنکدر قال لما جاءت
 بیعة یزید قال ابن عمر
 رضی اللہ عنہما ان کان
 خیرا رضینا وان

تعالیٰ عنہ سے جنگ کئے مگر اسے راہ میں
 ہی موت لے آیا، مسلم نے حسین بن
 نمیر کو سالار لشکر کیا تھا، چنانچہ یہ لشکر
 لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت ابن
 زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر لیا
 اس لشکر نے کعبہ کے بالمقابل منجیق
 نصب کر کے اس پر گولہ باری شروع
 کر دی جس سے کعبہ کی بنیادیں کمزور
 ہو گئیں اور پھر اس میں آگ لگ گئی
 اسی آتش میں یزید کے سر نے کی خبر
 آئی اور پھر تھوڑی ہی مدت میں اس
 کا بیٹا معاویہ بن یزید بھی مر گیا۔ اب
 حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 کے حق میں فضا صاف ہو چکی تھی
 چنانچہ آپ نے اپنے بیعت کی دعوت دی
 اہل افاق اور اہل شام کی اکثریت
 نے آپ سے خلافت پر بیعت کر
 لی پھر مروان نے آپ کے خلاف
 خروج کیا اور جو ہونا تھا ہو کر رہا۔
 امام ابو یعلیٰ اپنی مسند میں وارد
 کرتے ہیں کہ ہم سے حکم بن موسیٰ نے

کان بلا عَصَبِ نَا۔

۳۰۰

حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ
ہم سے ولید نے اوزاعی سے حدیث
نقل کی، اوزاعی، کچول سے راوی
میں اور کچول حضرت ابو عبیدہ بن
الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا: میری امت کا
معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا تا آنکہ
بنی امیہ میں سے ایک شخص جس کا
نام یزید ہے سب سے پہلے اس
رخنہ ڈالے گا۔ ابوزرعرہ دمشقی کہتے
ہیں کہ ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا
کہ ہم سے شیبان نے ابن المنکدر
سے روایت نقل کی ہے کہ جب
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
کے پاس یزید کی بیعت کی اطلاع
آئی تو آپ نے فرمایا اگر یزید بھلا
ہو تو ہم اسے پسند کریں گے اور
بلا ہو تو صبر کریں گے

ابن شوزب کہتے ہیں کہ میں نے
ابراہیم بن ابی عبد سے سنا وہ

وقال ابن شوزب سمعت

ابراہیم بن ابی عبد،

یقول سمعت عمر بن
عبد العزیز یترحم علی
یزید بن معاویۃ و قال
یحییٰ ابن عبد الملک بن
ابی عتبۃ حدثنا نوفل
بن ابی عقرب کنت
عند عمر بن عبد العزیز
ف ذکر رجل یزید بن
معاویۃ فقال امیر
المومنین یزید، فقال له عمر
تقول امیر المومنین؟
وامر به ف ضرب به
عشرین سوطاً۔

قال ابو بکر بن عیاش : بايع

کہتے تھے میں نے حضرت عمر بن
عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو
یزید کے لیے رحم کی دعا کرتے ہوئے
سنا۔ اور یحییٰ بن عبد الملک بن
ابی عتبہ کا بیان ہے کہ ہم سے نوفل
بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں
حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت
میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے
یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے
امیر المومنین یزیدؓ کے الفاظ کے
نکل گئے اس پر حضرت عمر رحمہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا تو اس کو امیر المومنین
کہتا ہے وہ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس
کو بیس کوڑے لگانے جائیں،
چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔
ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ یزید

لہ واضح رہے کہ گنہگار کے حق میں دعا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ آخر نماز جنازہ تو
بڑے بڑے گنہگار کی بھی پڑھی ہی جاتی ہے۔

۲۔ اس نے یزید کو احتراماً ایسا کہا ہوگا اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی کیونکہ ناستق کی
تعظیم اور اس کا احترام ممنوع ہے۔

الناس له في رجب سنة ستين
ومات في ربيع الاول سنة
ثلاث وستين كذا قال،
والصواب في نصف ربيع الاول
سنة اربع وثمانين سنة مات
ثمانيا وثلاثين سنة - (سان الميزان
ص ۲۹۳، ۲۹۴ ج ۶ - ترجمه يزيد بن معاوية
بن ابی سفیان الاموی طبع بچند آبادکن
(الذیاب) ۳۳۱ھ ہجری ۰

سے لوگوں نے رجب ۳۳۱ھ ہجری
میں بیعت کی اور ربيع الاول ۳۳۲ھ
میں وہ مرگیا، ان کا یہی بیان ہے
لیکن صحیح یہ ہے کہ یزید ۱۵ ربيع
الاول ۳۳۲ھ ہجری کو مرا ہے جس
دن اسے موت آئی اس دن اس
کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔

امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے | ظاہر ہے کہ اگر یزید کا ذکر امام احمد
کی کتاب الزہد میں ہوتا تو حافظ
ابن حجر عسقلانی "جنہوں نے کتاب الزہد کے تمام رجال پر کام کیا ہے یزید
کے ترجمے میں اس کا ضرور ذکر کرتے یزید سے روایت کے بارے میں تو امام
احمد رحمہ اللہ نے جو رائے ظاہر کی وہ آپ کی نظر کے سامنے ہے اب وہ مستحق
لعنت تھا یا نہیں اس کے بارے میں بھی امام ممدوح کی یہ تصریح پڑھ لیجئے
حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

قال صالح بن احمد بن حنبل
قلت لابی ان قوما یقولون:
انہم یحبون یزید قال:
یا بنی! وہل یحب یزید
احد یوم من باللہ والیوم
صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ
میں نے اپنے والد ماجد سے عرض
کیا یہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے
ہیں کہ وہ یزید سے محبت رکھتے ہیں
یہ سن کر آپ نے فرمایا بیٹے کوئی شخص

الآخر؛ فقلت، یا أبت
فلما ذالما تلعنہ؟ قال
یا بٹنی! و متنی رأیت
أبائی یلعن احدا؟
المجموع فتاویٰ ابن تیمیہ

ج - ۳ - ص - ۱۲۲

بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کر
سکتا ہے؟ میں نے ہر عرض کیا
ابا جان! پھر آپ اس پر لعنت کیوں
نہیں فرماتے، آپ نے جواب دیا
بیٹا تم نے اپنے باپ کو کسی پر
لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا ہے

اس روایت میں امام ممدوح نے یہ نہیں فرمایا کہ اس پر لعنت نہیں کرنی
چاہیے۔ بلکہ اپنے عمل کو تبادلیا کہ میں کسی پر لعنت نہیں کیا کرتا۔ مگر دوسری
روایت میں جس کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر
منہجی میں نقل فرمایا ہے۔ اس کے مستحق لعنت ہونے کی صاف تصریح فرما
دی ہے یہ روایت حسب ذیل ہے۔

قال ابن الجوزی انه دوی
القاضی ابو یعلیٰ فی کتابہ المعتمد
فی الاصول بسندہ عن
صالح بن احمد بن حنبل
انه قال: قلت لأبی
یا أبت یزعم بعض الناس
انا نحب یزید بن معاویہ
فقال احمد: یا بٹنی هل
یسوغ لمن یؤمن بالله

ابن جوزی کہتے ہیں کہ قاضی ابو یعلیٰ
نے اپنی کتاب "المعتمد فی الاصول"
میں بسند صالح بن احمد بن حنبل
سے روایت کی ہے میں نے اپنے
والد بزرگوار سے عرض کیا کہ ابا جان
بعض لوگ اس امر کے مدعی ہیں
کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت
رکھتے ہیں آپ نے فرمایا بیٹا بھلا
جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو

ان یحب یزید ولیم لایلعن
 رحیل لعنہ اللہ فی کتابہ ؟
 قلت یا ابت ! این لعن
 اللہ یزید فی کتابہ ؟ قال
 حیث قال فهل عسیتم
 ان تولیتم ان تفسدوا
 فی الارض و تقطعوا
 ارحامکم اولئک
 الذین لعنہم اللہ
 فاصمہم و اعمی
 ابصارہم ۔

(تفسیر مظہری ج ۸ - ص ۲۴۲)

طبع دہلی ۱۳۹۶ھ

⋮

کیا اس کے لیے یہ روا ہو سکتا ہے
 کہ وہ یزید سے محبت رکھے اور ایسے
 شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے
 جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں
 لعنت کی ہے میں نے عرض کیا ابا
 جان ! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں
 یزید پر کہا لعنت فرمائی ہے فرمایا
 جہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ پھر تم
 سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو فکرت
 مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں ،
 اور قطع کرو اپنی قرابتیں ، ایسے
 لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے
 پھر کہہ دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں
 ان کی آنکھیں ۔

واضح رہے کہ علماء و حنابلہ میں بہت سے اکابر ائمہ کا عمل بھی اسی قول
 پر ہے ، چنانچہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ص ۲۲۳ - ج ۸ میں جہاں
 واقعہ حرہ کے سلسلہ میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ مضمون آتا ہے کہ
 ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلماً خوف میں مبتلا کریں ۔
 وہاں ان کو بیان کر کے فرماتے ہیں ۔

اس حدیث سے اور اس جیٹی سہری
 حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال

وقد استدل بهذا
 الحدیث وامثالہ من

ذهب الی الترخیم
فی لعنة یزید بن معاویہ
دھوروا یث عن احمد
بن حنبل، اختارہا
المخلد والوبک عبدالعزیز
والقاضی ابویعلی وابنہ
القاضی ابوالحسین وانتصر
لذالک ابوالفرج ابن
الجوزی فی مصنف مفرد
رجوز لعنتہ۔

کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن
معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت
ہے اور امام احمد بن حنبل سے بھی
ایک روایت میں یہی وارد ہے اور
اسی کو خلل، ابوبکر عبدالعزیز قاضی
ابویعلی اور ان کے صاحبزادے قاضی
ابوالحسین نے اختیار فرمایا ہے اور
حافظ ابوالفرج بن الجوزی نے ایک
مستقل تصنیف اس بارے میں
لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے
اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا

ہے۔

اب سوچیے امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد میں اگر اس خلیفہ فاسق
یزید بن معاویہ کا ذکر زیادہ عباد میں ہوتا تو اس سے ائمہ حنابلہ امام ابوبکر
خلل، ابوبکر عبدالعزیز، قاضی ابویعلی، ان کے فرزند قاضی ابوالحسین، حافظ
ابن الجوزی اور علامہ ابن تیمیہ جیسے اکابر ائمہ حنابلہ واقف ہوتے یا قاضی
ابوبکر ابن العزنی نا صبی؟۔

قاضی ابوالعزنی کی اس حرکت پر
ہمیں بے اختیار وہ اشعار یاد آ گئے

جوان کی شان میں خلف بن خراذیب نے کہے ہیں فرماتے ہیں۔

یا اهل حمص ومن بها اوصیکم بالبر والتقوی وصیۃ مشفق

اے حمص کے رہنے والو اور جو بھی وہاں ہوں میں تم کو ایک شستن کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں

تخذوا عن العربی اسماء الذبحی وخذوا الی وایۃ عن امام متقی

اس ابو بکر ابن العربی سے اسمائے ذبحی لے لو مگر حدیث کی روایت کسی متقی امام سے ہی کرو

ان الفتنی حلوا الکلام مہذب ان لم یجد خیراً صحیحاً یخلو

یہ نوجوان بڑا شیریں کلام اور مہذب ہے اسے اگر صحیح حدیث ملے تو اپنی طرف گڑھ لٹا دے

خلف کو ان اشعار کے کہنے کی نوبت اس لیے پیش آئی کہ اشبیلیہ

(واقع اندلس) میں فقہاء کی ایک مجلس جمی ہوئی تھی۔ ابو بکر ابن العربی اور دوسرے

حضرات بھی وہاں موجود تھے ابن العربی بھی شریک مجلس تھے، مجلس میں

علمی مذاکرہ جاری تھا، حدیث میغر کا ذکر پھر اتوا بن العربی نے کیا کہ یہ حدیث

صرف بروایت مالک عن الزہری معروف ہے اس پر ہمارے قاضی جی ابن

العربی فرمانے لگے

قد رایت من ثلاثہ میں نے امام مالک کے علاوہ تیرے

سندوں سے اس حدیث کو روایت

کیا۔

یہ دعویٰ سن کر حاضرین دنگ رہ گئے اور انہوں نے ان کی خدمت میں

درخواست کی کہ براہ کرم ہم کو اس سلسلے میں استفادہ کا موقع عنایت فرمایا

جائے چنانچہ ابن العربی نے حاضرین سے روایت کو بیان کرنے کا وعدہ تو کر

لیا مگر بعد کو کچھ نہ بتا سکے۔ ادیب مذکور نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ان کی ہجو میں

یہ اشعار نظم کر دیے۔

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں اس سارے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد

فرمائے ہیں،

قلت هذه حكاية ساذجة

لا تدل على جرح صحيح، ولعل

القاضي وهم دسرك

فكره الى حديث فظنه هذا

والشمراد يخلقون الافك

(تذكرة الحفاظ ج ۲ ص ۸۹)

ہیں کہتا ہوں یہ ایک سادہ سا واقعہ

ہے جو صحیح جرح پر دلالت نہیں کرتا

اور شاید قاضی جی کو وہم ہوا امدان کا

خیال کسی اور حدیث کی طرف چلا گیا جسکو

وہ یہی حدیث گمان کر بیٹھے اور شمراد

تو غلط بیانی کرتے ہی رہتے ہیں

ہمیں بھی حافظ ذہبیؒ سے ان کے بارے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں جس

طرح اس واقعہ میں ان کا خیال اس حدیث میں دوسری حدیث کی طرف منتقل

ہو گیا اور وہ اسی حدیث کو تیرہ سندوں سے روایت کرنے کے مدعی بن بیٹھے

ایسے ہی اصبیت کی نحوست نے حضرت یزید بن معاویہؓ کو فی ح کے نام

کو رکھ کر ان کے دماغ کو اپنے ممدوح یزید کی طرف جو ایک سفاک و ظالم

بادشاہ تھا پھیر دیا اور یہ اسے اپنے خیال میں عابد و زاہد سمجھ بیٹھے۔

پچھٹا شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی فرماتے ہیں "یزید نے نہ تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر رفا مند تھا اور یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔"

یزید کے جرائم کی فہرست طویل ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر صرف قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا الزام نہیں بلکہ اس کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ وہ بے لوث بھی تھا اور

تاکر صلوٰۃ بھی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ مدینہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام کرایا حرم نبوی کی بھیر متی کی، بیت اللہ کی حرمت کو پا مال کیا ہے، مہینق سے عین حرم کعبہ میں گولہ باری کی جس سے کعبہ شریف کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔

امام غزالی نے اپنے فتویٰ میں ان جرائم کے ارتکاب سے یزید کی برأت نہیں کی ہے، نہ اس کی اس سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کی ہے۔

امام غزالی کے فتویٰ کی تنقیح

بالفرض مان لیا جائے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا نہ وہ ان کے قتل پر راضی تھا مگر یہ تو ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس کے ہاتھوں نہیں تو اس کے عمال بد اعمال کے ہاتھوں یقیناً عمل میں آئی ہے۔ پھر جب اس نے نہ ان کے قتل کا حکم دیا تھا نہ وہ اس پر راضی تھا تو آخر اپنے عمال سے اس سلسلہ میں اس نے کیا باز پرس کی؟ اس کے بارے میں بھی امام غزالی جو کوشش میں اور سب سے بڑھکر یہ امر غور طلب ہے کہ تاریخی ابن خلکان اس طرح لکھتے ہیں کہ اس فتویٰ کو اول سے آخر تک پڑھ

لیجئے اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یزید متعلق اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اور نہ یہ ذکر ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں حق بجانب تھا اس فتویٰ میں تو صرف رسولوں پر کلام ہے ایک تو یہ کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں کیونکہ امام غزالیؒ کسی شخص معین پر اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے روادار نہیں خواہ وہ کافر ہو یا فاسق کچھ یزید ہی کی اس سلسلہ میں تخصیص نہیں۔

درست یہ کہ اس حقیقت کا معلوم کرنا کہ فی الواقع یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ تھا سنت و شوار ہے امام غزالیؒ کے اس شبہ کا جواب حافظ محمد بن ابراہیم وزیر سیانی نے "الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم" میں اجمال طور پر حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے فرماتے ہیں۔

ولسا حکى ابن خلکان: کلام
الحافظ عماد الدین ھذا
اورد بعدہ کلاماً روداً
عن الغزالی و کلامہ ذالک
شاہد ببرآۃ الغزالی من
انقول بتصویب یزید فی
قتل الحسین و انما تکلم
فی مسألتین غیر ذالک احدهما
تحريم اللعن و لم یخص یزید
فہو مذہبہ فی کل فاسق و
کافر کما رواک عنہ النوری
فی الاذکار و قد ذکر النوری

اور جب ابن خلکان نے حافظ عماد الدین
کیا ہر اسی کے اس فتویٰ کو نقل کیا کہ جس میں
یزید پر لعنت کی اجازت دی گئی ہے (تو
اس کے بعد غزالیؒ کا ایک فتویٰ بھی نقل
کیا جس امر کا شاہد ہے کہ غزالیؒ قتل حسین
کے حق بجانب ہونے میں یزید کی حمایت
سے برکامی۔

انہوں نے تو صرف رسولوں پر بحث کی
ہے جن کا اس بات سے کوئی تعلق ہی
نہیں ہے ایک یہ کہ کسی پر لعنت کرنا حرام
ہے اس میں یزید کی کوئی تخصیص نہیں
بلکہ ہر فاسق اور کافر کے بارے میں ان

ان ظاہر الاخبار خلاف
 ذالک وقد اوردت الکلام
 علی ذالک فی کراسی و ثانیہما
 القول بان العلم برضا یزید
 یقتل الحسین مہذوہ و لیس
 فی هذا نزاع و لو اقریزید
 بلفظ صریح و سمعنا ذالک
 منه لم یعلم ان باطنہ کما
 اظهر و قد جہل رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم بواطن
 المنافقین و کل علم ذالک
 الی اللہ تعالیٰ و لکن الحکم للظاہر
 و قد ردی البخاری ج فی صبیہ
 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ ان اناساً کاذبواخذون
 بالوحی علی عهد رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم و ان الوحی
 قد انقطع منی اظهر لنا خیراً
 آمناء و قریناء و لیس لنا
 من سریرتہ شیء و من
 اظهر لنا سوء لم نأمنہ

کی سی رائے ہے چنانچہ امام نووی نے
 بھی اپنی کتاب الاذکار میں ان کا یہی
 مذہب نقل کیا ہے اور امام نووی کا
 بیان ہے کہ ظاہر احادیث اسی مذہب
 کے خلاف ہیں اور میں نے ایک مستقل جز
 اس سلسلہ پر تحریر کیا ہے۔

اور دوسرا مسئلہ ہے کہ اس بات کا
 یقینی علم کہ واقعی یزید قتل حسین سے راضی
 تھا کمال ہے اور سمجھیں بھی اس میں نزاع
 نہیں بالآخر اگر یزید صاف اور صریح
 الفاظ میں بھی قتل حسین کا مقرر ہوتا اور
 حذر بھی اسکی زبانی اس کے اس اقرار کو
 سن لیتے تب بھی اس کا یقین نہیں
 ہو سکتا تھا کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے
 کیونکہ اس امر کا امکان بہر حال تھا کہ
 اس نے جھوٹا اقرار کیا ہو خود آنحضرت
 منافقین کے باطنی حالات سے بے خبر تھے
 اور آپ نے حقیقت حال کا علم حق تعالیٰ
 کے سپرد کر دیا تھا لیکن شرع کا حکم یہ
 ہے کہ فیصلہ ظاہر حالات پر کیا جاتا ہے
 چنانچہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت

وَلَمْ نَصِدْقَهُ وَإِنْ قَالَ أَنْ

سِرِّتَهُ حَسَنَةً

الرَّوْفَةِ الْبَاسِمِ ج ۲

ص ۳۲ طبع مصر

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں
کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں وحی کی بنا پر لوگوں کی گرفت ہر جاتی تھی
اور اب وحی ختم ہو گئی لہذا جو شخص بھی سہارے
مٹنے خیر کا اظہار کرے گا ہم اسے امن دینگے
اور اپنے پاس رکھیں گے اور اس کے باطن کے
ہم کچھ زخمہ دات نہیں اور جو سہارے بدی کا
اظہار کرے گا اسکو نہ ہم امن دیں گے اور نہ اس
کی بات کی تصدیق کریں گے اگرچہ وہ یہ کہے
جائے کہ میرا باطن بالکل ٹھیک ہے۔

امام غزالی بزرگ آدمی ہیں وہ تو ابلیس پر بھی لعنت کرنے کو نہیں کہتے، اور نہ کسی کافر بھی
پر لعنت کو روا رکھتے ہیں پھر نیزہ پر لعنت کرنے کو کیوں کہیں گے؟ ان کے نزدیک ہر حال میں
مومن کا ذکر الہی میں مشغول ہونا اولیٰ ہے، ہمارے نزدیک بھی یہ پر لعنت کرنا کوئی کابرہ
ثواب نہیں ہے۔ کہ خواہ مخواہ آدمی اس کا نام لیکر اپنی زبان کو گندہ کرے ظاہر ہے کہ اس پر
لعنت کا بجائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو تو اس میں بالاتفاق
ثواب زیادہ ہوگا مگر نیزہ پر لعنت نہ کرنے سے اس کا مقصد اور صریح ہونا کہاں سے
ثابت ہو گیا؟

میدانِ کربلا میں حضرت
حسینؑ کا آخری خطبہ

خزاعہ غزالیؒ نے حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا آخری خطبہ جو میدانِ کربلا
میں آپ نے دیا تھا، نقل کیا ہے اس

۷ صورتِ واقعہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

لما نزل القوم بالحسين
رضي الله تعالى عنه واليقين
انهم قاتلوه قام في اصحابه
خطيباً حمد الله واشتأ عليه
ثم قال نزل من الامراء
وان الدنيا قد تغيرت وتكررت
فادبر معروفها واشترت
حتى لم يبق فيها الا كسابة
الانما والا حشيش من ميثى
بحا المرعى الوكيل الا تردون ان
الحق لا يعمل به والساخط
لا يتناهى عنه ليعرب المومن
في لقاء الله آخى وافي لا يرى
الموت الاسارة والحياة مع
الظالمين الا حرماً

احياء العلوم ج ۳ ص ۳۹۸

طبع مصر

جب یزیدی فوج حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے مقابل آگراڑیں اور آپ کے
یقین ہو گیا کہ یہ آپ کو قتل کر کے
رہے گی تو آپ نے اپنے اصحاب کے
سامنے کھڑے ہو کر طلبہ دیا جس میں ہے
اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا اور پھر فرمایا: جو
مسیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری آنکھوں
کے سامنے ہے دنیا بدل گئی اور اجنبی بن
گئی اس کی خوبی نے پیٹھ پھیر لی اور طلبہ اس
سے کھٹ گئی اب تو اس میں سے بس
صرف آٹھ ساتھی رہا ہے جبکہ کہ برتن میں
سے پی لینے کے بعد ہی میں کچھ لگا رہا تھا
اور ساتھیوں کی بھی زندگی جو اس چراگاہ کی
طرز ہے کہ جس میں چرنے سے بدھن ہو جاتی
ہے دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا
اور باطل سے باز نہیں رہ جاتا اب تو اس
کو چاہیے کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت
کے اور میں تو مرنے میں اپنی ساری تمنا
ہوں اور ظالموں کے ساتھ بیٹے کو جبرم

یہ ہے یزید کے دور حکومت کا نقشہ جس کا تصویر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر میں کھینچ کر رکھ رکھی ہے اب یہ گتھی غزالی یا ان کے پرستار خود حل کریں کہ جس قوم نے حضرت حسینؑ کا محاصرہ کیا تھا وہ یزیدی نرجس نہیں بلکہ جنات و شیاطین تھے۔ اور ابنِ خلکان قاف سے نہیں بلکہ کاف سے "ابن خلکان" ہے

امام کیا ہر اسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے

اس تاریخ ابن خلکان "میں امام غزالی" کے فتوے کے ساتھ ان کے استاد سہبائی شمس الاسلام امام ابوالحسن علی بن محمد

فہرست المصنفات والادین المعروف بالکتاب اسی جن کے بارے میں حوزہ متواریخ ابن خلکان نے حاتم بن عبدالغفار اسی سے نقل کیا ہے کہ دو کان شانی (غزالی) نے غزالی ثانی کے ہاتھ لکھے فتویٰ تحریر بھی منقول ہے کہ

اکیسے یزید بن معاویہ کے بارے میں
تحریر پر چھانگیا تھا انہوں نے فرمایا کہ یزید
صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عمر بن
الخطابؓ کے یام خلافت میں پیدا ہوا تھا ہر سلف
کا قول اس پر لعنت کے بارے میں تو امام احمد کے ہاں
دو قول ہیں۔ ایک میں اس ملعون کو کیڑا اشارہ
ہے دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک کے
بھی دو قول ہیں ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ دوسرے میں تصریح ہے

دسئل النبیاء فیما عن یزید
بن معاویہ فقال انہ لم
یکن من الصحابة لانه ولد
فی ایام عمر بن الخطاب رضی اللہ
عندہ واما قول السلف فی لعنتہ ففیہ لاجد
قولان تلویح و تصریح ولما لکن قولان تلویح
و تصریح ولابی حنیفۃ قولان تلویح و تصریح
ولنا قول واحد المنصرح دور التلویم

آج کے پاس جو مستقر آیا اس میں قاف سے ہی مرثوم ہے۔ ۲ تاریخ ابن خلکان اب تک
چار بار طبع ہو چکی ہے ایک دفعہ ایران میں اور تین دفعہ مصر میں اس کے تمام مخطوط نسخوں میں عمر بن
الخطابؓ ہی مذکور ہے۔ لیکن علامہ کمال الدین دبیری نے "حیوة النحویان" میں زیر عنوان
نہدہ "اور مورخ ابوالعباس قرمانی نے "اخبار الدول" (ص ۱۲۰) میں اس فتویٰ کے جو ان کا
ذکر ہے ان میں "عمر بن الخطابؓ کی بجائے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔

لعنت بر دشمنوں شخصوں اگر تپہ کافر بود
 جائز نہ دہند چہ دانی کہ عاقبت کاراد
 بایمان و سعادت بود اگر آنکہ بہ
 یقین معلوم شد کہ مروت دے بر کفر و
 شقاوت است تا آنکہ لعین و ریزید
 شقی نیز توقف کنند و لعین براہ غلور
 افراط در نشان دے و موالات دے روند
 و گویند کہ دے بعد از ان کہ باتفاق مسلمانان
 امیر شدہ اطاعت دے بر امام حسین واجب
 شد نعوذ باللہ من هذا القول
 و من هذا الاعتقاد کہ دے باوجود امام
 حسین امام امیر شود و اتفاق مسلمانان
 بر دے کے شد جمیع اصحاب کہ در زمان او
 بودند و اولاد اصحاب ہم منکر و خارج
 از اطاعت او بودند لغیر جماعہ از مدینہ
 مطہرہ لثام نزد دے کر ہا و جبر آرفتند
 و او جائز ہائے سنی را نہ ہائے سنی نزد
 ایشان ہمارہ و بعد از ان کہ حال تباحت
 مال او را دیدند بمدینہ باز آمدند و
 خلع بیت او کردند و گفتند کہ دے
 عدو اللہ و شارب خمر و تارک صلوٰۃ و زانی

ہیں کیونکہ مومن کا کام لعنت کرنا ہے
 وہ کسی بھی شخصوں شخص پر اگر چہ روکا
 کیوں نہ ہو لعنت کو رد نہیں رکھتے
 پتہ کہ اس کا انجام ایمان و سعادت ہے
 الا یہ کہ یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ اس کی موت
 کفر و شقاوت ہی پر ہوئی ہے حتیٰ کہ ہم
 حضرات نیز یہ شقی کے بائے میں بھی قرار
 کرتے ہیں اور بعضے اس کی شان میں غلو اور
 افراط کرتے ہیں اور اس کی درستی کا دم بھول
 ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ چونکہ مسلمانوں کے
 اتفاق سے امیر ہوا تھا لہذا انکی اطاعت
 امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی
 ہم ایسی بات اور ایسے اعتقاد سے اللہ
 تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ
 عنہ تے ہوئے رہ امام اور امیر ہو اس کے
 امیر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا
 صحابہ کی ایک جماعت جو اس کے زمانے
 میں تھی اور صحابہ زادے بھی اسکی اطاعت
 سے خارج اور اسکی خلافت سے منکر
 تھے ہاں مدینہ مطہرہ کی ایک جماعت
 جبراً کرنا اس کے پاس شام گئی تھی اور

ناسق و مستحل محارم است و بعضی دیگر
 گنہگارے امر قتل آنحضرت نہ کر و
 ہاں راضی نہ ہو و بعد از قتل دے اہل
 بیت سے سرور و شہرت شدہ و اس ستم
 نیز مردود و باطل است چہ عداوت آل
 بے سعادت با اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ
 وسلم و استہزاء و قتل ایشان را زلال
 دہانت و اسرائیال را بدھ و تواتر معنوی
 رسیدہ است و انکار آن تکلف و مکابرہ
 است و بعضی دیگر گویند کہ قتل امام حسین
 گناہ کبیرا است چہ قتل نفس مومن بناحق
 کبیرا است و کفر و لعنت مفسدین کا نراں
 است و بیت شمری کہ ارباب این تاویل
 با احادیث نبوی کہ ناطق اند بانکہ بغض و
 عداوت و انہاد اہانت ناہیہ و اولاد
 او موجب بغض و انہاد اہانت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 است چہ بے گزینہ و آن سبب
 کفر و موجب لعن و خلود نار
 جہنم است بلا شک بموجب
 آیت ان الذین یؤذون

بہدینے ان کو بڑے بڑے کا نعام اور لذت
 دہنوں سے نوازا بھی، لیکن یہ حضرات جب
 اس کا حال تباحث آمل و دیکھ کر مدینہ منورہ
 واپس ہرے تو اس کی بیعت توڑ دی اور
 صاف تباہ کیا کہ وہ دشمن خدا تو مے نرشن
 تاک صلوٰۃ زانی، ناسق اور بھرات الہی
 کا حلال کرنے والا ہے اور بعضی لوگ کہتے ہیں
 کہ انہوں نے آنحضرت کے قتل کا حکم ہی نہیں دیا
 اور نہ وہ آپ کے قتل پر راضی تھا اور نہ آپ کی
 اور اہل بیت کی شہادت پر خوش ہوا اور نہ ان کی
 کچھ امداد نے خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات بھی
 مردود و باطل ہے کیونکہ اہل بیت نبوی
 سے اس بد بخت کی عداوت اور ان حضرات
 کے قتل پر اس کا خوشیاں منانا اور خاص
 طور سے ان حضرات کی تذلیل و اہانت کرنا
 تو امر معرکہ کے درجہ تک پہنچ چکا ہے اور
 ان امور کا انکار محض بناوٹ اور بدعتی ہے
 اور بعض یہ کہتے ہیں کہ امام حسین کا قتل گناہ کبیرہ
 ہے کیونکہ کسی مومن کا ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ
 ہے۔ ان کفر و لعنت کو کافروں کے ساتھ
 منحصر ہے اور کاش مجھے پتہ چلتا یہ سب

اِنَّهٗ وَرَسُوْكَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ ۚ وَ
اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

باتیں بتانے والے ان احادیث نبوی کے
بارے میں کہ جو اس امر پر ناطق ہیں کہ حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کی ایندھن اور
اور ان سے لعنت و عداوت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی ایندھن و لعنت اور آپ کے لعنتی کا موجب ہے
کیا کہتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا تو مجرب سبب ہے
ان الذین الخ دے شک جو لوگ کہتے
ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان کو چھکارا
اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ نے
کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور
بلاتک سبب کفر ہے جسکی بنا پر لعنت اور
بہشت ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہو جاتا ہے
اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یزید کے
خاتمہ کا پتہ نہیں شاید اس نے کفر و عصیت
کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لی ہو اور آخری
سالوں میں توبہ ہی کی حالت میں گیا ہو

آئینہ العدم میں امام غزالی کا میلان بھی
اسی حکایت کی طرف ہے اور بعض علمائے
سلف و اعلام امت نے جن میں امام احمد بن
حنبل اور ان جیسے حضرات شامل ہیں یزید
پر لعنت کی ہے اور محدث ابن جوزی جو کہ

ربیع دیگر گویند کہ خاتمہ دے معلوم
نیت شاید کہ اولہذا ارتکاب ان کفر
مستیت توبہ کردہ باشد و در نفس اخیر
بر توبہ رفت باشد و میں امام محمد غزالی
در آئینہ العدم میں حکایت است
و بعض از علمائے سلف و اعلام امت
مثل امام احمد بن حنبل و امثال او
برائے لعنت کردہ اند و ابن جوزی کہ
کمال شدت و عصیت و در حفظ سنت

و شریعت وارد در کتاب خود نیست
را از سلف نقل کرده است و بعضی منع
کرده اند و بعضی توقف اند
تکمیل ایمان میں : ۷۰-۱۱۱ طبع نجیبانی دہلی

جو سنت و شریعت کی پاسداری میں پوری
شدت و سرگرمی دکھاتے ہیں اپنی کتاب میں
یزید پر لعنت کرنے کو سلف سے نقل کرتے
ہیں اور بعض منع کرتے ہیں اور بعض اس سلسلہ
میں توقف سے کام لیتے ہیں۔

لعن یزید میں اختلاف علما کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحقیق

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے کے بارے
میں علماء میں جو اختلاف ہے اسی کی وجہ
شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی

یہ نساوی عزیزی میں یہ بیان فرمائی ہے۔

در لعن یزید توقف ازاں بہت
است کہ روایات متعارضہ و متخالفہ
ازاں پدید در مقدمہ شہادت امام
علیہ السلام وارد شدہ از بعض

روایات رضا و استبشارہ اہانت
اہل بیت و خاندان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم مضموم میگردد و کما نیکہ این روایات
در نفس را بہا مرجع واقع شدہ حکم

بلین اور نو وند چنانچہ محمد بن حنبل و کیاہری
از نقولے شافعیہ و دیگر علماے کثیر

ماز بعض روایات کراہت
ایں امر و کتاب براہن زیار و اعوان اور

یزید پر لعنت میں توقف کی وجہ یہ ہے
کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بارے میں اس

پلید کے متعلق متضاد و مخالف روایتیں ملتی
ہیں بعض روایات سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ

کہ یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
خاندان اور آپ کے اہل بیت کی

اہانت پر شاداں و ذرخان تاجن حضرات
کی نظر میں یہ روایات راجح قرار پائیں انہوں

نے اس پر لعنت کا حکم دیا چنانچہ امام احمد
بن حنبل اور نقولے شافعیہ میں سے کیاہری

اور دیگر بہت سے علما کی یہ رائے ہے
اور بعض روایات سے اس امر کی کراہت اور

اہن زیاد اور اس کے اعوان و انصار پر قلع

و نہ امت بری کار کہ از دست نواب
 اور وقوع آمد معلوم می شود کہ نیک
 این روایات نزد ایشان مزج شد
 از لحن ارمنی نمودند چنانچہ امام حجتہ
 الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
 و دیگر علمائے شافعیہ و اکثر علمائے
 حنفیہ و جماعتی از علما کہ نزد آنہا
 ہر دو روایت متعارض شدہ و ترجیح
 یکطرف بردیکر حاصل نشد بنا بر
 احتیاط توقف نمودند ہمیں است
 واجب بر علماء عند التعارض و هو
 قول ابی حنیفہ آسے در لحن شمر و ابن
 زیاد کہ رواد استبشاراً بنابای نسل
 شیعہ تعلق است من عند التعارض
 بیچکس را در آن توقف نیست
 (ج ۱ ص: ۱۰۰ طبع مجتہائی دہلی)

اور اس کام پر نہایت کہ جو اس کے ناموں
 کے ہاتھوں وقوع میں آیا معلوم ہوتا ہے
 موجد لوگوں کے نزدیک یہ روایتیں قابل
 ترجیح ہوتیں۔ انہوں نے اس پر لعنت
 کر کے منع کیا چنانچہ امام حجتہ
 الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر
 علمائے شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ
 ہیں کہ انکی رائے یہی ہے، اور علما کی ایک
 جماعت کہ جن کے نزدیک دونوں روایتوں
 میں تعارض تھا اور ایک طرف کی روایت
 کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ تھی انہوں نے
 احتیاط کی بنا پر توقف کیا اور تعارض کے
 وقت علما پر یہی واجب بھی ہے اور یہی
 امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔
 ۱۱۔ شمر اور ابن زیاد پر لعنت
 کر کے میں کران کا اس نسل شیعہ کے ترکاب
 پر راضی اور خوش ہونا روایات میں کسی قسم
 کے تعارض کے بغیر تعلق طرز پر معلوم ہے
 کسی شخص کو توقف نہیں ہے

۱۲۔ غلط فہمی نہ ہو امام ابو حنیفہؒ سے زیر پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت
 نہیں بلکہ ان کے جو کچھ منقول ہے وہ تعارض روایات کے وقت توقف کا قول ہے زیر کے بارے
 میں خرد ان کی تصریح اگے آ رہی ہے کہ اس پر لعن جائز ہے۔

یزید پہ جب لوگوں نے ٹھسکار کی تو
قتل حسین پر انہماک نہایت کیا

اگرچہ ہمارے نزدیک یزید کے
بارے میں ان روایات میں جو کتب تاریخ
میں مذکور ہیں سرے سے کوئی تدارش

ہے ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ پہلے یزید قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت خوش
تھا بعد کو جب مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر لعنت اور ٹھسکار شروع کی اور ابی ہریرہ کی
نظر میں رہ خیمہ سونے لگا تو پھر اس نے انہماک نہایت شروع کر دیا چنانچہ حانظ سیوطی رحمہ
تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔

ولما قتل الحسين وبنو ابيه
بعث ابن زياد بروسهم
ألى يزيد فربقتهم اولاً
ثم ندم لما مقتله المسلمون
على ذالک وابتغضه الناس و
حق لهم ان يبغضوه
(تاریخ الخلفاء ص ۸۱)

جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی شہید
کر دیے گئے تو ابن زیاد نے ان شہداء
کے سر پر گویا یہ گئے پس بھیجا۔ وہ
اول تو اس پر بہت ہی خوش ہوا پھر جب
مسلمانوں نے اس وجہ سے اس پر ٹھسکار شروع
کی اور اس سے نفرت کرنے لگے تو اس نے
انہماک نہایت کیا اور مسلمانوں کو تو اس سے
نفرت کرنا ہی چاہیے تھی۔

خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں بھی یزید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا قاتل ہے۔ چنانچہ تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

و بعض قتلى انبياء و پیغمبر
زادها میماند مثل یزید و اخوان
اور بعض انبیاء اور پیغمبر زادوں تک
کو قتل کر دیتے ہیں جیسے کہ یزید اور اس
کے منوی بھائی ہوئے ہیں۔

ادرس ۳۰ طبع کلکتہ ۱۳۲۵ھ

یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ

اور یزید پر لعنت کے بارے میں بھی خود
حضرت شاہ صاحب مدح کی تحریر ہے
وہ ان کے شہوت شاگرد مولانا سلامت اللہ

صاحب کشفی نے تحریر ایشمارتین میں نقل کر دی ہے فرماتے ہیں۔

دریں شکے نیست کہ یزید پلید آمر
راضی و شہسوار قتل حسین بود و ہمیں
است مذہب مختار و جمہور اہل سنت
جماعت چنانچہ در کتب معتبرہ مثل
"مفتاح النبی" و "مرزا محمد باقری و

مناقب السادات ملک و سادات قاضی
شہاب الدین و دولت آبادی و شرح
فقہ نسفی و علامہ الدین لفظ زانی تکمیل
الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی و
غیر اں از اسفار معتبرہ با شراہد و دلائل
مذکور و سطر راست و لہذا العن آل ملعون
بہ جمیع قاطعہ و براین ساطعہ ثابت کردہ
اند و مختار را قلم الحروف و اساتذہ
صوری و معنوی ما ہمیں است کہ یزید
آمر و راضی و شہسوار قتل حسین بود
و مستحق لعنت ابدی و و بائں کمال
سرمد است و اگر تا مل بکار رود و قصر

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یزید پلید
ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا
حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش
تھا اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا
پنڈیہ مذہب ہے۔ چنانچہ معتبر علیہ
کتابوں میں جیسے کہ مرزا محمد باقری و
النجار اور ملک العلماء و قاضی شہاب الدین
و دولت آبادی کی مناقب السادات اور
سعد الدین لفظ زانی کی شرح عقائد
نسفیہ و شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کی تکمیل الایمان اور ان کے علاوہ دوسری
مستبر کتابوں میں مع دلائل و شراہد مذکور
مرقوم ہے اور اسی لیے اس ملعون پر لعنت
کے راہرونے کو قلعی دلائل اور روشن
براہین سے ثابت کر رکھے ہیں۔ اور ا قلم الحروف
اور ہمارا اساتذہ صوری و معنوی نے جو مسلک
کو اختیار کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ یزید ہی

بہ مجبور لعنت در حق آن ملعون تفسیر لعنت
 کہ مقصور بر آں نباید بود چنانچہ
 استاد البربر یہ صاحب "تحمہ"
 اثنا عشریہ علیہ الرحمۃ در سار "حسن
 العقیدہ" در حاشیہ کہ بر کلمہ "علیہ
 مایستحقہ" تالیق فرمودہ اند اندادہ
 مینایند کہ "علیہ مایستحقہ" کنایہ
 است از لعنت "والکفایتہ البیغ من
 التصریح" از قواعد مشہورہ عربیت است
 مع ہذا در ابہام مایستحقہ تفسیر
 تشیع است کہ در تصریح لفظ لعنت
 فوت میگردد، چنانچہ در تفسیر
 فغشیہم من الیم ما غشیہم
 مذکور شدہ در حق اینست کہ اکثراً
 بر نفس لعنت در حق یزید تھورات زیر اگر
 این قدر را جزا مطلق تزل مومن بقدر
 کردہ اند قال اللہ تعالی و من
 یقتل زوجاً فمعداً جحراً و کافراً
 جہنم خالداً فیما و غداً ب
 اللہ علیہ و لعنہ و اعدائہ
 عذاباً عظیماً۔

و یزید را دریں عین نداد نیست کہ غیر از

قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دینے والا اور اس پر لعنت
 اور خوش تھا، اور وہ لعنت ابدی اور ابدی
 نکال سرمد کی کا مستحق ہے اور اگر مر جائے
 تو اس ملعون کے حق میں صرف لعنت ہی پر اکٹھا
 کرنا بھی ایسی کوتاہی ہے کہ اس پر پس نہیں
 کرنا چاہیے چنانچہ استاد البربر یہ صاحب
 تحمہ اثنا عشریہ (نماہ عبدالعزیز صاحب)
 علیہ الرحمۃ نے در سار حسن العقیدہ کے حاشیہ
 میں جملہ علیہ مایستحقہ پر جو تعلیقات (نوٹ)
 سپرد قلم فرمایا ہے اس میں افادہ فرماتے ہیں کہ
 مایستحقہ، لعنت سے کنایہ ہے اور یہ بات کہ
 کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے عربیت کا
 مشہور قاعدہ ہے اسی کے ساتھ مایستحقہ
 یعنی جس کا وہ تشیع ہے، کے ابہام میں اس
 پر تشیع اور اس کی حد درجہ فراخی پنہاں ہے
 وہ سراسر لعنت کے لفظ کے استعمال سے
 فوت ہوجاتی ہے چنانچہ آیت فغشیہم
 من الیم ما غشیہم کی تفسیر میں اس
 کا بیان آئے ہے اور حق یہ ہے کہ یزید کے حق
 میں محض لعنت پر اکٹھا کرنا کافی ہے ایسے
 کہ اس قدر تو مومن لوگوں کے قتل کی سزا مقرر کرچکی
 ہیں اثنائے نبوت اور جو کوئی قتل کرے گناہ کر

را دست نداده و آن دیارت را جز بر استحقاق
 اور حوالہ نہ تو ان کرد کہ علم البشر از معرفت حضرت
 آل عاجز است و اللہ اعلم و علمہ احکم
 انتہی کلام الشریف : (تکریر الشہادتین
 ص : ۹۶ - ۹۷ مطبوعہ مکتبہ خلیفہ گنج
 آغا جان مکتبہ ۱۲۵۶ھ - ۲)

جان کر تو اسکی سزا درخ ہے پڑا رہے گا ہمیں
 اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور
 اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب اور یزید نے
 تو اس عمل کے ارتکاب میں وہ زیادتی کی ہے
 کہ جو دوسرے کو سیر ہی نہ ہو گی اس لیے اس
 زیادتی کو مجزائے استحقاق کے اور کسی امر چوالہ
 نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انسان کا علم اس کے
 خصوصی امتحان کی معرفت سے عاجز ہے واللہ
 اعلم و علمہ احکم امیہاں حضرت شاہ صاحب کا
 ارشاد ختم ہوا۔

معلوم ہوا کہ بلا میں جو مظالم کیے گئے ان کی بنا پر شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک
 "یزید" حق تعالیٰ کے اس قدر قہر و غضب کا سزاوار ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اس پر لعنت کرنا
 تو کچھ بھی نہیں لہذا بہتر یہ ہے کہ اس کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے بارے میں یوں کہنا
 چاہیے "علیہ السلام" کیونکہ خدا کو ہی معلوم کہ وہ اس کے کس قدر غضب کا مستحق ہے۔

بعض لعنت کرنے سے اس لیے رکتے ہیں
 کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں

بزرگے چنانچہ مولانا غلام ربانی از الہ المظاہر فی رکعت الخطا میں لکھتے ہیں۔

وفا ہر است کہ گفتن لعن و طعن موجب
 سقوط ذرا از معصوم میگردد لہذا زبان
 بلعن آلودہ نمی کنند در روح یزید پلید
 اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے
 وبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن
 کیا جاتا ہے.. لہذا زبان کو لعنت سے آلودہ

ہیں کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب
یزید پلیدار رج کو شاد نہیں کرتے بلکہ یہ
پہاتے ہیں کرہ اسی طرح گناہ کا جاری
لوچھ لالے لالے کر شکستہ رہے۔

راتخفیف و زرنشادمان ہن سازند
بلکہ می خواہند ہمچنان حامل و زر
گراں بود مقصوف المتن باشد
(ص: ۲۵، ۲۶ طبع مطبع کتب کثور)

ہند میرٹھ (۱۲۸۹ھ)

بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے
کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے

اور علامہ سعد الدین نقاش زانی نے
شرح مقاصد میں تصریح کی ہے
کہ جو حضرات یزید پر لعنت کرنے
سے منع کرتے ہیں ان کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہے کہ کہیں عوام یزید پر لعنت کرتے کرتے
بزرگوں تک نہ پہنچ جائیں جیسا کہ رافضیوں کا شمار ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

فان قيل فمن علماء المذهب
من لم يجوز لعن علي بن ابي طالب
مع علمهم بان لا يستحق ما
يرجو علي ذلك ويزيد قلنا
تحميا عن ان يرتقى الى ادعوى
قالا علي كما هو شعار المرافض
(ص: ۲۰، ج ۲ طبع قسطنطنیہ)

پھر بھی لکھا جائے کہ بعض علماء مذہب شافعی
میں ایسے بھی ہیں کہ یزید پر لعنت کرنے
کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ ان کا یہ علم ہے
کہ وہ لعنت سے بھی بڑے شکرانہ زیادہ مال
کا مستحق ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ منع کرنا
اس احتیاط کی بنا پر ہے کہ کہیں یہ سلسلہ
ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ تک نہ پہنچ
جائے جیسا کہ رافضی کا شمار ہے۔

نرم ہیا کہ ہم نے سابق میں تحریر کیا ہے یزید کی فرد جرم میں صرف تین صغیر لکھا اندراج
نہیں بلکہ اس کے گناہوں کی نہرست بڑی طویل ہے آخر اس کے کس کس جرم کا انکار کیا جائے گا
پہلے شبہ کے جواب میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے ایک بار پھر پڑھ لیجئے معلوم

الذی فی کفہ ارید فشرب ثم
 قال له مسلم بن عقبہ قم
 الی ہہنا فاجلس فاجلس
 معہ علی السریہ وقال له: ان
 امیر المؤمنین اوصانی بک وان
 ہو لاء شغلونی عندک ثم قال لعلی
 بن الحسین بعد اہلک فرغوا فقال
 اسی واللہ فامر بداربہ وناہی
 ثم حملہ علیہا حتی رددہ
 الی منزلہ مکرمًا
 البیایہ والنہایہ ج ۷

ص ۲۲۰

اور نہ سے پی ہی سکتے تھے تب اس شقی نے آپ کو
 بتلایا کہ اگر امیر المؤمنین تمہارا خیال رکھنے کی
 بجائے تاکید نہ کرتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا
 اس کے بعد کہنے لگا اچھا اب تم پینا چاہتے
 ہو تو پی لو اور چاہو تو ہم تمہارے لیے
 اور نمکادیں حضرت نے فرمایا پس جو میرے
 ہاتھ میں ہے وہی پینا چاہتا ہوں پھر ان
 کہنے لگا اور ہمارا بھکر بیٹھ جاؤ اور آپ کو
 اپنے پاس تخت پر بٹھالیا اور کہنے لگا
 کہ امیر المؤمنین نے تو مجھے تمہارے بارے میں
 تاکید کر دی تھی مگر ان لوگوں نے مجھے ناشتوں
 رکھا کہ تمہاری طرف توجہ ہی نہ ہو سکی پھر حضرت
 سے کہنے لگا شاید تمہارے گھڑاے تمہارے گھڑے
 پر نشان ہوں حضرت نے فرمایا بجز ایسا ہی ہے
 چنانچہ سلم نے اپنی سواری پسندین کئے کا حکم دیا
 اور پھر اس پر سوار کر کے باعزت طور پر ان کو اپنے
 گھر پہنچا دیا۔

اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا | اربطیات ابن سعد میں ہے

حضرت علی بن حسین کنکریاں مارنے کے لیے
 بیوں ہا کرتے سنائی میں آپ کا ایک مکان تھا

اخبرنا الفضل بن دکین قال: اخبرنا
 حفص عن جعفر عن ابيه ان علی

بن حسین کان یمشی الی الحیار
 وکان وہ منزل بہنی رکان اهل الشام
 یؤذونہ نکول الی قرین الثعالب ای
 قریب من قرین الثعالب وکان
 یرکب فاذا اکی منزله مشی الی
 الحیار (ج ۵ ص : ۲۱۹)
 بطبعہ بیروت ۱۳۸۷ھ

اہل بیت کی حق تلفی

اور اسی میں ہے۔

اقبرنا مالک بن اسماعیل قال :
 حدثنا سہل بن شعیب النہمی و
 کان نازلاً فیہم یومئذ عن ابیہ
 عن اہل الجہال یعنی ابن عمر و قال
 دخلت علی علی بن حسین فقلت کیف
 أصبحت اصبحت اصبحت اللہ بہ فقال ما کنت
 اُمرک شیخاً من اهل البصر مثلاً
 لا یدری کیف اصبحنا ما اذالہ
 قدرہ و تعلم فسا خبرک اصبحنا فی
 قمرنا بمنزلة بنی اسرائیل فی آل
 فرعون اذ کانوا یدجون بنی وھم
 راسخون نسہم و صبح شیح

اہل شام آپ کو سنا یا کرتے تھے اسی لئے آپ
 اپنے مکان سے قرین الثعالب یا اس کے
 قریب اٹھ کر آگئے اب آپ کو اسی پر آنے
 لگے اور جب اپنے گھر پہنچے تو پھر
 کنکریاں مارنے کے لئے پاپیادہ
 چلایا کرتے۔

سہل بن شعیب نہیں جو بن نہم میں امامت
 کرنے کی وجہ سے باکرتے تھے اپنے باپ شعیب
 اور شعیب منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہیں
 کہ میں نے حضرت علی بن حسین کی خدمت میں
 حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت
 سے رکھتے صبح کس حال میں ہوئے، فرمایا میں نہ
 سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی
 یہ نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی اور
 اور جب آپ یہ نہیں جانتے یا اس کا علم آپ کو
 نہیں تو پھر میں اب بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے
 اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں ہوئی جو طرہ
 بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے ساتھ کی تھی

وسيدنا بتقرب إلى عددنا بستمه
 أو سبه على المنا بردا صحت
 قریش بعد ان لها الفضل على العرب
 لان محمداً صلى الله عليه وسلم
 لا بعد لها فضل الابه راجحت
 العرب مقرة لهم بذلك راجحت
 العرب بعد ان لها الفضل على العجم
 لان محمداً صلى الله عليه وسلم منها لا
 بعد لها فضل الابه راجحت العجم
 مقرة لهم بذلك نقضت
 العرب صدقت ان لها الفضل
 على العجم وصدق قریش ان لها
 الفضل على العرب لان محمداً صلى
 الله عليه وسلم منها ان لنا اهل
 البيت الفضل على قریش لان محمداً
 صلى الله عليه وسلم منا ان صحت
 ياخذون بحقنا ولا يعرفون لما حقنا
 فهكذا اصبحنا ان لم تعلم كيف اصبحنا
 قال فظننت اننا اشد ان لسمع
 من في البيت

کردہ ان کے لڑکوں کو توفیق کر دیتے تھے اور
 ان کی عورتوں کو جینے دیتے تھے اور ہمارے شیخ
 اور ہائے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ ہر سر منبر ان
 پر سب شتم کر کے ہمارے دشمن کا تقرب
 حاصل کیا جاتا ہے اور قریش نے اس حال
 میں صبیح کی کردہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو عرب پر
 ایسے فضیلت حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم قریش ہیں اور ان کے بغیر ان کی
 فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اہل عرب نے
 اس حال میں صبیح کی کردہ بھی قریش کی اس
 فضیلت کے متصرف ہیں۔ نیز اہل عرب نے
 اس حال میں صبیح کی کردہ کبہ بلعم پر اپنی فضیلت
 کو اسی لیے شمار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم عربی تھے اور آپ کے بغیر عرب کی
 فضیلت شمار نہیں ہو سکتی۔ اور اہل عجم نے اس
 حالت میں صبیح کی کہ انہیں بھی عرب کی اس
 فضیلت کا اعتراف ہے پس اگر عرب اس
 دعویٰ میں سچے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے
 اور قریش بھی سچے ہیں کہ ان کو عرب پر فضیلت
 ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب

بھی تھے اور قریشی بھی تو ہم اہل بیت کو بھی
 قریش پر اسی لئے نفی ہے کہ حضرت محمد
 ہم میں سے تھے اب قریش ادرت کے حکمران
 بنی امیہ مراد میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ
 خود کو مبارحتے چکے ہیں مگر پناہ پر ہمار کوئی
 حق نہیں سمجھتے۔ اب سوجب تمہیں یہ علم ہے ہی
 نہیں کہ میں صبح کس حال میں آئی تو اس حال میں آئی
 ہے سنال کا بیان ہے کہ مجھے خیال پڑا ہے کہ
 حضرت ان بزرگوں کو مناسب تھا جو اسی رشت
 گھر میں آئے ہوتے تھے۔

دسواں شبہ

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں

اسی سادات سے برقی رہی ہیں۔

اس شبہ کا جواب

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ
 ان یزید کی اولاد کے درمیان کوئی رشتہ
 مناکحت قائم نہیں ہوا کتب تواریخ و

واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ او یزید
 کی اولاد میں کوئی رشتہ نہیں ہوا

اناب کا پر ہونا ترجمی بات ہے اس سلسلہ میں ایک قرابت کا ذکر بھی کتب تارخ و اناب
 نے ثابت نہیں مگر واحد عباس نے اپنی کتاب خلافت مہاریر میں بنی فاطمہ کے
 امیہ کی بہت سی قرابتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک نظم بھی پیش کر کے اولیوں
 کے سادات میں شامل کرنا ناقصیت ہے امویہ کا شمار اہل بیت میں نہیں ہے۔

عبد الملک کا زوال یزید سے عبرت پھرانا یہ بھی واضح ہے کہ بنو امیہ اور بنی فاطمہ

کے بہت سے خاندان تھے عبد الملک مردانی جب تخت حکومت پر براجمان ہوا تو اس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کر دی تھی کہ بنو ہاشم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیارتی کی تو ان پر زوال آگیا چنانچہ حانظ ابن تمیمہ لکھتے ہیں۔

فان الحجاج مع كونه مبيناً سفاكاً
للدما قتل خلقاً كثيراً له يقتل
من اشرف بني هاشم احداً قط
بل سلطانہ عبد الملك بن مردان
نہاك عن التعرض لبني هاشم
دھم الاشراف وذكر انه اتى الى
بني الحرب لما تعرضوا لھم یعنی
لما قتل الحسين بجرم نہ دھم سے
اپنے تبصیح ۳ ص ۱۰۴ (۵۰۴)

بلاشبہ حجاج نے باوجودیکہ وہ جڑا ملکر اور سخت خرنریز تھا اور اس نے ایک خلق کثیر قتل کر دیا تھا تاہم اشرف بنی ہاشم میں کبھی کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اس کے سلطان عبد الملک نے بنی ہاشم سے جو اشرف کہلاتے ہیں کسی قسم کا بھی تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بنو حرب نے جب ان سے تعرض کیا تو ان کی شامت آگئی مرطلب یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب قتل کیا تو ان پر اربا لگایا۔

اس لیے بنو ہاشم اور بنو مردان میں اگر تعلقات قرابت بعد میں بھی قائم رہے اور ایک دوسرے سے رشتہ مناکحت کا سلسلہ چلتا رہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یزید کے مظالم کے مردانی بھی اتنا ہی تھے۔

گیارہواں شبہ

یہ ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد کونکے شریر النفس لوگوں نے مسیدنا حسینؑ کو یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا اور جب آپ نے جان لیا کہ یزید کی بیعت پر کام امت

متفق ہے تو آپ اپنے ارادہ سے دست بردار ہو گئے۔

یہ ہے کہ یہ محض ہرزہ سرائی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں مانگ
اس کا جواب

طبرسی، البدایہ والنہایا بن الاثیر الامامہ لابن حجر اور تاریخ
المنام یہ سب کتابیں ہمکے پیش نظر ہیں۔ ان میں کہیں یہ مذکور نہیں جو مستغنی نے سوال میں
ذکر کیا ہے

کیا الیازا باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض نئے ناوان عقل سے کوسے
احکام شرع سے بالکل ناواقف اور دینی تقاضوں سے سرے سے نا آشنا تھے کہ سائل کو تو
اس حقیقت کا پتہ چل گیا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور ان شریر النفس لوگوں کے بہکانے
میں آکر جن کے

۱۔ نامبارک عزائم و مقاصد کبھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور
اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوتے اور کبھی جنگ
جہل و صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے حتیٰ کہ حضرت علی
المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور جن رضی اللہ عنہ کی تربیت و تہذیب سے بھی انہیں
کے نامہ اعمال سیاہ اور رامن و اعذار ہیں۔

آپ نے یہ یاد کر لیا کہ امیر نیر امت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں اور پھر ان کے خلاف مزاج پر
آئوہ ہو گئے سب ان اللہ اس سے زیادہ اور کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تہمت و تحیل میں کہا
جاسکتا ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے بعد ساری
امت اسلامیہ پر آج تک یہ حقیقت منکشف ہی نہ ہوئی جو مستغنی پر واضح ہوئی ہے لہذا
باللہ من ہذہ الخرافات جھوٹ برلنے کی حد ہو گئی۔

فائق اعظم کی شہادت میں کسی کوئی کا ہاتھ نہ تھا! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی

کوئی کا اٹھ نہ تھا یہ بھی جھوٹ ہے نہ ان کی شہادت کسی سبب کے تحت عمل میں آئی ان کی شہادت کے بارے میں سازش کا افسانہ موجودہ رو کے ملحد جمیوں کے ذہن کا ساختہ و پراختہ ہے اس کی تفصیل کے لیے ہمارے رسالہ اکابر صحابہ پر مہمان کا مطالعہ کرنا چاہیے

لہجہ غلط باتوں پر تنبیہ | حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قائلین میں بھی کسی کوئی نام نہیں لیا جاتا، انگریزوں میں بھی اکثریت اہل مصر کی تھی

جنگ حمل و صفین میں کیا طریقے سے سارے صحابہ کرام (غیر اللہ) دیوانے ہو گئے تھے کردہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح، ان شریر انفس لوگوں کی شہادت کو بالکل نہ سمجھ سکے۔ اور قتل و قتل کا شہکارہ کارزار جاری رکھا ایک ملحد اسی بات پر چسکا ہے کہ مسلمان کا ذہن اس فراغت کو یاد نہیں کر سکتا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم مرادی پکا خارجی تھا خاندان کا گمراہ کرنے نہیں نہایت تھا ابن مہاجر قاتل علی کوئی نہیں مصری تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدوین و تفسیر میں خراج اور لواحد سب پیش پیش رہے ہیں

یزید کے خلاف حضرت حسین کا اقدام اللہ فی اللہ تھا۔ | حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف اس کی لابی کی بنا پر دوسرے کے کہنے سے نہیں بلکہ اپنی بصیرت کے مطابق محض باللہ

فی اللہ بقرآن علیہ کلمۃ اللہ تھا چنانچہ حافظ ابن حجر مفتح الباری میں لکھتے ہیں

اسم بخرجوا عنہ اللہ من اجل جبر الدلایۃ و ترک عملہم بالسنة النبویۃ فہولاء اهل الحق۔

ایک تسمان طغات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سخت بڑی پرانے عمل نہ کرنے کی بنا پر اپنی غیرت و عیت میں نکلے سب اہل حق میں اور

حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تھا

منہم الحسین بن علی و اهل المدینۃ فی الحرۃ و القراء للذین

خرجہ علی الحجاج۔

علاج حجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان

ہی اہل حق میں ہے

فتیۃ الباری ج ۲ ص ۱۲ طبع مصر

جن حضرات نے یزید حجاج کے خلاف
اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا

شہر میں نقطہ نظر سے حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحابِ حرہ
سے یزید کا جنگ کرنا کس طرف بھی

تعلیٰ جائز نہیں تھا چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں رقمطراز ہیں

من خرج عن طاعة امام جائز
اراد النوبة على ماله او نفسه
او اهله فهو مباح ذر و لا
يجل قتاله وله ان يدفع
عن نفسه و ماله و اهله
بقدر طاقتہ

وقد اخرج الطبري بسند صحيح
عن عبد الله بن الحارث عن
رجل من بني مضر عن علي وقد
ذكر الخوارج فقال ان خالفوا
اماماً عدلاً نقاتلوهم وان خالفوا
اماماً جائراً فلا نقاتلوهم فان
لهم مقالا

جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے کہ جو
ظالم ہوا اس شخص کے جان یا مال یا اہل و عیال
پر قاب کرنا یا بتا بر تو ایسا شخص مباح ہے
اور اس سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو کوئی
فحاشت کے مطابق اپنی جان مال اور اپنی اہل و عیال
کی طرف سے دفع کہ حق حاصل ہے

چنانچہ امام فہرہ نے بسند صحیح عبد اللہ بن حارث
سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک
شخص کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے راوی ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر
فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خرم کرتے
ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف
خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم ہوں
کی مخالفت کریں تو ان سے قتال نہ کرو بلکہ
ان کو کہنے کا حق حاصل ہے اس لیے مباح ہے

ابن سے روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَعَلَى ذَٰلِكَ يَحْمَلُ مَا وَقَعَ

لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ ثُمَّ لَأَهْلِ الْمَدِينَةِ

فِي الْحَقِّ ثُمَّ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ

ثُمَّ لِلْقُرَٰثِ الَّذِينَ خَرَجُوا عَلَى الْحَجَّاجِ

فِي قِصَّةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ

ابن الأشعث والله أعلم

(ج ۱۲ ص ۲۵۲ - ۲۵۳)

اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین

بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آیا

اور پھر مقام حرم میں اہل مدینہ کے ساتھ پھر عبد اللہ

بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اور ان

علماء کے ساتھ کہ جنہوں نے عبد الرحمن بن محمد بن

الأشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج

کیا تھا کہ ان سب حضرات کے ساتھ ناجائز تھا واللہ اعلم

جو تھے شبر کے جواب میں حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ خط

جو یزید کے نام لکھا گیا تھا درج

حرمین میں یزید اور اس کے عمال نے
حضرت حسینؑ کو چین سے بیٹھے دیا

کیا جاچکا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے

عمال نے حرمین میں چین سے بیٹھے ہی زندہ دینہ میں تھے تو بیت یزید پر اصرار تھا مگر معظمہ

آگئے تو وہاں بھی یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام خط لکھ کر اپنے قلعہ اشجار

میں حضرت حسینؑ کو قتل کر رکھی دی تھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہیں چاہتے تھے

کہ ان کی وجہ سے حرم مکہ میں خوریزی ہوا جو حرم کی عزت خاک میں ملے تھے۔ اس لئے آپؑ کو نہ

کارخ کیا کہ وہاں آپ کے اعوان انصار تھے۔

جن حضرات نے کوفہ جانے سے حضرت حسین

کو روکا رہنا شہادت روکا

اور جن حضرات نے آپ کو کوفہ جانے

سے روکا وہ بھی بہر بنائے شفقت

تھا نہ اس بنا پر کہ آپ کا یہ اقدام

نور با لشہر خلاف شرع تھا۔ ورنہ روکنے والے آپ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ
آپ ترکیبِ مصیبت ہوئے ہیں نیز یہ جیسے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کرنے سے آپ
شرع کی رو سے باغی مباح الدم اور واجب القتل ہوں گے۔ اسی لیے خلیفہ برحق سے
نہایت کرنا آپ کے شایان شان نہیں عز و شرافت یہ حضرات کو نبیوں کی بے وفائی کا اندیشہ ظاہر
کرتے ہیں مگر آپ کے اس اقدام کو گناہ قرار نہیں دیتے۔

کوفہ کے سب لوگ غدار تھے

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے ان میں
مخلصین کی کثیر جماعت تھی حضرت حسینؑ

کو مرتبہ شہادت پر نائز ہونا تھا اس لیے لاکھ جتن کیے جاتے مرناسی تھا جیسے حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آلِ حسرت میں ازل سے شہادت مقدّر تھی بہت سے صحابہ کرامؓ نے
آپ کی نصرت میں اپنی خدمات پیش کیں اور محاصرین سے جنگ کی اجازت مانگی بظاہر خیال
ہوتا ہے کہ اگر محاصرین سے جنگ کی جاتی تو ان کا نرار پر نرار ضروری تھا لیکن آپ نے اسے
پسند ہی نہ فرمایا اور آخر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انجام سے
ناراض تھے راہِ حق میں شہادت مطلوب ہونے سے اس لیے آپ نے جو ترنِ سعادت سمجھا
اسی پر عمل کیا۔

کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تصر
اور حضرت حسین کی شہادت

کوفہ کے گورنر اس وقت نعمان بن بشیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو فصر علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے صحابی تھے۔ یزید کو جیسے

ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عازم کو نہ ہونے کی اطلاع ملی اُس نے فوراً حضرت
نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو جسے
یزید اپنا چچا زاد بھائی بتاتا تھا کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا۔ اُس نے آتے ہی جو ظلم و ستم ڈھلایا
اس سے تاریخ کے ادراک پر ہیں۔ بڑے بڑے سرکردہ لوگوں کو دار و درویش سے سر کیا۔ ان کا نام کہ

جبروتہر سے کوڑہ کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہو اور کوئی کہیں نہ جاسکے۔ صورتحال میں اسی اچانک تبدیلی سے غلامین کو آپ کی نقل و حرکت کی خبر نہ ملنے کے سبب مدد کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی کوڑہ سے پچیس میل دور ہی تھے کہ ابن زیاد کے حکم سے راہ ہی میں حر بن یزید تمیمی کے دستہ نوح لے جو ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا آپ کا محاصرہ کر لیا۔ پھر عمر بن سعد کی سرکردگی میں مزید چار ہزار سپاہ روانہ کر کے پہلے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارواں کا پانی بند کیا۔ پھر ان سب حضرات پر حملہ کر کے ان کو شہید کر ڈالا۔ چنانچہ امام نجاشیؒ تاریخ صغیر میں لکھتے ہیں:-

حدثنا موسى ثنا سليمان بن	ہم سے موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو سلیمان بن
مسلم ابو المعلى العجلي قال سمعت	مسلم ابو المعلى عجلی نے بتایا کہ میں نے اپنے والد
ابي ان الحين لما نزل كربلاء	سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت حسینؑ جب سر بلایا
ناول من لعن في سرادبه عمرو بن	میں دیکھ کر کئی بڑے تو سب سے پہلے جس شخص نے
سعد فرأيت عمرو بن سعد	ان کے سر پر دہن نیزہ مارا وہ عمر بن سعد تھا
دا بنيه قد ضربت اعناقهم	پھر میں نے (کچھ عرصہ بعد یہ منظر بھی) دیکھا کہ
وعلقوا على الخشب ثم ألقيت	عمر بن سعد اور اس کے دونوں بیٹوں کی گردنیں
فيهم النار ؟ تاريخ صغير ص ۱۷۵	مارکی گئیں اور انہیں شہتیر پر لٹکا کر نذر
	آتش کر دیا گیا۔

اور ان سب شہدا کو رملہ کے سرکاٹ کر انکو کوڑہ روانہ کر دیا گیا۔

حضرت حسینؑ کے سر مبارک کے ساتھ
ابن زیاد کی گستاخی ...

حضرت حسینؑ کا سر مبارک جب عبید اللہ
بن زیاد کے سامنے طشت میں رکھ کر
پیش کیا گیا تو اس ابن زیاد بدبھانے

آپ کے سر مبارک کے ساتھ جو گرتاخی کی اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

حدثنا محمد بن الحسين بن
ابراهيم ثنا حسين بن محمد
ثنا جبريل عن محمد بن النسي بن مالك
قال اتى عبدة الله بن زياد برأس
الحسين رضي فمجدل في طست فجعل
ينكت وقال في حنه شيئا فقال
النسي كان اشبههم برسول
الله صلى الله عليه وسلم وكان
مختفوا بيا بالوسية

(صحیح البخاری ص: ۵۳۰ ج ۱)

اور جامع ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے

حدثنا خلد بن اسلم البغدادي
نا النضر بن شميل نا هشام بن حسان
عن حفصة بنت سيرين قالت
ثني النسي ابن مالك قال كنت
عند ابن زياد فنجي برأس
الحسين فجعل يقول بتغيب
في انفه ويقول ما رأيت مثل هذا
حنا لم يذكر قال قلت امانته

محمد بن سيرين حضرت انس بن مالک رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد
کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
سر مبارک لشت میں رکھ کر پیش کیا گیا
تو وہ سر در چھتری سے اسی کو چھڑتا رہا
اور آپ کے من کے بائے میں بد زبان کی اس
پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت شائبہ اور
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک
پر اس دلت وسمہ کا خضاب تھا۔

حفصہ بنت سیرین کا بیان ہے کہ مجھ سے
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے بیان فرمایا کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا
اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا سر مبارک اس کے سامنے لا گیا تو وہ
چھتری سے آپ کی ناک کو چھڑ کر ابلور
کھنڑا کہنے لگا میں نے تو ایسا حسین ہی نہیں
دیکھا پھر اس کے من کا کیوں چرچا ہے میں

كَانَ أَشْبَهُهُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

(ج ۲ ص: ۲۱۹)

عمر بن سعد کا حشر | عمر بن سعد کا جو حشر ہوا وہ ابھی تاریخ بخاری کے حوالہ سے
آپ پڑھ چکے کہ وہ بھی کچھ غرضہ کے بعد ہی قتل کر دیا گیا اور
پھر اس کے لاشے کو آگ میں جلا دیا گیا یہ واقعہ شہ کلبہ

ابن زیاد کے سر کے ساتھ | اسی وقت میں بروز عاشوراء ہی ابن زیاد بدینہار
بھی ابراہیم بن الاشتر کے ہاتھ سے مارا گیا
اور اسی قہر میں جہاں لاشہ میں حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا اس کا سر مبارک
بھی رکھا گیا پھر اس کے سر پر جویتی دھونے کے لائق ہے امام ترمذی اپنی جامع میں
نرماتے ہیں۔

عن عمار بن عمیر قال لما
جئنا بنو أمية بن عبد الله بن زياد وهما به
لفدت في المسجد في الرحبة
فانتهيت اليهم وهم يقولون
قد جارت قد جارت فإزاحية قد جارت تغل
الروصحتي دخلت في منخري عبید
بن زياد فمكثت هنيهة ثم خرجت
فذهبت حتى تنيبت ثم قالوا
عمارہ بن عمیر کا بیان ہے کہ جب عبید اللہ بن
زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لاکر چوک کی
میدان میں بالترتیب کھائے گئے تو میں بھی وہاں پہنچا
اس وقت لوگوں کی زبان پر تھادہ آیا وہ آیا
دیکھا تو ایک سانپ سردی میں سے گھسا ہوا
ابن زیاد کے نتھوں میں داخل ہوا پھر ذرا
دیر رہ کر اہر غائب ہو گیا اب پھر لوگوں نے
کہنا شروع کیا وہ آیا وہ آیا غرض اس سانپ

نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔

قد جاءت قد جاءت ففعلت ذاك
مرتلياً مثل شاهد هذا حديث حسن

صحیح (ج ۲ ص ۲۱۹)

یزید کلونیہ سے ناکام

وٹامراو جانا

اور یزید کا جو حشر ہوا وہ حافظ ابن کثیر
کے الفاظ میں ہے۔

وقد اخطأ يزيد خطاء فاحشا

في قوله لمسلم بن عقبة ان

سبح المدينة ثلاثة ايام وهذا

خطا كبير فاحش مع ما انعم الي

ذالك من قتل قتل من الصحابة

وابناءهم وقد تقدم انه قتل

الحسين واصحابه على يد سي عبد الله

بن زياد وقد وقع في هذه الثلاثة

ايام من المفاسد العظيمة في

المدينة النبوية ما لا يحصى ولا

يوصف ما لا يعلمه الا الله

عز وجل وقد اراد بارسال مسلم بن

عقبة لوطيد سلطانہ وملكه و

درام ايامه من غير منازع

فغالبه الله بنقيض قصد و حال

یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہہ کر کہ وہ تین دن تک

مدینہ نبوی میں قتل و غارتگری جاری رکھے

بڑی خطانہش کی یہ بڑی سخت اور نمٹش

غلطی ہے اور اس کے ساتھ صحابہ اور صحابہ

زادوں کی ایک خلقت کا قتل عام اور شامی ہو گیا

اور سابق میں گزر چکا کہ حضرت حسین اور ان کے

اصحاب عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل

کر ڈالے گئے مدینہ منورہ میں ان تین دنوں میں

وہ وہ مفاسد عظیمہ واقع ہوئے کہ جو حد و حساب

سے باہر ہیں اور بیان کیے ہی نہیں جاسکتے

ابن اللہ عز وجل ہی کو ان کا علم ہے یزید نے

تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر یہ چاہا تھا کہ اسی کی

سلطنت و اقتدار کی جڑیں بھڑوٹا دیں اور

اس کے ایام حکمرانی کو بلا نزاع دوام حاصل

ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف مراد اس

بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا لِيَشْتَهِيَهُ فَفَقِمْ
اَللّٰهُ تَاٰمَهَا لِحُبَابِ بَرَكَةٍ اِخْذْ اِخْذْ
عَزِيْزٌ مَّقْدَرٌ كَذٰلِكَ اَلَمْ يَكُنْ اِخْذُ رِيْلٍ
اِنْ اِخْذُ الْقُرْآنِ رَهْنٌ فَالْمَلِكُ اِنْ
اِخْذُ الْيَمِّ شَدِيْدٌ ج ۸ ص ۲۲۲

کہ سزا دی اور اس کے اور اس کی خواہش کے
درمیان آڑے آگیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ
نے جو سب ظالموں کی کمزوری دیکھی ہے اسی کی
بھی کمزوری کر رکھی اور اسے اسی طرح دھڑکڑا
جس طرح کہ غالب ان با اقتدار پکڑا کرتا ہے
بستیوں کو اندوہ ظم کرنے ہوتے ہیں بے شک ہر
کی پکڑ درناک ہے شدت کی۔

اس کی نسل کا منقطع ہو جانا

اور خواجہ محمد یار صاحب تفسیر سی رحمتہ اللہ علیہ

نسل الخطاب میں فرماتے ہیں

روز طفت باقی نماز از اولاد دے مگر
زین العابدین پس حق تعالیٰ از صلب دے
آورد کہ خواست از اہل بیت نبوت
بیرون آورد و شریعت و عزب منتشر گردانید
چنانچہ پیچ نا حیر و پیچ شہرے از وجود
شان خالی نیست و نباشد از یزید و
اخلافش یک تن نگذاشت کہ خانہ
آبادان کنند آتش افسرد و اللہ تعالیٰ
راست ترین گویندگان است بہ حبیب
خود کہ فرمود اِنَّ شَاۤءَ بَدَلْ
هُوَ الْاَمْرُ ملاحظہ ہو

کر لبا کے دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد نرمیہ
میں بکھر حضرت زین العابدینؑ کے کوئی مرد
باقی نہ بچا پھر حق تعالیٰ نے آپ کی پشت سے
خاندان نبوت کے جتنے افراد کو بھی پیدا کرنا
چاہا پیدا فرمایا امدان کر شریعت و عزب میں
پھیل دیا چنانچہ کوئی نواج اور کوئی شہر یا
ہنس کہ جوان حضرت کے رجوع سے خالی ہو اور نہ
کبھی خالی ہو گا اور یزید اور اس کی نسل سے
ایک شخص کر بھی تو باقی نہ چھوڑا کہ بکھر کر باہر
رکھے اور اس میں دیا ہلاکے دن کوئی نام لیا
کہ نہ پانی دیا اور اللہ تعالیٰ سب کے پل ہے

الفرع انما من الاصل السامی از

نواب صدیق حسن خان اوص : ۵۰

طبع نظامی کا پورہ

اکر جس نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ بے شک جو میں

ہے تیرا ہی رہ گیا دم کٹا۔

اور ہمارے نزدیک یہ بات بھی محل نظر

ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اخیر وقت میں عمر بن سعد کے سامنے جو

**یہ صحیح نہیں کہ اخیر وقت میں حضرت
حسین یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے**

تین شرطیں کہیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے دمشق بھیجا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم اچھا زاد

نبائی امیر یزید کے ہاتھ میں دستہ دیکر معاملہ اس طرح کئے کروں جو طرح میرے بھائی حسن نے

امیر معاویہؓ کے ہاتھ کیا تھا۔ سائل نے نا صبح یدی فی یدہ کے الفاظ تو نقل

کئے بقیہ الفاظ تاریخ کی کتب کتاب میں مقرر ہیں۔

یہاں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے

کسی دور میں بھی یزید کی خلافت منقہ مرنے پر

اس پر رایت کے اعتبار سے

تفصیلی بحث

اپنی رضا مندی ظاہر کی۔

سب سے پہلے جب یزید کی ولید کی تقریب عمل میں آئی تو کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ

نے ان کی دلی عہد کی بیعت کی اور اس کو درست بتایا پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر یزید

کے عامل مدینہ ولید بن عتبہ نے آپؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو کیا آپؓ نے اس مطالبہ کو منظور فرمایا یا کیا

آپؓ نے مدینہ طیبہ کو صرف اسی بنا پر خیر باد نہیں کہا کہ یزید کے مقرر کردہ عامل مدینہ کی طرف سے

اس سند میں آپؓ پر ناجائز دباؤ والا جبار ہاتھ آیا گیا آپؓ اس وجہ سے دباؤ سے چھٹ کر

حرم مکہ میں نہیں آگئے تھے کہ حرم مکہ میں بھی آپؓ نے یزید کی بیعت پر کبھی ایک لمحہ تسلیم نہیں کیا

اٹھارہ رضا مندی کیا تھا؟ پھر اخیر وقت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر

کس طرح راضی ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس بیعت کو بیعت فطالت بھی سمجھتے تھے چنانچہ حنفیہ
ابن خرم غامری الفصد فی الملل والاہواء والنحل میں دستخط فرمایا ہے۔
اذ رأی انہا بیعة ضلالة (ج ۴ صفحہ ۱۰۵) حضرت کی رائے یہ تھی کہ اس
کو بیعت بیعت فطالت ہے۔

آپ کا غیر خطبہ جواب اپنے میدان کر بلا میں دیا آپ کے موقف کو صاف بتا رہا ہے یہ خطبہ
احیاء العلوم امام غزالی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ خط بھی
پڑھ لیجئے جو آپ نے یزید کے نام لکھا تھا اور جو سابق میں تاریخ الکامل ابن اثیر کے حوالہ
سے ہم نقل کر چکے ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف سے
رجوع کر کے یزید کے ساتھ پر بیعت کرنے کے لئے راضی ہو گئے تھے حالانکہ یہ دونوں
مواقع ایسے تھے کہ جہاں ایسی بات کا ذکر ضروری تھا پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء یا حضرات انصار مدینہ میں سے
کسی ایک فرد نے بھی جب سے وہ یزید کے خلاف کھڑے ہوئے کبھی اپنے موقف سے رجوع
کیا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے حضرت آء غزم دہشت اور عنبریت کے اعتبار سے
ان سب حضرات سے برتر اور بڑھ کر تھے۔ اور کمالات و فضائل کے اعتبار سے اپنے تمام
معاصرین میں اس وقت کوئی ان کا ہمسر نہ تھا وہ بھلا کس طرح اپنے صحیح موقف سے
رجوع فرما سکتے تھے وجہ یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ و تابعین کے نزدیک یزید کی شخصیت
ناپسندیدہ تھی چنانچہ حافظ ابن خرم غامری اندلسی لکھتے ہیں۔

انہا انکر من انکر من الصحابة
رضی اللہ عنہم ومن التابعین
بیعة یزید بن معاویہ
والولید و سلیمان لا انہم كانوا
صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے
جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید
اور سلیمان کی بیعت سے انکار فرمایا
وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہ ناپسندیدہ

نتیجہ ظاہر ہے کہ زید نے اپنی حرکات سے تو یہ کہ، نہ ان حضرات میں سے کسی نے اس بیعت کا ارادہ فرمایا، بہر حال اگر اہل سنت کی کتابوں میں یہ روایت، حاضرین واقعہ سے پسند صحیح مذکور ہو تو ضرور پیش کی جائے ہم بعد شکر یہ اس تحقیق کو قبول کریں گے

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار صحابہ کرامؓ کے اس اعلیٰ طبقے میں ہے جن کو حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے "نجباء" (خاص برگزیدہ اصحاب اور رتبہ) (جو آپ کے احوال کے نگران ہوں) میں داخل فرمایا ہے

حضرت حسینؓ کا شمار

نجباء صحابہ میں ہے

چنانچہ جامع ترمذی میں :-

عن علی قال قال رسول الله رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لكل نبي سبعة نجباء و رقباء اعطيت انا اربعة عشرة قلنا من هم؟ قال انا و ابناي و جعفر و حمزة و ابو بكر و عمر و مصعب ابن عمير و بلال و سلمان و عمار و عبد الله ابن سعود و ابو ذر و المقداد

رواه الترمذی في مسنده ص ۵۸۰ ج ۲

عنہم اعمدین

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے سات نجباء اور رتبہ ہوتے ہیں اور مجھے حق تعالیٰ نے چودہ نجباء فرمائے ہیں ہم نے عرض کیا یہ کون کون حضرات ہیں آپ نے فرمایا میں (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) و جعفر و حمزہ و ابو بکر و عمر و مصعب بن عمیر و بلال و سلمان و عمار و عبد اللہ بن سعود و ابو ذر و المقداد رضی اللہ تعالیٰ

نجیب کے معنی برگزیدہ اور رتبہ کے معنی نگران احوال کے ہیں، شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ میں اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں :-

ازیں معلوم میسر رکھیں چہارہ کجسب
نجابت در قیامت خسر نیستی است کہ
در دیگران نیست

اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان چوروں کے
چہرہ بزرگوں کو نجابت در قیامت کے
اعتبار سے وہ امتیاز و خسر میت حاصل ہے
جو اور دن کو نہیں ہے۔

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ علی و
حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے

اب غزوہ فرمائیے کہ جو حضرات شرف
نجابت سے ممتاز ہیں اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کے نگہبان ہوں ان کے مزاج شناس بہت سے ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا
ہے ظاہر ہے کہ ان حضرات کا جو اقدام بھی ایسے مواقع پر ہوگا وہ عبادہ شریعت سے ذرا بھی ادھر
اُدھر نہیں ہو سکتا اس لیے حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے
اپنے وقت میں مخالفین کے ساتھ جنگ و صلح کا جو اقدام بھی کیا وہ امت کے عین مفاد
میں تھا اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی تمام جنگوں
میں حق پر تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف بالکل صحیح تھا
چنانچہ علامہ عبدالحی بن العواد حنبلی شذرات الذہب میں لکھتے ہیں۔

والعلماء مجمعون علی تصویب قتال
علی لما لفیہ لامۃ الامام الحق
ونقل الاتفاق ایضاً علی تحسین
خروج الحسین علی یزید و خروج
ابن الزبیر و اہل الحرمین علی
بنی امیہ و خروج ابن الاشعث
و من معہ من کبار التابعین و زیار

اور علما کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مخالفین سے قتال کرنے میں
حق پر تھے کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے نیز اس
پر بھی اتفاق منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا خروج یزید کے خلاف اور حضرت
ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل حرمین
کا بنی امیہ کے خلاف اور ابن الاشعث

المسلمین علیٰ الحجاج ثم الحمهور
 را و اجاز الخرج علی من کان
 مثل یزید و الحجاج و منهم من
 جرد الخرج علی کل ذی الحجاج
 ص ۶۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ

ایمان کے ساتھ کبار تابعین اور بزرگساں
 مسلمین کا خروج حجاج کے خلاف مستحسن تھا
 پھر صہرہ علما کی رائے یہ ہے کہ یزید اور حجاج
 جیسے ظالم اور فاسق حکمرانوں کے خلاف اسٹھ
 کھڑا ہونا جائز ہے اور بعض حضرات کا مذہب
 تو یہ ہے کہ ہر ظالم کے خلاف خروج کیا جاسکتا ہے

حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی ؟

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر
 حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یزید کی بیعت پر آخر وقت میں راضی ہو گئے تھے تو پھر ان کو عمر بن سعد یا عبید اللہ بن زیاد
 کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لینے سے آخر کو ناامرانج تھا کیا وہ بھی (نفوذ باللہ) حب
 جاہ میں گرفتار تھے کہ صرف بادشاہ وقت ہی کے ہاتھ پر بیعت کر دینے کے اس کے عمال کے
 ہاتھ پر بیعت کرنا ان کی کسر شان ہے اسی طرح ایسی صورت میں حریر یزید ہی عمال کو انہیں
 رشتہ پہنچانے میں آخر کیا عذر تھا ؟ اور جب یہ الحاحت کے لیے تیار تھے تو پھر انہیں
 ناحق قتل کرنے سے کیا نادمہ تھا ؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پر امارہ تھے مگر عبید اللہ
 بن زیاد نے زبردستی آپ کو قتل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو
 آخر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی کونسی ذاتی عداوت تھی جس نے ان لوگوں کو
 آپ کے قتل پر مجب کیا تھا ؟

اور اگر یہ لوگ اس قدر خود مر تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ نے آپ کی بیعت پر امارہ تھے مگر پھر بھی وہ ان کے قتل سے باز نہ رہے تو یزید کی کیا

برائے نام خلیفہ تھا کہ جو عضو مطلق بنا بیٹھا تھا اور جو کچھ کرتے تھے اس کے اعمال بد اعمال ہی کرتے تھے۔ اور اگر رافع میں یزید با اقتدار خلیفہ تھا اور اس کے منسلکے بغیر شہزائے کر بلا کر نقل کیا گیا تو پھر اس نے اس بارے میں اپنے اعمال سے باز پرس کیوں نہ کی؟

اتنی بحث و رایت کے اعتبار سے اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کے لئے کافی ہے جو مستفتی نے نقل کی ہے کہ ناصح مدیخی مددہ "اور یہ کسی قابل ثبوت سند سے ثابت بھی نہیں ہے

مزید کہ ائمہ بر خلاف عقبہ بن سمان کی سان تصریح کتب تواریخ میں موجود ہے چنانچہ حنفی عز الدین ابن الاثیر جزری اپنی تاریخ الکامل میں فرماتے ہیں۔

وقد ردی عن عقبہ بن سمان
انه قال صحبت الحسين من
المدينة إلى مكة ومن مكة
إلى العراق ولم يفارقه حتى
قتل رسمعت جميع مخاطبته
الناس إلى يوم قتله فوالله
ما أعطاهم ما يتذكرونه الناس
من انه يفسح يدا في
يد يزيد

(ج ۳ ص ۲۲ طبع مکتبہ)

اور بلاشبہ عقبہ بن سمان سے مروی ہے کہ
انہوں نے بیان کیا میں حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ
سے عراق تک برابر ساتھ رہا اور ان کی
شہادت کے وقت تک ان سے کہیں
جدا نہ ہوا۔ میں نے یوم شہادت تک آپ کی
وہ تمام گفتگو میں سنی ہیں جو آپ نے
لوگوں سے فرمائی ہیں۔ سو بخدا یہ بات
آپ نے لوگوں کے سامنے رکھی ہی نہیں جس کا
نوگ ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے
یہ بات رکھی تھی کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا
ہاتھ دے دیں گے اور اس سے بیعت کر لیں گے۔

یہ عقبہ بن سمان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ زہرا علیہا السلام کے نام سے

عمر بن سعد نے غلام ہونے کے باعث ان کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔

خضریٰ کی تحقیق

”ماضیات تاریخ الامم الاسلامیہ کے مصنف محمد خضریٰ

کی تحقیق بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں

ولیس بصیح انه عرض علیہم

ان یفصح یدہ فی ید یزید

نلم یقبوا منہ تلک

العودۃ و عرضوا علیہ ان

ینزل علی حکم ابن زیاد

ج ۲ ص ۱۲۸ طبع مہر

سہ تسلیم ختم کریں

غرض یہ دعویٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیر وقت میں یزید کی

بیت پر راضی ہو گئے تھے۔ نہ روایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ روایت کے

اعتبار سے۔ اور جو اس امر کی صحت کا مدعی ہو۔ اس کو چاہیے کہ وہ اس بارے میں

صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت پیش کرے تاکہ اس کا مدعا ثابت ہو

بارہواں شبہ

یہ تہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خرد راج لغات نہیں بلکہ ایک اجتہاد کی سبب سے غلط تھی جس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کے جھوٹے دعادی پر اعتماد تھا۔

یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے

اس شبہ کا جواب | جیسے کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براٹیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر کے سیاسی غلطی کی تھی اور یہ غلط آپ کی اجتہاد کی تھی بہر حال بغاوت ہو یا اجتہاد کی سیاسی غلط از جب بقول مستفتی حضرت نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمایا تھا تو اب ان کو شہید کرنے کا کیا جواز تھا؟ اور خیر حضرت کو تو خاک بدین گستاخ بقول مستفتی شریر النفس لوگوں نے امیر فزیر کے خلاف خرد راج پر آمادہ کیا تھا اور اس کا سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعادی پر اعتماد تھا۔ مگر ان نا صبی تانلان حسین کو خاندان نبوت کا چراغ گل کرنے کے لئے کس شیطان نے کہا تھا اور انہوں نے اپنا دین و ایمان کس جنیت کے بنے میں آکر برباد کیا؟ اس پر مستفتی نے کچھ روشنی نہ ڈالی۔

سبائی کون تھے | اور یہ اتباع بھی خوب ہے کہ اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی ہے

سبائیوں کو تو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلایا تھا۔
صحیح بخاری میں آتا ہے کہ۔

اتی علی رضی اللہ عنہ
بزنادۃ فاحرقہم

(ج ۲ ص ۱۰۲۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
پاس کچھ زنازد لائے گئے آپ نے
ان کو نذر آتش کر دیا۔

یہ زنازد کون تھے ان کے بارے میں علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ
”الکلب الذاری شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابوالمظہر
الاسفہانی کی کتاب ”التبصیرۃ“ میں

ہم طائفۃ من المذنبین تدعی
السبائیۃ ان عبد ابن علیاً
الہو کان مذنباً ہم عبد اللہ
ابن سبا وکان اصلہ یہودی

رج ۳۲ ص ۵۴۵ ج ۵ مصر

یہ دانش کا دو گمراہ تھا جس کو
سبائی کہا جاتا ہے ان کا دعویٰ
تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان
کا سربراہ عبد اللہ ابن سبا تھا
جو اصل میں یہودی تھا۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان الذین ان میں لکھے ہیں۔

واخبار عبد اللہ ابن سبا

شہیرۃ فی التواریخ ولایت

لہ روایۃ وللہ الحمد ولہ

اتباع یقال لہم السبائیۃ

لیعتقدن الاہیۃ علی بن ابی

طالب وقد احرقہ علی

بالنار فی خلافۃ

(ج ۳ ص ۲۸۹، ۲۹۰)

عبد اللہ ابن سبا کے واقعات تواریخ
میں شہور ہیں سجد اللہ اس سے کوئی
روایت نہیں ہے اس کے تبعین کو
سبائیۃ کہا جاتا ہے یہ لوگ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے

ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے

زندہ جلا دیا تھا۔

اب زراغور فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سبائیوں کے

ساتھ جو عبرت انگیز معاملہ کیا وہ سب کچھ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ہوا پھر یہ کیسی غرائب ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی ان سے دھوکہ کھانے کے لئے خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو تجویز کیا ہے اس سے زیادہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کیا غلط بیانی ہو سکتی ہے ناہیسی اور افسوس دو نوں کا شارق خدا میں بدترین جھوٹ لولنے والوں میں سے

یہ افسر ہے کہ کوئی سبائیوں نے لڑائی میں پہل کر کے صلح نہ ہونے دی

اور یہ قطعاً افسر ہے کہ یہ کوئی سبائیوں کی محض سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل

کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا جائے۔ جنگ میں پہل کرنے والے ناہیسی تھے سبائی نہیں۔ مستفتی نے ابن زیاد اور ابن سعد کے سبائی ہونے پر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ہاں اسی در کے ناہیسی محدوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اب یہ جھوٹا، من گھڑت افسانہ تیار کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف یزید کی بیعت پر بالکل تیار ہو گئے تھے بلکہ اس سے بیعت کرنے کے لئے دمشق کی طرف بھی چل پڑے تھے اور عمر بن سعد حر بن یزید اور شمر ذی الجوشن اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ قافلہ حسینی کی نگرانی کے لئے ان کے ساتھ تھے جو مندرجات حرم کے احترام کی وجہ سے قافلہ سے پیچھے رہتے تھے کہ اسی اثنا میں ان ساتھیوں نے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے کربلا تک ساتھ رہے تھے ایک روز عصر کی ناز کے بعد موقع پا کر جھپٹے کے دقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمر پر حملہ کر کے ان کو مع ان کے رفقاء کے اچانک شہید کر ڈالا اور پھر شمر اور عمر بن سعد کے

رستہ فرج نے ان قاتلوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا یہ وہ فسانہ ہے جو مجلس عثمان غنیؓ کے اراکین نے اپنے دل سے گڑھ کر "داستان کربلا" اور "حادثہ کربلا" نامی دو کتابچوں میں لکھ کر شائع کیا ہے اور پھر ان کو بار بار طبع کرا کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس کا ذکر صحیح تو درکنار کسی جھوٹی اور موضوع روایت میں بھی موجود نہیں اس سے پہلے محمود احمد عباسی نے اس سلسلہ میں یہ داستان لکھی تھی کہ حضرت حسینؓ اور عمر بن سعد کے درمیان صلح کی گفتگو جاری تھی اور معاملہ باہمی طے ہونے کو تھا کہ جب مزید احتیاط کی غرض سے قافلہ حسینی سے ہتھیار لینے کا مطالبہ کیا گیا تو ان کو نبیوں نے اور مسلم بن عقیل کی اولاد نے اچانک عمر بن سعد کی فوج پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کی بنا پر عمر بن سعد کی فوج کو حضرت حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پڑا "یہ دونوں باتیں محض جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ خدا تعالیٰ ان جھوٹوں کا منہ کالا کرے اس جھوٹ کی تفصیل معلوم کرنا تو سب سے رسالہ "شہداء کربلا پر انٹرایہ" کا مطالبہ کرنا چاہیے

صحابہ کی جماعت حضرت حسین

کے موقف کی حامی تھی

اور یہ کہنا کہ "کسی صحابی نے اس فوج میں آپ کا ساتھ نہ دیا حالانکہ اس وقت خالی

تعداد صحابہ کرامؓ کی موجود تھی بالکل غلط ہے صحابہ کرامؓ کی جو کھڑکی بہت تعداد اس وقت باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے موقف کی حامی تھی چنانچہ حافظ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سر زرق شاعر کو حضرت حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت کے لئے

ترغیب دے کر روانہ کیا تھا دلوں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔

قلت: هذا يدل على تهويل
عبد الله ابن عمر والحسين
في مسيرة وهو رأي ابن
الزبير وجماعه من الصحابة
شهدوا الحرة

(ج ۳ ص ۱۹ مطبعہ مصر)

میں (زہبی) کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر
پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ
بن عمر و بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی
مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی
رائے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی
اللہ تعالیٰ عنہما اور صحابہ کرامؓ کی ایک
جماعت کی تھی جو واقعہ حرہ میں
شریک ہوئے۔

علامہ ابن خرم ظاہری ادریشی عبدالحق محدث دہلوی کی تصریحات اس بارے
میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ "البدایہ والنہایہ" میں
لکھتے ہیں۔

بلکہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ
وہ سید کبیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے نواسے تھے اور ان دونوں ردائے زمین
پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو ان کے بمقابلہ
ساد کی ہر لیکن یزیدی حکومت سب
کی سب آپ کی عداوت پر مبنی ہوئی

تھی۔

بل الناس انما ميلهم إلى
الحسين لاننا السيد الكبير
وابن بنت رسول الله صلى الله
عليه وسلم فليس على رجب الرض
يومئذ احد يساميه ولا
يساديه ولكن الدولة
اليزيدية كانت كلها تناديه

(ج ۸ ص ۱۵۱)

یہاں "الناس" کا لفظ قابل غور ہے کہ جس میں یزیدی ارکان سلطنت کے علاوہ اس جہد کے سارے ہی حضرات آجاتے ہیں اس لئے یہ شہد بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ رافضی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پیش کیا کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اس وقت صحابہ کرام رضو سے بھرا ہوا تھا مگر کسی ایک صحابی نے بھی اس وقت ان کا ساتھ نہ دیا آخر نہایت بکے کسی کی حالت میں عین حرم نبوی میں گھر کے اندر گھس کر ان کو قتل کر ڈالا گیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ منظم سے نکلنے وقت یہ کس کو معلوم تھا کہ اسی سفر میں آپ کو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں شہید کر ڈالا جائے گا۔

پھر بھی حضرت انس بن الحارث رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ ہی کے ساتھ معرکہ کربلا

صحابی رسول کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا

میں شہید ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری التاریخ الکبیر میں فرماتے ہیں۔ انس بن الحارث یہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ شہید ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ وسلم سے حدیث سنی ہے۔

انس بن الحارث قتل مع الحسین بن علی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقسام ثانی ج ۱ ص ۳۰ طبع دائرۃ المعارف

حیدر آباد دکن

حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس کا متن

احادیث کی رو سے حضرت حسین کے موقف کی صحت

یہ ہے۔

میرا بیٹا حسین مقام کربلا میں قتل کیا

ان ابی یعنی الحسین۔ یقتل

بارہن یقال لہا کر بلا رهن
شہد منکم ذالک فلینصرک

جائے گا تم میں سے جو کوئی اس سورت
پر موجود ہو اس کی مدد کرے

اس حدیث کی بنا پر یہی سابی معرکہ کر بلا میں آپ کے ساتھ رہے اس روایت کو حاکم
ابن کثیر نے البدایہ النہایہ میں امام ابن کثیر کی معجم الصحابہ کے حوالے سے لہذا نقل کیا ہے
(ج ۸ ص ۱۹۹)

اس روایت سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موت کی صحت روزِ رشتہ کی
طرف عیاں ہو گئی اور یہاں کہ سابق میں بھی گزرا۔ حضرت علی اور حضرات حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اس امت کے سنجبار و رقبہ میں سے تھے اور اس منصب کی ذمہ داری
تھی کہ امت میں جب بھی کوئی خرابی پیدا ہو یہ اس کا برداشت تدارک کریں خواہ اس
سلسلہ میں جادہ کی قربان رینی پڑے یا جان کی یا جان و مال دونوں کی اس لئے ان تینوں
بزرگوں نے اپنے اپنے وقت میں اصلاح امت کے سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا وہ عین
رضا و انہی اور شریعت کے مطابق تھا اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ ان ہر سرہ حضرات
کا جنگ و صلح کے بارے میں جرات نام بھی ہو گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نشا
کے عین مطابق ہو گا چنانچہ جامع ترمذی میں ہے۔

عن زید بن ارقم ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعن ذلما
والحسن والحسین ان ا حرب لمن
حاربہم وسلم لمن ساءلہم
رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۵)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرات علی وفاطمہ و حسن و
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں
فرمایا "جو ان سے لڑے میرا ان سے
لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری
ان سے صلح ہے۔"

اور سنن ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے باب نساء الحسن و
الحسین ابن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تحت ان الفاظ سے مروی ہے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لعنوا فاطمة و الحسن و الحسین
انا سلم لمن سالہم و حرب لمن
حاربہم

اور جن سے تم صلح کرو میری ان سے صلح ہے
اور جن سے تم ساری لڑائی ہو ان سے
میری لڑائی ہے۔

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحیح ابن حبان میں بھی حضرت زید ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موجود
ہے۔ اور مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ
میں آئی ہے کہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال نظر النبی
صلی اللہ علیہ وسلم الی علی و الحسین
و الحسین و فاطمة فقال ان
حرب من حاربکم و سالہم
سالمکم (مسند حجاج ۲ ص ۴۲۲)
ان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو دیکھا کہنا بہت بڑی
اہل بیت سے جنگ کرنا ایسی مذموم
حرکت ہے کہ جس کی مذمت پر تمام
اہل سنت کا اتفاق ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع
امت مذموم ہے

چنانچہ محدث ملا علی قاری شکوٰۃ کی شرح "مرقاۃ" میں لکھتے ہیں

ففضل أهل البيت و ذم من

حاربهم امر مجمع علیہ عند

علماء السنۃ و اکابر ائمۃ

الامۃ (ج ۱ ص ۳۸۷)

اہل بیت کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے

والوں کی مذمت علماء اہل سنت اور اکابر

آئمہ امت کے نزدیک متفق علیہ ہے

یزید کے بارے میں سب سے بڑی شہادت

خود اُس کے گھمراؤوں کی موجود ہے

حقیقی بیٹے سے زیادہ باپ کے حالات

سے اور کون واقف ہو سکتا ہے اور پھر بیٹا بھی وہ جو نہایت صالح ہو رہا ہے

معاویہ بن یزید حمر اشقر تعالیٰ اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے یہ

سماعت مند بیٹے جب تری خدانت ہوئے تو انہوں نے برسر منہ اپنے باپ یزید کے

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کی

اہل ہی نہ تھا اُس نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کیا کہ

اُس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی

اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں

کی ذمہ داری لیکر دفن ہو گیا یہ کہہ کر

رہنے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم

پر سب زیادہ گراں ہے وہ یہ ہے

کہ اس کا برا انجام اور برسی و تہنیت

ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ)

یزید کے بارے میں اُس کے

بیٹے کی شہادت

سے اور کون واقف ہو سکتا ہے اور پھر بیٹا بھی وہ جو نہایت صالح ہو رہا ہے

معاویہ بن یزید حمر اشقر تعالیٰ اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے یہ

سماعت مند بیٹے جب تری خدانت ہوئے تو انہوں نے برسر منہ اپنے باپ یزید کے

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کی

اہل ہی نہ تھا اُس نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کیا کہ

اُس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی

اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں

کی ذمہ داری لیکر دفن ہو گیا یہ کہہ کر

رہنے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم

پر سب زیادہ گراں ہے وہ یہ ہے

کہ اس کا برا انجام اور برسی و تہنیت

ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ)

یزید کے بارے میں اُس کے

بیٹے کی شہادت

خرب الکعبۃ دکم اذق حلاۃ
 الخلفۃ فلا تقلدوا رثھا
 فت نکم امرکم واللہ لئن کانت
 الدنیا خیراً فقد نلنا منها خطاً
 ولئن کانت شرّاً فافقوا ذریۃ
 ابی سفیان ما اقسا یوا منها
 الصواعق المحرقة ص ۱۳۲ مطبوعہ

اس نے واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی عمرت کو قتل کیا شراب کو مباح
 کر دیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں
 نے خلافت کی حلاوت میں نہیں چکھی
 تو اس کی ہخیروں کو کیوں جھیلوں؟
 اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام
 خدا کی قسم اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا
 حصہ حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو
 کچھ ابوسفیان کی اولاد نے دنیا سے
 کمالیا وہ کافی ہے۔

اور یزید کے خاص الخاں شریک کار
 اس کے برادر عمراؤد بشرطیکہ اسحاق
 زیاد صحیح ہویم عبید اللہ بن زیاد

یزید کے بارے میں ابن زیاد کی شہادت

کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام ابی اسنہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بلند
 ذیل نقل فرمایا ہے

حدثنا ابن حمید قال : حدثنا
 جریر عن مدیر قال کتب یزید
 الی ابن مرجانہ ان اغز ابن
 المزید فقال لا اجمہم بالفسق
 اباً اقول ابن بنت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم راغز والیت

یزید نے ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد)
 کو لکھا کہ جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہما سے جنگ کرو تو ابن زیاد نے
 کہا کریں اس ناسق (یزید) کی خاطر دونوں
 برائیاں اپنے نامہ اعمال میں کبھی جمع نہیں
 کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

قال وكانت مرجانة امرأة
صدق فقالت لعبيد الله عيين
تمت الحسين عليه السلام هويلا
ماذا صنعت وماذا امر كبت
تاريخ خيرة ج ۵ ص ۲۹۳ - ۲۹۴

مزید کافس اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے

کے فرائض کو قتل کر چکا اب خانہ کعبہ پر کھڑے
پڑھائی کر دوں، مغیرہ کا بیان ہے کہ
مرجانہ اس کی ماں بھلی عورت تھی جب
عبد اللہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو
قتل کیا تھا تو اس نے اسی سے کہا تھا کہ تجھ
پر انہوں نے تو نے یہ کیا کیا اور کیا کر ڈالا۔

اس لیے علمائے اہل سنت والجماعہ میں
جو حضرات اکابر مزید علیہ السلام پر ہیں
مگر یہ اس کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں وہ بالوجہ نہیں کرتے۔ مزید کافس تمام اہل سنت
کے نزدیک متفق علیہ ہے اس بارے میں دورائے نہیں ہیں اور کسی نامی کی بات اس
سلسلہ میں درخور اعتنا نہیں البتہ اس کی تکفیر کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف
ہے امام محمد رحمہ اللہ اسلام ابوالمیرزہ دوس نے کیا خوب لکھا ہے۔

واما مزید بن معاویہ کان
ظالماً ذلک ان کافرأ
تکلم الناس فیہ لبعفہم کفرہ
لما حکى عنه من اسباب
الکفر لبعفہم لم یکفر ذلک
قالوا لم یصح منه تلک
الاسباب ولا حاجة باحد الى
معرفة ساله فان الله تعالى

عننا عن ذالک الامول الدین ص ۱۹

طبع مد

ربانید عید بن معاویہ وہ ظالم تھا کیلین آیا
کافر بھی تھا یا نہیں اس بارے میں علماء میں
گفتار ہے بعض اس کو کافر بتاتے ہیں کیونکہ
اس کے بارے میں وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں
جو کفر کا سبب بن سکتی ہیں اور بعض اس
کی تکفیر نہیں کرتے رہ کہتے ہیں یہ باتیں
صحیح نہیں اور کس کو اس کا حال معلوم کرنے
کی ضرورت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہی اس
سے مستغنی فرما دیا۔

بہر حال اگر چہ احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے مگر بہر
صورت اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں جس کو علامہ ابن حجر مکی نے "المواعظ المحرقة"
میں بصراحت لکھا ہے کہ

دعی القول بانہ مسلم ذہو فاسق
اور اسی کو مسلمان کہنے کے باوجود اس حقیقت
شیریں سکیو جائے (ص ۱۳۳)
ہے کہ وہ نامی تھا شریر تھا نشہ کا
سزا لا تھا ظالم تھا۔

یزید کی حمایت میں سرگرم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخفاف کرنا ان
کی شہادت کی اہمیت کو نظر انداز کرنا اور اس کی وقعت گرا کر ایسی بیہودہ حرکت ہے
کہ ان کی قبین بھی مذمت کی جائے کم ہے

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
حضرت جبریل علیہ السلام اور ملک القدر

شہادت حسینؑ پر حضور
علیہ السلام کا تلقی

ابارش کافر شہداء کے زریعہ اپنی حیات مبارکہ ہی میں ہو چکی تھی جس سے آپ کو سخت
ربخ واضطراب ہوا تھا اور بعد وفات بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
پر آپ کے ربخ و تلقی اور سخت پریشانی واضطراب کا ذکر احادیث میں وارد ہے
چنانچہ

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ
تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے

عن ام الفضل بنت الحارث
نہا دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ
انی رأیت حلماً منک فی اللیلۃ

قال وما هو؟ قالت: انه شديد
 قال وما هو؟ قالت: رأيت
 كأن قطعة من حبل كقطع
 ووضعت في حجرى فقال رسول
 الله صلى الله عليه وسلم رأيت
 خيراً تلدنا طمة ان شاء الله
 غلاماً يكون في حجرى فولدت
 فاطمة الحسين فكان في حجرى
 كما قال رسول الله صلى الله
 عليه وسلم فدخلت يوماً
 على رسول الله صلى الله عليه وسلم
 فوضعت في حجرى ثم كانت منى
 التقاة فاذا عينا رسول الله
 صلى الله عليه وسلم تهرقان الدموع
 قالت نقلت يا بنى الله باجى انت و
 اتى مالك قال اتانى جبريل عليه
 السلام فاخبرنى ان اسنى ستقصد
 اسنى هذا نقلت هذا قال فله
 اتانى بنويرة من تربته حمراء

آج رات ایک بر خواب دیکھا ہے آپ
 فرمایا کیا؟ عرض کیا بہت ہی سخت ہے
 بیان سے باہر ہے آپ نے پھر فرمایا کیا
 دیکھا ہے؟ عرض کیا میں نے دیکھا کہ
 گویا کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ
 کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 تم نے تو بہت اچھا خواب دیکھا ہے
 اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ناطہ کے ٹکڑا پیدا
 ہو گا اردوہ بچہ تمہاری گود میں ہے گا
 دچنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت ناطہ رحمہ کے بیان
 حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت
 ہوئی اردوہ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا تھا میری گود میں آئے
 پھر ایک روز میں ان کو کید آفست رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت مبارکامی حاصل ہوئی
 اور ان کو آپ کی اخوت میں سے دیا گیا
 یہ میری توجہ فراموش کر کے اپنے زہریلے
 ہوئی تو کیا کچھ ہوا؟ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک نے آنسو
 نہ دینے عرض کیا یا رسول اللہ یہ

باپ آپ پر شمار آپ کو کیا ہو گیا فرمایا

جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے

انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت میرے

اس بیٹے کو مقترب قتل کر دیں گی میں نے

عرصہ کیا ان کو فرمایا ہاں اور مجھے ان کے

قتل کی سرخ ریت بھی لا کر دی ہے

راوی ہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی الجلیہ محترمہ اور فاطمہ زہرا علیہما السلام صحابیہ ہیں صاحب مشکوٰۃ نے "اسلام" رجال مشکوٰۃ میں لکھا

ہے کہ حضرت ام الزین عبد الجبار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بعد یہ مشرف اسلام ہو گئی تھیں

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

روایت ہے کہ میں نے ایک روز وہ پہر کے

وقت خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اس حالت میں دیکھا کہ بال بھرے ہوئے ہیں

چہرہ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے

دست مبارک میں ایک شیشہ کی بوتل ہے

جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا

میرے ابا آپ پر خدا ہوں یا یہ کیا

حالت ہے؟ یہ بوتل کیسی ہے فرمایا

یہ حسین اور ان کے نفعیہ خون سے جس کو آج

دن بکے سے بیٹ رہا ہوں ابھی وہاں سے نہیں

ہے کہ اس دن تو تک میں حجاب خانا ہوں اور

رَوَّعَن ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِي مَابِئِى النَّاسِمِ ذَاتَ يَوْمٍ

بَنَاصِفِ النَّهَارِ اشْتَأْغَبُ

بَيْدَ قَارُورَةٍ نِيهَا دَمٌ فَقُلْتُ

يَا بِي أَنْتَ زَاغِي مَا هَذَا؟

قَالَ هَذَا دَمُ الْحَيِّينِ وَاصْحَابِهِ

وَلَمْ أَزَلْ التَّقْلَهُ مِنْ ذَلِكَ يَوْمٍ

فَإِذَا هِيَ ذَلِكَ الْوَقْتُ فَتَاجِدُ

قَتْلَ ذَلِكَ الْوَقْتُ رَا هُمَا

الْبَيْتُ فِي رَأْسِ النَّبُوَّةِ وَاحِدُ

(۱) خیر مشکوٰۃ ص ۵۲ ج ۲

یہ وہی رقت تھا جس رقت ال کو شہید کیا تھا
 ام الفضل اور ابن عباس دونوں کی رایتوں
 کو بقیہ نے رائل النبوة میں روایت کیا ہے
 اور امام احمد نے اپنی سند میں اخیر کی روایت
 نقل کی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان
 کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ
 کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا وہ
 رو رہی تھیں میں نے عرض کیا آپ کیوں
 روتی ہیں۔ فرمائی لگیں میں نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت
 میں دیکھا ہے کہ آپ کی ریش اور سر مبارک
 پر خاک پڑی ہوئی تھی میں نے عرض کیا
 یا رسول اللہ آپ کو کیا ہو گیا فرمایا ابھی
 ابھی حسین کو قتل ہوتے دیکھا ہے اس
 روایت کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں
 نقل کیا ہے۔

وعن سلمی قالت دخلت علی
 ام سلمة وهي تبكي فقلت ما
 يبكيك؟ قالت رأيت رسول
 الله صلى الله عليه وسلم
 تغفو في المنام وعلي رأسه
 ولحيته اتراب، فقلت
 مالك يا رسول الله؟
 قال شهدت قتل الحسين
 أنفا۔ رواه الترمذي
 قال هذا حديث عزيز
 مشكوة ج ۲ ص ۵۷۰۔

اب غور فرمائیں کہ احادیث کیا بتاتی ہیں مگر یہ ناہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
 شہادت پر خوش اور سرور ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز و طعن
 اور ان کا استغناء انسان کا شیوہ ہے۔

شہادتِ حسینؑ کے بارے میں ابن تیمیہ کا بیان

حافظ ابن تیمیہ نے خوب

لکھا ہے کہ

وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَكْرَمَهُ
اللَّهُ تَعَالَى بِالشَّهَادَةِ فِي هَذَا
الْيَوْمِ وَاهَانُ بِذَلِكَ مِنْ
قَتْلِهِ أَوْ إِعَانِ عَلَى قَتْلِهِ أَوْ
رَضِيَ بِقَتْلِهِ وَكَانَ اسْوَدَّ
حَسَنَةٍ مِنْ سَبْقِهِ مِنَ الشَّهَادَةِ
كَانَهُ وَالْأَخُوَّةِ سَيِّدِ الشَّبَابِ
أَهْلُ الْجَنَّةِ وَكَانَ قَدْ تَرَبَّيَا
فِي عِزِّ الْإِسْلَامِ لَمْ يَنَالَا مِنَ
الْهَجْرَةِ وَالْجَهَادِ الصِّبْغَ
الَّذِي فِيهِ اللَّهُ مَا نَالَهُ أَهْلُ
بَيْتِهِ فَذَكَرَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى
بِالشَّهَادَةِ تَكْمِيلاً لِمَا مَتَّعَهُمْ
وَرَفْعاً لِدَرَجَتِهِمْ وَقَتْلَهُ مَكْرِبَةٌ
عَظِيمَةٌ -

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۵۱۱)
مطبوعہ: ریاض الفکر (۱۳۸۱ھ)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق
تعالیٰ نے اس دن شہادت سے سزا دیکر
فرمایا اور اس لیے جس نے بھی ان کو قتل
کیا یا ان کے قتل میں اعانت کی یا ان کے
قتل سے راضی ہوا اس کی امانت فرمائی
حضرت تو اگلے شہدا کا اچھا نمونہ تھے
کیونکہ بلاشبہ حضرت حسین اور ان کے بھائی
حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں
جو امان جنت کے سرشار ہیں ان دونوں
حضرات کی شہادت چنانچہ کہ اس عہد میں
ہوئی تھی جبکہ اسلام کا غلبہ تھا اس لیے
درمے بزرگان اہل بیت کی طرح ان
دونوں کو ہجرت بہار اور راہ خدا میں
ازیت پر سیر کا وہ موقع نہ مل سکا جو ان حضرات
کی ملا تھا لہذا حق تعالیٰ نے ان دونوں
حضرات کی شہادت پر فائز نہ کر کے سزا
فرمایا تاکہ ان کے اعزاز و تکریم کی کیل ہو اور
ان کے درجہ بلند ہو جائیں حضرت حسین

کی شہادت بڑی عظیم مصیبت ہے۔

حضرت حسین سے حضور علیہ السلام کا محبت کرنا اور خلفاء ثلاثہ کا ان کا احترام کرنا

یہ نامی حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا
قدر کر سکتے ہیں ان کی

قدر تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے کوئی پوچھے جانے والی کثیر ہے۔

البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں۔

وقد ادرك الحسين من حياة النبي

صلى الله عليه وسلم خمس سنين

او نحوها روى عنه احاديث

..... وسند كثر

ما كان رسول الله صلى الله عليه

وسلم يكره مصابرة ما كان

يذهبو محبتهم والمحبو عليهم

والمقصود ان الحسين عاش ورسول

الله صلى الله عليه وسلم وصحبه

الى ان توفى وهو عند راض ولكن

كان صغيراً ثم كان الصديق

مكرماً وليظلمه وكذا الذي

عمر و عثمان وصحب اباكاردة

عنه وكان معاً في مغازيه

كان في غزوة بدر وبنين وكان

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت

صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پانچ

سال یا اس کے لگ بھگ پانچ اور آپ

سے حدیثیں روایت کیں اور ہم غرض

ذکر کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ان دونوں بھائیوں کی کسی طرح غرض

افضل فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں کے

باسے میں کسی قدر محبت و شفقت کا اظہار

فرماتے تھے اور مقصود تو یہ بتانا ہے کہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا تھا اور نہ اس

بنوئی تک آپ کی صحبت اٹھائی تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس

جہان نانی سے جلت نرالی تو اس وقت

ایک طرف تھے اور دوسری طرف تھے

بچپن میں تھے اور بچپن میں تھے

مَعْلَمًا مَوْقِرًا وَلَمْ يَزَلْ فِي
طَاعَةِ أَبِيهِ حَتَّى قَتَلَ

(۸۳۰ ص ۱۵۰)

صدیق اکبرؓ اور اس طرح حضرت عمرؓ
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی
ان کا اکرام و تعظیم فرماتے رہے حضرت
حسینؓ برابر اپنے والد نبیؐ گوار کے ساتھ
رہے ان سے حدیثیں بھی روایت کیں اور تمام
عزرات حیدریہ میں جن میں جملہ مصنفین
بھی شامل ہیں حضرت علیؓ کے ساتھ
جہاں میں خسر کیا ہے وہیں یہ ہر زمانے میں
منظم و موقر تھے اور برابر اپنے والدؐ
کی اطاعت میں سرگرم رہے تا آنکہ شہر
علی گرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی۔

اس لئے یزید کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں وقت و ساحل
گناخی و خیر بخشی ہے۔ اور اپنے ایمان کو برابر کرنا ہے اللہ تعالیٰ اہل سنت کو اس
نکتہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

یاد رہے یزید کی مذمت میں بہتر حدیثیں وارد ہیں لہٰذا میں صراحت کے
ساتھ اس کا نام لیکر مذمت آئی ہے اور بعض میں اس کے عہدِ خلافت میں کسی شاعر ہی
کی گئی ہے اور بعض میں اس کی حرکات تشنیم پر نکیر ہے اور بعض میں اس کے افعال تبہ
پر لعنت کی تصریح ہے ان میں سے بعض حدیثوں کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے۔ ان
احادیث کی تفصیل ہم ان شاء اللہ مستقل رسالہ میں نام نہ کریں گے واللہ الموفق
اور یہ جو مستفتی نے لکھا ہے کہ اسی

استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی
تائید میں ۳۱ محرم ۱۳۱۵ھ میں

مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف

فتویٰ کا انتساب شکوک ہے

دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی ماتحتی میں دیا جا چکا ہے
کیا یہ صحیح ہے۔

تر الحمد للہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا دارالعلوم بھی موجود ہے اور دہلی
کا دارالافتاء بھی دہلی سے ریاست کیا جاسکتا ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان باوجود
مذکورہ کی تائید و تصدیق حضرت مفتی صاحب مرحوم کے قلم سے ہرگز نہیں ہو سکتی
حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ شہید کر لیا کہیں چھپا نہیں چھپا
ہذا موجود ہے پڑھ کر دیکھ لیجئے اس رسالہ کے مطالعہ سے ان سوالات کی تردید ہوتی
ہے یا تائید؟

یہ حال مفتی صاحب کا انتساب
علماء دیوبند کی طرف ہے وہ دہلی
تلمذاً شریفاً مسلکاً دیوبندی ہی

مرزید کے بارے میں مفتی صاحب
کے اکابر کی تصریحات

ان اکابر علماء دیوبند جن حضرات علماء کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتے ہیں۔
ان میں شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ان کے خلفاء
شاہ عبد العزیز صاحب محدث کی تصریحات مرید کے بارے میں ان اوراق میں ناظرین کی
ال نظر سے گزر چکی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث
دہلوی کے ماسوا اور شاہ ولی اللہ اور شاہ
عبد العزیز کے اکابر ہیں۔ مرید کے بارے

لعزیز کے بارے میں
محدث الف ثانی کی تصریحات

ہاں ان کے مکتوبات شریف میں جو کچھ مرقوم ہے وہ یہ ہے۔

مرید بد نصیب ناسقون کے گروہ میں
شامل ہے اس پر لعنت کرنے میں توقف

یہ میرے لئے دولت از زمرہ فتنہ است
تہ نفس در لعنت اور بنا بر اصل مقرر

اہل سنت است کہ شخص معین را اگر چہ
کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ
بیقین معلوم کنند کہ ختم او بر کفر لوہہ کاہی
لب لباب الجنہی را مقرر نہ آنکہ ارشایان
لعنت نیت ان الذین یؤذون
اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی
الدنیاء لاخرۃ دفتراول
مکتوب ۲۵۱ حصہ چہارم
ص ۶۰ طبع مطبع محمدی امرتسر
(۱۳۲۹ھ)

اہل سنت کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ
کس شخص معین پر اگر چہ وہ کافر ہی کیوں
نہ ہو لعنت تجویز نہیں کیا کرتے البتہ کہ
بالیقین یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ
کفر پر ہو رہا ہے جیسا کہ ابوہریرہ جنہیں اور
اس کی بیوی تھی یزید پر لعنت کرنے سے
ترتف کا مطلب یہ نہیں کہ رہے تھے لعنت
انہیں ارشاد باری ہے کہ بے شک جو لوگ
اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں ان
پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور
آخرت میں بھی۔

مکتوبات کے ایک روحِ نغمے میں از زمرہ فقہ کی بجائے "از سرورہ فقہ" کے
الفاظ ہیں جس کے معنی ہوتے یزید سرکش فاسقوں میں سے ہے اور اسکی مکتوب میں سائل
کے اس جواب میں کہ

اگر استحقاق لعنت است (الخ)

(ص ۸۰)

فرماتے ہیں۔

اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی
جائی تو اس کی گنجائش تھی۔

اگر اس شخص در باب یزیدی گفت گنجائش
داشت

از دفتراول کے مکتوب ۲۶۶ میں فرماتے ہیں۔

ابن منکر قبرین یزیدیہ دولت
یہ نصیحت شیخین کا منکر یزید بدلیغ کا

است کہ بواسطہ اقیاط در لعن اور توقف
 کردہ اندر ایذا یکہ بحضرت پیغمبر از
 راہ ایذا خلفائے راشدین اور سرمد در
 رنگ اندلئے است کہ از راہ ایذائے
 الامین بارزید علیہ علیہم الصلوٰۃ و
 التسلیمات (ج۳ چہارم ص ۱۳۰)

ماکھی ہے کہ اقیاط کے خیال سے اس پر
 لعنت کرنے سے رکھتے ہیں حضرت پیغمبر
 کو جو ایذا آپ کے خلفائے راشدین کی ایذا
 رسانی کے سبب برآتی ہے وہ اسی رنگ
 کی ایذا ہے کہ جو حضرات الامین حسین
 کی ایذا رسانی کی بنا پر آپ کو ہوتی ہے
 علیہ علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات

اور علامہ سحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمہ
 نواتج الرحمت شرح مسلم الثبوت میں ارقام
 فرماتے ہیں۔

بحر العلوم کی تصدیق یزید کے بارے میں

یزید ابنہ مع اللہ کان
 من اجنب الفساق و کان بعیدا
 بمراحل من الامامة بل الشک
 فی ایمانه خذله اللہ تعالیٰ
 والصیغۃ التي صنعها مدریفة
 من انواع الخبائث (ج ۲ - ص ۲۲۳
 طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اور ان کا بیٹا یزید اگرچہ ناسقوں میں بڑا
 اجنب تھا اور منصب خلافت سے بے مواصل
 (کوسر) دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان
 میں بھی شک ہے اللہ تعالیٰ اس کا بھلا
 نہ کرے اور جو طرح طرح کی جنیت حرکتیں
 اس نے کی ہیں سب جانی پہچانی ہیں

اور حضرت یزید صاحب شہید بریلویؒ اپنے "مکتوبات" میں فرماتے ہیں

رفیق من از جزو حسین بن علی است و
 رفیق مخالف من از زمرہ یزید شقی

میرا رفیق حضرت حسین بن علیؑ کی سپاہ
 میں داخل ہے اور میرے مخالف کا رفیق

یزید شقی کے زمرہ میں

اور پھر گے چل کر لکھتے ہیں۔

بما شہد ہمارا شریک یا غازی کہ ہے یا شہید

بلاریب شریک یا غازی است یا شہید

اور ہمارا مقابل ابو جہل ہے یا یزید

و مقابل یا ان ابو جہل است یا یزید

ورق ۱۵۱

ہندستان کے اکابر علماء جب یزید کا نام لیتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ لپیٹ کا لفظ

بڑھا دیتے ہیں۔ یا یوں لکھتے ہیں۔ یزید علیہ ماہر المہ تیسیر القاری ج ۶ ص: ۲۹۹ یا

یزید علیہ المستحقہ (تیسیر القاری ج ۲ ص ۱۵۶) اور یزید بن معاویہ علیہ من اللہ المستحقہ

رحمہ اللہ (سارہ قرآنی یزید کے لیے رحمت اللہ علیہ کی بجائے یوں لکھا کرتے ہیں۔ کہ یزید جس

مسئلہ کا مستحق ہے اس کے ساتھ رہی معاملہ ہو۔

اور مولانا مفتی محمد شفیع عذاب مرحوم کے مرشد اور شیخ مولانا اشرف علی تھانوی کے

فتاویٰ یزید کے بارے میں امداد الفتاویٰ میں طبع شدہ موجود ہیں ان کو دیکھ لیا

جائے وہ یزید کو فاسق ہی بتاتے ہیں۔

مطبوعہ استفقار جو "بشارت مغفرت کے

امین حضرت یزید بن معاویہ سے متعلق ایک

غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح

اہم استفقار اور اس کا جواب" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مفتی محمد شفیع صاحب

مرحوم کے فتویٰ کے بعد غیر مقلدین کے دو مفتیوں کا فتویٰ بھی یزید کے بارے

میں ان الفاظ میں درج ہے۔

انہ ان دونوں حوالوں کے بارے میں ہم مولانا سید نعل شاہ بخاری عم فیضہم کے ممنون ہیں۔

لکھ ملاحظہ ہوا امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۲۵۵

”الجواب۔ امیر مزید علیہ الرحمۃ کے متعلق علاوہ تاریخی حوالجات کے صحیح بخاری کی حدیث مذکور در سوال میں طور پر مزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفور فرمائیں اور ہم مزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس میں کفر کی وجہ نہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیشگوئی میں اس کو مغفور فرمائیں یہ کافر فاسق و فاجر کہنے والا خود اس کا مستحق بن رہا ہے۔ ایسے خیالات و نظریات بابت مزید علیہ الرحمۃ رکھنے والے کے پیچھے نماز کی سمانت کہاں؟ واللہ اعلم بالصواب“

مفتیان بالاکلے صحیح ہے

ابو الفضل عبدالحمنان

۶۳۱/۶۵

مولانا

محمد یوسف خاں

مفتی پاکستان کراچی

کلکتہ والے

نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ مزید کے بارے میں

”صحیح بخاری“ کی حدیث

پر تو تفصیلی بحث گزر چکی، اور ان دونوں مفتیوں کا غیر مقلدین میں جو مقام ہے وہ جائیں، ہندوستان میں نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے بڑھ کر اہل حدیث میں کوئی کثیر التصانیف نہیں گزرا۔ ان کا جو فیصلہ مزید کے بارے میں ہے وہ ہم اُن کی کتاب ”بغیۃ المرائد فی شرح العقائد“ سے جو ”عقائد نسفیہ“ کی شرح ہے پیش کئے دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس کتاب کا تعلق علم عقائد سے اس لئے اہل حدیث حضرات کو مزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہئے

نواب صاحب اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

و بعضے براہ غلو و افراط در شان
وے روئد و گویند امارت از اتفاق
مسلمانان شد و طاعت وے بر
امام حسین رضی اللہ عنہ واجب بود،
و بجا پناہ ازین قول و اعتقاد کہ
وے با وجود امام حسین امام و
امیر شود، و اتفاق مسلمانان
کجا است، جمعے از صحابہ اولاد
ایشان کہ در زمان آل پلیدہ
بودند انکارش کردند و از طاعت
او بیرون رفتند۔ و بعضے از
اہل مدینہ بعد دریافت حال خلع
بیعت کردند،

اور بعض لوگ برید کے بارے میں غلو و افراط
کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کے تو مسلمانوں
نے بالاتفاق امیر بنایا تھا ہذا اس کی اطا امام
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی۔ اس بات کے
زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ
کی پناہ کہ وہ امام حسین کے ہوتے ہوئے امام اور امیر ہو اور
مسلمانوں کا اتفاق کیسا۔ صحابہ کی ایک جماعت اور
ان کی اولاد کہ جو اس پلید کے زمانہ میں تھی ان
سب نے اس کا انکار کیا اور اس کی اطاعت سے
باہر ہو گئے۔ اور اہل مدینہ کے بعض حضرات
کو جب اس کے حال کا پتہ چلا
تو انہوں نے اس کی بیعت
توڑ ڈالی۔

وے تارک صلوٰۃ و شارب
خمر و زانی و فاسق و مستحل محارم بود
و بعضے بروے اطلاق لعن کردہ
مثل امام احمد و امثال ایشان
و ابن جوزی لعن وے از سلف
نقل نموده نہ یہ کہ وے وقت
امیر قتل حسین کا فرزند وے کہ قتل

اور وہ تو تارک صلوٰۃ، شارب خمر،
زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا
تھا۔ اور بعض علما جیسے کہ امام احمد اور
ان جیسے دوسرے بزرگ ہیں اس پر لعنت کو رد کرتے ہیں
حافظ ابن جوزی نے سلف کے اس پر لعنت کرنے کو نقل
کیا، کیونکہ جس وقت اسے حضرت حسین کے قتل کا حکم دیا
وہ کافر ہو گیا اور جس نے بھی حضرت محمدؐ کو قتل کیا

وے کر دیا اور بدان نمود بر جواز
لعن وے اتفاق کردہ اند تقاضائی
گفتہ حق آنست کہ رضائے بقتل
حسین و استیشار وے بدان و
اہانت نمودن اہل بیت متواتر
المعنی است اگرچہ تفصیلش احاد
باشد فمن لا ینتوقف فی شانہ
بل فی ایمانہ لعنہ اللہ علیہ
و علی انصارہ و اعدائہ انتھی
و بالجملہ وے مخصوص ترین مردم
است نزد اکثر مردم دکاہائے
کہ آن بے سعادت درین امت
کردہ از دست بیج کس ہرگز
نیاید۔

بعد قتل امام حسین لشکر

بتخریب مدینہ منورہ فرستاد و
بقیہ صحابہ و تابعین را امر بتسل
کرد و بالکمال و حریم مکہ و قتل عبداللہ
بن الزبیر پر پرداخت و ہم دریں
حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ
دیگر احمالی توبہ و رجوع او کجا

یا آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر
اتفاق ہے۔ علامہ تقاضائی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے
کہ قتل حسین پر مدینہ یثرب کی رضا مندی اور اس پر اس کا
خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا یہ متواتر
المعنی ہے گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار احاد
سے ہو لہذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان
کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے۔ اللہ
تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس بار میں اس کے
اعوان و انصار پر بھی۔ (تقاضائی کا کلام یہاں ختم ہو گیا)
بہر حال وہ اکثر لوگوں کے نزدیک نسائوں میں
سب سے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو جویرے
کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے
ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہو سکتے۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے بعد اس نے
مدینہ منورہ کی تخریب کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ و تابعین
وہاں باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر
حرم مکہ کی عزت کو پامال کرتے اور حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل کرنے کے درپے
ہو گیا۔ اور اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا
سے چل بسا اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا

است رص ۶ طبع مطبع علوی لکھنؤ احتمال ہی کہاں رہا۔

مشتمل ہے

علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں

اور علامہ صالح بن مہدی مقبلی کو کبانی نزیل کہ جن کے مجتہد ہونے کی قاضی شوکانی نے "البدرا الطالع" میں تصریح کی ہے اپنی کتاب "العلم الشائع فی تفضیل الحق علی الآبار والمشاخ" میں رقمطراز ہیں۔

و اعجب من ذلك من
يحسن ليريد المريد الذي
فعل بخيار الامة ما فعل
وهذا مد ينة الرسول
صلى الله عليه وآله وسلم
وكتل الحسين السبط و
اهل بيته و هتكهم و فعل
مالواستمكن من مثل فعله
عددهم من المضاري و بما
كان ارفق منه
اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے کہ جو یزید
مرید کو اپنے بتا کر پیش کرتا ہے۔ (یہ یزید وہی ہے)
جس نے بزرگان امت کے ساتھ ناگفتہ بہ معاملہ
کیا مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو خفاک
میں ملایا، سبط پیمر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور ان کے اہل بیت کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی
کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام
نصاری کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی
ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم
ہی ہوتا۔

اور یزید کو اچھا بتا کر پیش کرنے والوں میں حجۃ
الاسلام غزالی بھی ہیں۔ لیکن وہ اپنی تمام کارگزاریوں
میں عاظم اللیل رات کے اندھیرے میں
ومن جملة المحسنين له
حجة الاسلام الغزالي ولكنه
في تصرفاته كلها عاظم

۱۔ مطبوعہ نسخہ میں المرید کے بجائے المرتد ہے۔ ۲۔ "مرید" کے معنی سرکش کے ہیں۔

لیل یجمع فی خطبہ الحیة
والعقرب ولا
یباری۔

وما یہون صنع یزید
الا مخذول اور کتہ
الشقاوۃ فی مشارکتہ
بطوامہ المردیات فیاک
والتفریط والا فراط
ولکن الصبر عنہما کالقیض
علی الجور سیما مع تو اکوا الجہل
کزمستنا ہذا نسأل اللہ
العافیۃ والسلامۃ آمین

ومن غریب الفقہ ما ذکرہ
ابن حجر الہیتمی فی صواعق
أنہ لا یجوز لعن یزید وان
کان یجوز بالاجماع لعن من
شرب الخمر ومن قطع الاہرام
ومن هتک مدینۃ الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم ومن قتل
الحسین ادامہ ربہ اللہ اور رضی
بقتلہ۔ قال دامایزید

لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہیں کہ جو اپنی
لکڑیوں میں سانپ کچھو بھی جمع کر لیتا ہے اور
اسے کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اور یزید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو
توفیق الہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے
گھیر لیا ہو اس طرح وہ بھی اس کے ہلکے قوتوں
میں اس کا شریک بن گیا۔ لہذا تمہیں تفریط و افرام
سے بچنا چاہیے۔ لیکن اس سلسلہ میں صبر سے کام لینا
ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا۔ خصوصاً
جبکہ جہالت امڈی چلی آتی ہو جیسا کہ ہمارے
زمانہ میں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت سداً
کے خواہاں ہیں۔ آمین

اور فقہ کا نزاع مسئلہ جس کو ابن حجر ہیتمی نے
اپنی کتاب "صواعق محرقة" میں بیان کیا ہے
یہ ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگرچہ
بالجماع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو
مسخوڑ ہو اور جو قطع رحمی کا مرتکب ہو اور جو
مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو پا مار
کرے۔ اور جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو
قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل
سے راضی ہو فرماتے ہیں لیکن خود یزید پر لعنت

بعینہ فلا دان کان قد فعل ہذا
 الاشیاء فهو قاسی قطعاً ونجد
 فی فقہہم نحو کلامہ اعنی انہ کا
 يجوز من البعین لہی کلیۃ فیقال
 لہو قیاس الدلالۃ علی فقہکم
 ہذا ان لا یجد شارب الخمر
 البعین والزانی المعین الی غیر
 ذلک فی جمیع احکام الشریعۃ لان
 الطریقۃ واحده فطرح
 ابصاراً منطقکم لان ہذا مشک
 الاول الضروری مخالفتموہ فاقی
 برہان یقام بعدہ و صورتہ :
 ہذا ایضاً شارب
 الخمر و شارب الخمر
 ملعون ہذا ایضاً
 ملعون

کر سکتے اگرچہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا
 اور وہ قطعاً قاسی تھا اور جیسا کہ ان کا بیان ہے
 ایسا ہی ہم ان کی فقہ میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر
 لعنت کو تاروا نہیں یہ ان کا کلیہ ہے۔ تو ان کی حد
 میں عرض ہے کہ تہاری اس فقہ میں تو قیاس الدلائل
 کی بنا پر یوں ہونا چاہیے تھا کہ نہ کسی معین شرابخو
 پر لعنت لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر اور اسی
 طرح اور سارے احکام شرعیہ میں بھی یہی ہونا چاہیے
 تھا۔ کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے۔

اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑ گئی
 کیونکہ تم تو منطق کی اس شکل لوں کی جھو جو یہی لائق
 ہے مخالفت کر رہے ہو۔ لہذا اب تم بداد کو کسی دلیل
 تمہارے سامنے بھیج سکتے ہو۔ کیونکہ قیاس کی شکل لوں
 کی صورت یہ ہے (۱) یہ ہے کہ جس نے شراب پی ہے
 اور (۲) شراب کا پینے والا ملعون ہے۔ (۳) لہذا یہ
 یزید ملعون ہے۔

ہاں اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس نے
 بچنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد
 گرامی ہے "مومن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا"
 تو بیشک اس صورت میں اس فقہ کی کھانسی اس سے
 بچنے کی جائز ہوتی، واللہ اعلم

ولو قالوا ینبغی تحامی ذلک
 من باب قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم "لیس المؤمن باللعن" لکن
 فیہ مند و حجت المستقین واللہ اعلم
 ر ص ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

اب لو اب صلیٰ حسن خاں اور علامہ مقبلی کے مقابلہ میں ان دونوں نام ہناد غیر معروف مفتیوں کے فتویٰ کی جو وقعت ہو سکتی ہے نظر آ رہا ہے۔

یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث | اور صحیح بخاری کی اس حدیث کے بارے میں جو استدلالتار میں مذکور ہے ان غیر مستند مفتیوں کا یہ کہنا کہ

”حدیث مذکور در سوال بین طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے، پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں؟“
اور پھر کمر اس بات پر زور دینا اور یہ کہے جانا کہ
”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پیش گوئی میں اس کو مغفور فرمائیں۔“

اور اسی طرح مولوی محمد صابر نامک مفتی کا یہ لکھنا کہ

”امیر یزید... از روئے حدیث بخاری شریف مغفور یحییٰ میں داخل ہیں۔“

محسن غلام ہے۔ اگر یہ لوگ خود تحقیق کرتے یا محققین اہل علم سے دریافت کرتے تو ہرگز ایسی شریعتی فی میں مبتلا نہ ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا تحقیق ایک غلط بات کو منسوب کرنے کا گستاہ اپنے سر نہ لیتے۔

غور فرمائیے ”صحیح بخاری“ کی جو حدیث استفتاء میں درج ہے اس کے الفاظ میں
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادلی میری امت کا پہلا لشکر جو شہر یمہ پر جنگ جیش من (متمنی) بغداد میں بینہ قیصر کرے گا اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔
مغفور لہودہ

اس کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں تفہیل سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ

یزید کی نیت جہاد کی تھی ہی نہیں وہ تو زبردستی باپ کے دباؤ کی وجہ سے غازیان
روم میں شامل ہو گیا تھا ورنہ اسے جہاد کفار سے کیا سروکار۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے
ہیں کہ یزید نے جیسے ہی تخت حکومت پر قدم رکھا اپنی پہلی ہی تقریر میں بحری اور

سرمائی جہاد کی معطلی کا اعلان کیا۔

یزید کا جزیرہ رودس اور جزیرہ
ارواد سے مجاہدین کو واپس بلا لینا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت
میں ۳۳ھ میں جزیرہ رودس فتح ہوا اور

وہاں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی قائم کر دی گئی۔ اس چھاؤنی کی وجہ سے بحر روم میں
عیسائی فوجوں کی نقل و حرکت خطرہ میں پڑ گئی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ان مجاہدین اسلام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہر وقت ان کی مدد پر کمر بستہ رہتے تھے
مگر ان کے نالائق بیٹے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان مجاہدین کو اس جزیرہ سے
منتقلی کے فوری احکام بھیجے آخر وہ بیچارے پیچھے سے رستہ اور ملک کے منقطع ہو جانے
کے ڈر سے شاہی حکم کے مطابق رودس کو خالی کر کے اپنی زمین جاگداد، کھیت
اور باغات کو خیر باد کہہ کر بادل ناخواستہ وہاں سے چلے آئے اور یوں بغیر لڑے
بھڑے مفت میں یہ مسلمانوں کا مقصودہ جزیرہ نصاریٰ کے ہاتھ آ گیا۔

اسی طرح ۳۵ھ بحری میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ "ارواد" فتح
کیا تھا وہاں بھی مسلمان سات سال تک قابض رہے مگر یزید کو وہاں بھی مسلمانوں کا
قبضہ ایک آنکھ نہ بھایا اور اپنے دور حکومت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کو وہاں
سے واپسی کا حکم دے کر بلوالیا۔

ظاہر ہے کہ جب یزید نے بحری جنگ بند کر دی تھی تو وہ ان دونوں جزیروں پر

لے ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر بسلسلہ واقعات و حوادث ۳۵ھ بحری۔

۳۵ھ تاریخ طبری بضمن واقعات ۳۵ھ بحری۔

اپنا قبضہ کیسے برقرار رکھ سکتا تھا۔

اس امر پر بھی بحث ہو چکی ہے کہ اس حدیث میں مغفرت سے "مغفرت عام" مراد نہیں ہے۔ کہ سارے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا پروانہ مل گیا ہو، بلکہ تمام اعمال صالحہ میں جہاں مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں بالاتفاق سابقہ سابقہ گناہوں کی مغفرت مراد ہوتی ہے اور وہ بھی عام طور پر صغائر کی مغفرت، کبائر کے لئے تو بہ کی قسرت ہے۔ بغیر تو بہ کے معافی لازمی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت پر معاملہ موقوف رہتا ہے کہ وہ رب کریم چاہے تو اپنے فضل سے معاف کر دے اور چاہے تو ازراہ عدل اس گناہ کی پاداش میں عذاب فرمائے۔

"مدینہ قیصر" سے کیا مراد ہے | اس حدیث میں "مدینہ قیصر" کے جو الفاظ ہیں وہ بھی غور طلب ہیں۔ "مدینہ قیصر" یعنی شہر قیصر کی تعیین کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ اس شہر سے کونسا شہر مراد ہے۔ اس لئے اس کی تعیین میں تین شہروں کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(۱) "مدینہ قیصر" سے مراد وہ شہر ہے جہاں قیصر اس وقت مقیم تھا جبکہ زبان رسالت سے یہ الفاظ آواہور ہوئے تھے۔ یعنی "حصص" جو کہ شام کا مشہور شہر ہے۔ اور جو یزید کی پیدائش سے بہت پہلے سلسلہ ہجری میں عہد رساروقی ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ چنانچہ سابق میں گزر چکا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث میں "مدینہ قیصر" سے "حصص" ہی کو مراد لیا ہے۔

(۲) شہر "رومہ" جو قدیم زمانہ سے قیصرہ روم کا دارالسلطنت پہلا آ رہا تھا۔ "رومہ" پر بھی اگرچہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں لیکن یہ حملہ یزید کی حیات میں نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کے مرنے کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

(۳) شہر "قسطنطنیہ" جو قسطنطین اعظم کا پایہ تخت تھا۔

حدیث "مدینہ قیصر" کا مرصاد سلطان محمد فاتح | اب اگر "مدینہ قیصر" کو

قسطنطنینیہ کی قرارداد دیکھئے پراصرار ہے تو انصاف یہ ہے کہ اس بشارت نبوی کا مصداق
 یہ مزید چارہ نہیں بلکہ سلطان محمد فاتح قسطنطنینیہ علیہ الرحمۃ اور ان کی فوج ظفر موج ب نہاں
 وہ بجا ہندین اسلام ہیں جن کی شمشیر خوار اشکانات نے عیسائیت کے اس مرکز کو فتح کر کے
 اس کو قلمرو اسلامی میں داخل کیا۔ اور پھر وہ "بغداد" کے بعد صدیوں تک مسلمانوں
 کا دار الخلافت رہا تا آنکہ مصطفیٰ کمالی نے اپنی صلاحت سے خلافت ہی کے سلسلہ کو
 ختم کر کے اس خلافت کو دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور یک جہتی کا
 شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا اور اب شاید امام مہدی کے آنے پر ہی خلافت کا دوبارہ
 قیام عمل میں آئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن احادیث میں کسی غزوہ پر بشارت آتی ہے اس میں
 عام طور پر فتح و کامرانی ہی مراد ہوتی ہے اس لئے اس حدیث کے صحیح مصداق
 اگر "مدینہ قیصر" سے "قسطنطنینیہ" ہی مراد لیا جائے تو فاسخین "قسطنطنینیہ" ہی
 ہو سکتے ہیں۔ بھلا یہ اس بشارت کا مصداق کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ وہ تو
 قریش کے ان مشریر النفس لوٹوں میں سرفہرست ہے جن کے متعلق زبان رسالت
 سے پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ امت کی تباہی ان کے ہاتھوں ہوتی ہے۔

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ
 یزید قسطنطنینیہ کی پہلی مہم | حدیث میں اول جیش من استی (میری امت کا
 میں شریک نہ تھا

پہلا لشکر) کے الفاظ آئے ہیں اور یزید کے زیرِ کمان جو لشکر "قسطنطنینیہ" کی طرف
 روانہ ہوا تھا وہ "قسطنطنینیہ" پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً تھا۔ بلکہ اس
 سے بہت پہلے اسلامی لشکر "قسطنطنینیہ" پر جا کر جبا و کر چکے تھے۔ مگر یہ کس سنہ
 میں "قسطنطنینیہ" پر حملہ آور ہوا اس کے بارے میں اگرچہ مورخین کے بیانات مختلف
 ہیں لیکن سیکڑھجری سے پہلے کوئی مؤرخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا۔ "تیسویں صدی کے

شیخ التاریخ محمود احمد عباسی کا بھی "خلافتِ معارف و یرید" میں یہی بیان ہے۔
وہ لکھتے ہیں۔

"سلسلہ" میں حضرت معاویہؓ کے جہادِ قسطنطنیہ کے لئے بڑی اور بھری حملوں کا انتظام کیا۔ ہماری فوج میں شامی عرب تھے، خصوصاً بنو کلب جو امیرِ یرید کا نائبینا لی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ بخاری، قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا۔ جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیرِ یرید تھے یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارتِ مغفرت دی تھی" (ص ۳۷، طبع چہارم)

اگرچہ خود بدلت نے بھی اسی کتاب میں (ص ۷۹ پر) امیر شکیب ارسلان کی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کی تعلیقات سے بحوالہ "طبقات ابن سعد" اس غزوہ کی تاریخ ۵۲ھ ہجری ہی نقل کی ہے۔ بہر حال سلسلہ سے پہلا قسطنطنیہ کی کسی مہم میں یرید کی شرکت ثابت نہیں ہے۔

اور کتبِ حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سلسلہ ہجری سے بہت پہلے غازیانِ اسلام قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۰۵ھ میں مذکور ہے۔

حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا
ابن وهب عن حمزة بن شليم وابن طهفة
عن يزيد بن الحبيب عن اسمعيل
عموان قال غزو لنا من ايام يزيد
اسلم ابی عمران کا بیان ہے کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت امیر جیش حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ (دہلی فوج شہرستان)

القسطنطينية وعلى الجماعة

عبد الرحمن بن خالد بن الوليد

والروم ملصقوا ظهورهم بحائط

المدينة فحمل رجل على العدو

فقال الناس ممة لا اله الا

الله يلتقي بيديه الى التهلكة

نقال ابو ايوب انما انزلت

هذه الآية فينا معاشر

الانصار لما نصر الله نبيه

صلى الله عليه وسلم واظهر

الاسلام قلنا هلم نقيم في

اموالنا ونصلحها فانزل الله

عز وجل وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ

الله وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى

التَّهْلُكَةِ فَلَا لِقَاءَ بَائِدِينَا

إِلَى التَّهْلُكَةِ إِنْ نَقِمَ فِي

اموالنا ونصلحها وندع الجهاد

قلل ابو عمران قلما يزل

ابو ايوب يجاهد في سبيل الله

عز وجل حتى دفع بالقسطنطينية

باب في قوله عز وجل وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

پشت دگلے مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھی۔ اسی اشارہ میں

مسلمانوں کی صف میں سے نکل کر ایک شخص نے دشمن

رک فوج پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے ”رکوز کو لا الہ الا اللہ“

یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال

رہا ہے“ یہ سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے

میں اتوری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اسلام

غلبہ نصیب فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں بکھر

اپنے اموال کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ

دینا چاہیے۔ اس پر اللہ عز وجل نے یہ آیت شریفہ نازل

فرمائی وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ الله لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى

التَّهْلُكَةِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

لہذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا تو جہاد کو چھوڑ کر

ہمارا اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح

کے خال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہتا

تھا۔

ابو عمران کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل راہ خدا میں جہاد ہی کرتے

رہے تا آنکہ آپ دن بھی قسطنطنیہ ہی میں ہوئے۔

اور اسی غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابو داؤد ہی نے "کتاب السنن" کے "باب فی قتل" الاسیر بالنیل میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

حدیثنا سعید بن منصور ثنا
عبد اللہ بن وہب قال اخبرني
عمرو بن الحارث عن بكير بن
الأشج عن ابن تلي قال غزونا
مع عبد الرحمن بن خالد بن
الوليد فأتى باربعة أعلاج
من العدو فأمر بهو فقتلوا
صبراً قال ابو داؤد قال لست
بغير سعيد عن ابن وهب في هذا
الحديث قال بالنيل صبراً
فبلغ ذلك أبا أيوب الانصاري
فقال سمعت رسول الله صلى
الله عليه وسلم يقول عن قتل الصبر
فوالذي نفسي بيده لو كانت
دجاجة ما صبر لها
فبلغ ذلك عبد الرحمن بن
خالد بن الوليد فأتى
أربع مرقاب

ابن تلي کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبد الرحمن بن خالد
بن الوليد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہاد میں
شریک تھے (اسی مہم میں) ان کے سامنے دشمن
کے چار پیچھے کئے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل
کرنے کا انہوں نے حکم دیا۔ اور عیسیٰ حکم میں ان کو
باندھ کر قتل کروا ڈالا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم
سے ہماری اساذ سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے
صاحب نے ابن وہب سے اس حدیث میں یوں
نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف
بنایا گیا تھا جب اس امر کی خبر حضرت ابوالیوب
انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
کہ آپ اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے
تھے پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضہ
تقدیرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو
میں اس کا اس طرح باندھ کر نشاء نہ لوں۔ پھر آپ کے
اس فرمانے کی اطلاع جب حضرت عبد الرحمن بن خالد
بن الوليد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے
اس کے قتلے میں چار غلام آزاد کئے۔

حضرت عبدالرحمن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بعض محدثین نے صفار صحابہ میں ذکر کیا ہے یہ بھی اپنے والد بزرگوار حضرت سیف اللہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شجاع و دلیر تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ فی تیز الصحابہ" میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ

انحرج ابن عساكر من طرق كثيرة
حافظ ابن عساكر نے بہت سی سڑوں سے نقل کیا کہ حضرت معاذ بن
اندرکان یومر علی غن و
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حکومت میں ان کو رد میوں سے جنگیں
لڑی جاتی تھیں ان میں امیر بنایا جاتا تھا۔

الروم اتمام معادیہ

امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں سلسلہ اور سلسلہ کے واقعات کے ضمن
میں اور حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں سلسلہ اور سلسلہ ہجری کے واقعات کے
ذیل میں بلاد روم میں ان کی زیر نگرانی و سرپرستی مسلمانوں کے سرمایہ جہاد کا ذکر کیا ہے افسوس
ہے کہ سلسلہ ہجری ہی میں ان کو حص میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا یہ اپنے غزوات و
جہاد کی وجہ سے شامی مسلمانوں میں بڑے محبوب و با اثر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید کو
سلسلہ ہجری یا اس کے بھی کئی سال بعد ۶۵۵ھ یا ۶۵۶ھ میں قسطنطینیہ کی مہم پر روانہ
ہوا تھا۔ اور یہ اس سے برسوں پہلے قسطنطینیہ کی شہر پناہ پر جنگ کو چکے ہیں۔ سردست
ہم "غزوہ قسطنطینیہ" کے سلسلہ میں اسی قدر بحث پر اکتفا کرتے ہیں۔ زندگی بخیر
رہی اور حق تعالیٰ نے توفیق دی تو تفصیلی بحث اس حدیث پر انشاء اللہ
آپ ہماری کتاب "یزید کی شکل و صورت حدیثوں کے آئینے میں" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔
یہ بھی یاد رہے کہ شارح بخاری مہلب المتوفی ۳۲۰ھ جنھوں نے سب سے پہلے یہ شوشہ پھوڑا ہے کہ
حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ اندس میں مالقہ کے قاضی تھے اور اندلس میں اس
زمانے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ اس لئے موصوف
کی یہ ساری کارگزاری جیسا کہ محدث قسطلانی نے شرح بخاری (صفحہ ۱۸) میں تصریح کی ہے بنی امیہ
کی حیثیت میں تھی۔

یزید کا عقیدہ اور علی دونوں خراب تھے | خدا صحت یہ ہے کہ یزید علی اہل سنت جماعت کی تحقیق کے مطابق عقیدہ اور علی دونوں کے اعتبار سے خراب آدمی تھا اس عقیدہ میں دو خرابیاں تھیں۔

(۱) "ناصبیت" یعنی حضرت علیؑ اور حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عداوت۔ چنانچہ حضرت نالوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یزید کے بارے میں تصریح ہے کہ "ازرؤسائے نواصب است"۔

اور مورخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ سیر اعلام النبلا میں لکھتے ہیں۔

یزید بن معاویۃ کان ناصبیاً فظاً غلیظاً یزید بن معاویہ ناصبی تھا سنگدل بد زبان

جلفاً یتناول المسکر و یفعل المنکر افتخ غلیظ جفا کار سے نوش بدکار، اس نے اپنی حکومت

دولتہ بقتل الشہید الحسین رضی اللہ عنہ کا اقتلاع حسین شہید رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیا

عندہ واختسہا بوقعة الحرة فمقتة النہا اور اختتام دائم جرحہ کے قتل عام اپنے اسی گلوگوں

ولہو ببارک فی عمرہ وخروج علیہ غلور احد نے اس پر پھٹکا بھیجی اور اس کی عمر میرا برکت نہ

بعد الحسین رضی اللہ عنہ کا اہل المدینہ ہوئی حضرت حسینؑ کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے

ذلک الروض الباسم فی الذب عن سندہ خلاف محض السنن اللہ خدو ج کیا جیسے کہ حضرات

ابی القاسم ج ۲ ص ۳۶ طبع منیریہ مصر) اہل مدینہ نے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

(۲) "ارجاء" یعنی "ناصبی" ہونے کے ساتھ "مرجی" بھی تھا چنانچہ سوال اول کے

جواب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح اس کے بارے میں گزر چکی ہے اور

"ارجاء" کی تفصیل بھی وہیں مذکور ہے۔ اور رہی اس کی بد عملی سو اس کے اعمال قبیحہ

اور حرکات شنیعہ کی تفصیل سے اس مقالہ کے ادراک پر میں بخیر ہی سوچ لیجئے کہ ایسے

نابکار و نالائق شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گنا گنا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے ؟

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ مزید سے محبت کے بارے میں

وَمَا تَرْكُ مَحَبَّةَ فَلَانِ الْمَحَبَّةِ
الْمُخَاسَّةِ انَّمَا تَكُونُ لِلنَّبِيِّينَ
وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ
وَلَيْسَ وَاحِدًا مِنْهُمْ وَ قَدْ قَالَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْمَرْغُوعُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ
وَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
لَا يَخْتَارُ أَنْ يَكُونَ مَعَ
مِزِيدٍ وَلَا مَعَ امْتِنَانٍ مِنْ
الْمَلُوكِ الَّذِينَ لِيَسُوَ الْعِبَادَ لِيَنْ
(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ)

ج ۳ ص ۱۴۸

روافض و نواصب دونوں کا ہدایت سے دور رہیں

کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

اَصْحَابِی كَالْجُرْمِ بَايَهُم اَتَدِيْتُمْ
اَهْتَدِيْتُمْ رَدَاكَ رَزِيْتُمْ

حافظ ابن تیمیہ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ
مزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ
محبت خاص کر انبیاء صدیقین و شہداء و
صالحین سے رکھی جاتی ہے اور مزید کا شمار
ان میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں
غیر اسلام کا ارشاد ہے کہ انسان کا حشر ان
ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی
اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت
پر ایمان رکھا ہے وہ اس بات کو پسند ہی
نہیں کرے گا کہ اس کا حشر مزید یا
اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل
نہیں تھے۔

ان میں اہم اتنا اور عرف کرینگے کہ
احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین کو بخیر ہدایت بتایا

بہتر صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی
اتھا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اس حدیث

(مشکوٰۃ باب مناقب الصحابة)

کو دزین نے نقل کیا ہے۔

(الفصل الثالث)

اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کشتی نوح سے تشبیہ دی گئی ہے

کہ جو اس میں سوار ہوگا بجز ضلالت میں غرق ہونے سے بچے گا ارشاد ہے کہ

الا ان مثل اهل بیتی فیکم

مثل سفینة نوح من رکبها

نجى، ومن تخلف عنها

هلك رواه احمد اشکوٰۃ

باب مناقب اهل بیت النبی

صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثالث

یاد رکھو میرے اہل بیت کی مثال تمہارے

لیئے ایسی دی ہے جیسے حضرت نوح علیہ

السلام کی کشتی تھی کہ جو اس میں سوار

ہوا اُس نے نجات پائی اور جو اس میں

سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے

مطلب صاف ہے جو لوگ "سفینہ اہل بیت" سے دور رہے جیسے خوارج اور

نواصب کہ "اہل بیت" کے دشمن ہیں ان کو کافر کہتے اور ان سے لعن و لعن رکھتے

ہیں وہ آول رطبہ ہیں میں غرق در یائے ضلالت ہوئے اور جو کشتی میں تو سوار ہوئے

مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ضیا پاشی سے کہہ بخیر ہدایت ہیں انہوں نے رہنمائی حاصل

نہ کی جیسے روافض ہیں تو اندھیرے اور تاریکی کی وجہ سے عین منجھار میں جا کر ان کی

کشتی بجز ضلالت میں غرقاب ہوئی اور اہل سنت و جماعت امام فخر الدین رازی کے

الفاظ میں

نحن معاشر اهل السنة

بحمد الله ربنا سفینة

محبة اهل البيت راہتدینا

بناجمہ ہدیٰ اصحاب النبی صلی

ہم گردہ "اہل سنت" بحمد اللہ محبت اہل

بیت کے سفینہ میں سوار ہیں اور اصحاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نجم ہدایت سے

رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس لئے امیدوار

اللہ علیہ وسلم فنخرج النجاة
من احوال القیامة وشرکات
المحکم والهدایہ الی ما یوجب
درجات الجنان والنعیم المقیم
ہیں کرتیامت کی بر لٹا کیوں اور جہنم کے
طبقات سے ہمیں نجات ملے گی اور وہ
ہدایت ہمیں عطا ہوگی جو جنت کے
درجات اور دائمی نعمت کو واجب
کرتی ہے۔

محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرتبہ شرح مشکوٰۃ میں حدیث سفینہ نوح
کی شرح میں امام ہارزی کی تفسیر کبیر سے ان کی یہ عبارت نقل کی ہے یزید پلیدی نے نہ
اہل بیت نبوی کی لاج رکھی نہ صحابہ کرام کی اس لیے اب جہاں سنت کے زمرہ سے
خارج ہو کر لواصب کے گرد ہتھارت پردہ میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ شوق سے
یزید پر اپنی جان بچھا دے کرے اپنا مال نثار کرے اور اس کی مداحی کو اپنا شعار بنائے۔
ان ساری تفصیلات سے اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ سائل
نے استفادہ میں جو بارہ سوالات قائم کیے ہیں وہ سب راہی تباہی شبہات پر مبنی
ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی توہین و تذلیل اور تحقیر و تجہیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ایسے امور کو خفائی
بار کر کے رانا پکانا بھی فاسق اور بدعتی ہے اور اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور
واجب التقریر ہے ایسا شخصیت نہ امامت کے لائق ہے نہ خطاب کے اس کے پیچھے
نماز مکروہ و تحریم اور واجب الاعداء ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والحمد للہ ابدیاً و آخراً

کتبہ الفقیر الی اللہ تعالیٰ محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ ذنوبہ

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۱۰ھ

خلافت اور ملکیت کے بارے میں فکر اسلامی کے دھارے کو بہانے کی کوشش

اہل سنت کیلئے لمحہ فکریہ

عافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۰۶ھ نے شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حادثہ کربلا، واقعہ حرہ، حصار کعبہ و قتل ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان چاروں جان گسل واقعات کو اسلام کے چار رخنوں سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرکز کا احترام ختم ہوا، اور خلافت کا رعب داب اُٹھ گیا، حادثہ کربلا سے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت خاک میں ملی، واقعہ حرہ سے مَدینۃ الرسولؐ کی بے حرمتی ہوئی، قتل ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کعبہ کی عزت کو داغ لگا۔ غرض ان چاروں ہنگاموں میں ناحق کوششوں، نئے دہ قیامت برپا کی کہ خدا کی پناہ، خلیفۃ الرسول، عترت پیغمبر اور اصحاب نبی سب کا بے دریغ خون بہایا۔ اور حرم نبی، خانہ کعبہ جملہ شعائر اسلام کی عظمت کا ذرہ برابر پاس لگاؤ نہیں کیا۔

ان چاروں حادثات کے بارے میں نا صبیوں کا موقف یہ ہے کہ وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں اور حادثہ کربلا کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور واقعہ حرہ کا ان صحابہ کرام کو جنہوں نے یزید کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اور حصار کعبہ کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے امداد خلافت کو، شیعہ مروا غیبہ کا ایمان و عقیدہ ہی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ خلافت کے غاصب تھے اور مسلمانوں

کے خون سے جہولی کھیلنے والے، حضرت حسینؑ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو حادثہ حرہ اور حصار کعبہ کے خونیں ہنگاموں میں شہید ہوئے اور عبدالملک بن مروان کی تیغ مستقیم کا نشانہ بنے شہید نہیں۔ بلکہ خلافت کے باغی تھے جو اپنی بغاوت کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے۔ شیعہ مردانہ کا یہ نظریہ مردانیوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ لیکن محمود احمد عباسی نے کتاب "خلافت معاویہ ویزید لکھ کر اس فتنہ کو پھرنے کے سرے سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب سبھی پر مشر صدیقی نے اس فتنہ کو ہوا دی ہے اس کتاب کے شائع ہونے سے ملک میں ایک تازہ فتنہ "ناصبیت" کا پیدا ہو گیا ہے جس سے اب تک بند و پاک کی سبز زمین یکسر پاک تھی، اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور اب تو بیت سے منقول میں اس کو ایک نیا ریسرچ کا درجہ حاصل ہے۔

یہ کتاب سراسر فریب، خداع، غیبی اور کذب و افتراء کا مرکب ہے۔ اس نام نہاد تازہ نگار ریسرچ کے چار نتائج ہیں۔

(۱) مستشرقین کی تصریحات، جن کو مولف جا بجا آزاد اور بے لاگ محققین کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور سرباب میں ان کے اقوال کو توڑ فیصل جھٹکتے ہیں۔

(۲) شیعہ مورخین جن کے کذب و افتراء کا جا بجا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود مولف ہر جگہ ان سے اپنے مطلب کی بات کہیں ان کی عبارت میں قطع و سرید کر کے اور کہیں بغیر اس کے ہی لے لیتے ہیں۔

(۳) بعض وہ مستشرقین جن پر ناصبیت کا الزام ہے اور وہ اہل بیت سے خوف رکھتے ہیں

خلافت راشدہ کے بعد ملکویت کا دور شروع ہوا اور ”خلافت علی منہاج السنہ“ باقی نہیں رہی۔ گاڑی کو بیچ پڑی پر ڈالنے کی جو کوششیں کی گئیں اسلاف کے نزدیک وہ کوششیں صحیح تھیں۔ ائمہ اربعہ سے لے کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ تک سب کا مسلک یہی رہا ہے۔ اسی متفقہ موقف کی حمایت اور فکری شد و ذرا تحریف پر غلطی نقد اس کتاب کا موضوع ہے۔